ڈاکٹر محمد عزیز

انجمن ترقی اُردو (ہند)
علی گڑھ

اسلام کے علاوہ

مذاہب کی ترویج میں

اردو کا حصّہ

اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصّہ

مرتبہ

محمد عزیز ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی
لکچرر، شعبہ اردو۔ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

اشاعت اوّل ۱۹۵۵ء

شائع کردہ

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

فہرست مضامین

حرفِ آغاز

یہ مقالہ اب سے چھ سات برس پہلے مسلم یونیورسٹی کی پی ایچ۔ ڈی کے لئے لکھا گیا تھا۔ بعض وجوہ سے اب تک اس کے شائع ہونے کی نوبت نہ آئی۔ اب انجمن ترقی اردو ہند کی عنایت سے یہ ناظرین تک پہونچ رہا ہے۔ انجمن کے جنرل سکریٹری جناب قاضی عبدالغفار صاحب کی ہدایت کے بموجب میں نے اسے مختصر کردیا ہے۔ خصوصاً اس کے پہلے باب میں جو تاریخی پس منظر کی حیثیت رکھتا ہے بہت کچھ کانٹ چھانٹ کردی ہے۔ مجموعی طور پر مقالے کا حجم بہ نسبت سابق کے دو تہائی رہ گیا ہے۔ تاہم اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی ضروری بات چھوٹ نہ جائے۔ اور قامت کی کمی سے قیمت کو نقصان نہ پہونچے۔

ہندوستان میں زبان کے مسئلے نے جو صورت آج اختیار کرلی ہے اس کے پیش نظر امید ہے کہ یہ مقالہ اردو کا صحیح مقام متعین کرنے میں مفید ثابت ہوگا۔

۱۴ اپریل ۱۹۵۴ء

محمد عزیر
شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

تعارف

ہماری یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں ایک کمرہ ہے جو بیک وقت ارکان شعبہ کی نشست گاہ، شعبے کا دفتر، اور خلق اللہ کی رہ گزر ہے۔ مقررہ تعلیمی گھنٹوں کا درمیانی وقفہ معلموں کا یہیں گزرتا ہے۔ بعض ارکان سے یونیورسٹی کے دوسرے کام بھی متعلق ہیں۔ اس سلسلے میں طلبہ، منشی، چپراسی، خانساماں، سبھی آتے جاتے ہیں۔

اکثر ایسا ہوا کہ جملہ ارکان ورنہ ان میں سے بیشتر ایک ہی وقت میں جمع ہو گئے اور کسی مصنف یا ادبی مسئلے پر گفتگو چھڑ گئی۔ یہ مقالہ انھیں صحبتوں میں سے ایک صحبت کا نتیجہ ہے۔

گفتگو شروع یوں ہوئی کہ اردو پر مذہبی یا جماعتی ٹھپّا کیوں لگایا جاتا ہے جب کہ اس کی ابتدا اور ارتقا میں سبھی برابر کے شریک ہیں اور اس پر مستقل تصنیفیں موجود ہیں کہ کس کس نے اردو کی ترقی میں کیسا اور کتنا حصہ لیا، ہندو، مسلمان، دیسی، بدیسی رؤسا، فقرا، عوام وغیرہ۔

صدر شعبہ نے جو ہم میں سے ہر ایک کے استاد رہے ہیں، گفتگو کے دوران میں یک بیک فرمایا کہ اب تک دوسروں کے احسانات اردو پر گنائے تبائے گئے ہیں اب یہ گنانے تبانے کی ضرورت ہے کہ اردو کے احسانات دوسروں پر کیا ہیں۔

موصوف نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ اسی سانس میں مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ کام تم کرو۔ میں نے پوچھا عنوان کیا ہوگا۔ فرمایا کہ عنوان کی کوئی ایسی جلدی نہیں ہے بس کام شروع کر دو۔ نیت بخیر اور صحت اچھی رہی تو کام کے دوران ہی میں عنوان مل جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کچھ کام کرنے کے بعد ہی عنوان متعین ہو گیا، یعنی

"غیر اسلامی مذاہب اور ان کے اخلاق کے مقبول عام بنانے میں اردو کا حصہ"

اس مقالے کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ ہندوستان میں اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب اور ان کے اخلاق کی اشاعت میں اردو زبان کا حصہ کتنا ہے۔ اس کے لئے ان کتابوں کا احاطہ ضروری تھا۔ جو غیر مسلموں نے اپنے مذہب و اخلاق پر اردو میں تصنیف، تالیف یا ترجمہ کر کے شائع کی ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ ایسی تمام کتابوں تک میری رسائی ہوئی، لیکن حتی الوسع اس کی کوشش کی گئی کہ لاہور سے پٹنہ تک اس طرح کی مطبوعات جہاں کہیں مل سکتی ہوں ان کا مطالعہ کیا جائے اور ان کی عبارتوں کے نمونے پیش کئے جائیں۔ جیسا کہ میں نے مقالے کے پہلے باب میں ذکر کیا ہے میں نے اس سلسلے میں پندرہ سولہ کتب خانوں کا جائزہ لیا۔ جہاں اردو کی کم و بیش چار سو غیر اسلامی مذہبی اور اخلاقی کتابوں کے دیکھنے اور ان کی یادداشتیں لینے کا موقع ملا۔ ان میں سے اکثر کے اقتباسات اس مقالے میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان اقتباسات سے غیر اسلامی مذاہب کی بنیادی تعلیمات پر بھی روشنی پڑتی ہے اور اس مشترک زبان کے نمونے بھی سامنے آجاتے ہیں جو غیر مسلموں نے اپنی مذہبی اور اخلاقی کتابوں میں اختیار کی ہے۔

لاہور میں مجھے سکھ مت کی اردو کتابیں خود سکھوں کی لکھی ہوئی کافی تعداد میں ملیں۔ میرا قصد امرتسر جانے کا بھی تھا۔ وہاں بھی ایسی کتابوں کا خاصہ ذخیرہ ہوگا۔ لیکن لاہور کے زمانۂ

قیام ہی میں پنجاب کی سیاسی فضا اس درجہ پُرخطر ہو گئی کہ مجھے علی گڑھ واپس آنا پڑا۔

مقالے کے پہلے باب میں ان مختلف اثرات کو دکھایا گیا ہے جو مسلمانوں کی آمد سے ہندوستان کی تہذیب پر پڑے۔ شروع شروع میں ان کا تاجرانہ حیثیت سے اس ملک میں آنا اور کچھ دنوں کے بعد یہیں آباد ہو جانا، ہندو راجاؤں کا ان کی سرپرستی کرنا اور انھیں تبلیغ اسلام کی اجازت دینا، اس تبلیغ کے اثر سے یہاں کے باشندوں کی ایک بڑی تعداد کا مسلمان ہو جانا، ہندو مسلمانوں کے درمیان خوشگوار تعلقات کا قائم ہونا، آپس کے میل جول سے ایک دوسرے کی تہذیبی خوبیوں سے متاثر ہونا اور تہذیب کے مختلف پہلوؤں میں اس اثر کا نمایاں ہونا، ایک مشترک زبان کا رفتہ رفتہ وجود میں آنا، اس کی نشوونما میں ہندوستان کے عام باشندوں کا حصہ لینا، اور بالآخر بلا تفریق مذہب و قومیت اس کا ملک کے بڑے حصہ کی زبان بن جانا اور اس حد تک مقبولیت حاصل کر لینا کہ غیر اسلامی مذاہب و اخلاق کی تعلیم بھی ایک بڑے پیمانے پر اسی زبان میں دی جانے لگی۔ یہ تمام باتیں تاریخی اور تمدنی شواہد کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

دوسرے ابواب میں مختلف غیر اسلامی فرقوں کی مذہبی اور اخلاقی کتابوں کا ذکر ہے۔ ہر باب کے شروع میں اس مذہب یا فرقے کے بنیادی اصول مستند کتابوں سے اخذ کر کے لکھے گئے ہیں۔ یہ اصول اگر خود اس فرقے کی کسی اردو کتاب میں مل سکے تو اسی کے اقتباس کو ترجیح دی گئی ہے۔ بعض کتابوں کے دیباچوں کے ٹکڑے بھی نقل کر دئے گئے ہیں۔ ان سے یا تو کتاب کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ یا جو خاص باتیں اس میں بیان کی گئی ہیں وہ معلوم ہوتی ہیں۔

غیر اسلامی مذہبی اخبارات و رسائل صرف چند میری نظر سے گزرے۔ ان کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں زیادہ تر وہ اخبارات و رسائل ہیں جن کا ذکر گارساں دتاسی

نے اپنے خطبات میں یا بعض دوسرے اصحاب نے مختلف مضمونوں میں کیا ہے۔ چند رسالوں کے حوالے مجھے ان کتابوں میں بھی ملے جن کے اقتباسات مقالے میں شامل ہیں۔

آخری باب میں جو خلاصہ اس مقالے کا ہے غیر اسلامی مذہبی مطبوعات کی کثرت کا اجمالی ذکر اور جن کتابوں کی عبارتوں کے نمونے پیش کیے گئے ہیں ان کی زبان پر مختصر تبصرہ ہے۔ ہر فرقے کی صرف انھیں کتابوں کے اقتباسات دیے گئے ہیں جو خود اس فرقے کے لوگوں نے لکھی ہیں۔

کتابیات کے ذیل میں جو فہرست ہے اس کے حاشیے پر علیحدہ علیحدہ ہر فرقے کی کتابوں کے ساتھ ان کتب خانوں کے نام بھی لکھ دیے گئے ہیں جہاں یہ کتابیں دستیاب ہوئیں۔

محمد عزیر

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور اُس کے اثرات

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے سیکڑوں برس پہلے اس ملک سے عربوں کے تجارتی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ وہ ہندوستان کی پیداوار مصر اور شام کے ذریعہ یورپ تک پہنچاتے اور وہاں کا سامان ہندوستان، جزائر ہند، چین اور جاپان تک لے جاتے تھے[1]۔ عربوں کے علاوہ ہندوستان اور مغربی ممالک کی تجارت میں ایرانیوں نے بھی بڑی سرگرمی دکھائی۔ ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں جب مسلمانوں نے ایران فتح کیا تو مسلمان تاجر ایران کی بحری تجارت پر بھی قابض ہو گئے، اور عرب جہاز رانوں کے بیڑے بحر ہند میں رواں نظر آنے لگے۔

مسلمانوں کی نوآبادیاں ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے کی ابتدا محمد بن قاسم کی فتح سندھ سے خیال کی جاتی ہے۔ جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں ہوئی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ شمالی ہند سے پہلے جنوبی ہند میں مسلمانوں کی نوآبادیاں قائم ہوئیں، اور سب سے پہلے وہ تاجرانہ حیثیت سے جنوبی ہند کے جزائر اور بعض ساحلی مقامات پر آکر آباد ہوئے۔ سندھ پر حملہ کے مختلف اسباب تھے۔ ان میں سے ایک

---

[1] "عرب و ہند کے تعلقات"، مولفہ مولانا سید سلیمان ندوی شائع کردہ ہندستانی اکاڈمی الٰہ آباد ۱۹۳۰ء ص ۹

خاص سبب خود اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ جنوبی ہند کے اطراف میں مسلمان پہلے سے آباد تھے۔ پہلی صدی ہجری کے آخر میں حجاج، عراق کا گورنر تھا۔ اور جزائر ہند کی طرف عراق کی بندرگاہ سے جہاز آتے تھے۔ لنکا کے راجہ نے مسلمانوں سے اظہار دوستی کے طور پر منجملہ دوسرے تحائف کے ایک جہاز میں ان مسلمانوں کے اہل و عیال کو بھی عراق روانہ کیا جو لنکا میں تجارت کے سلسلے سے آباد تھے اور وہیں انتقال کر گئے تھے۔ اس واقعے سے ظاہر ہے کہ لنکا میں مسلمانوں کی آبادی پہلی صدی ہجری میں قائم ہو چکی تھی۔ جس جہاز پر یہ تحائف اور مسلمانوں کی عورتیں اور بچے جا رہے تھے۔ اس پر سندھ کی بندرگاہ دیبل کے قریب بحری ڈاکوؤں نے حملہ کر کے تمام سامان اور عورتوں اور بچوں پر قبضہ کر لیا۔ حجاج کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے سندھ کے راجہ داہر سے ان گرفتاروں کو بحفاظت عراق بھجانے کا مطالبہ کیا۔ مگر راجہ نے یہ عذر کیا کہ ڈاکوؤں پر میرا کچھ زور نہیں۔ حجاج نے اس عذر کو قبول نہ کیا اور اپنے نوجوان بھتیجے محمد بن قاسم کی سرکردگی میں ایک فوج سندھ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کی جس نے ۹۳ھ میں سندھ پہونچ کر تین سال کی مدت میں ملتان سے کچھ تک اور دوسری طرف مالوہ کی سرحد تک قبضہ کر لیا۔[1]

ان اطراف میں مسلمانوں کا دوسرا مرکز مالدیپ کا جزیرہ تھا۔ مالدیپ کے مفصل حالات ابن بطوطہ نے لکھے ہیں۔ اس کے زمانے یعنی سلطان محمد تغلق کے عہد میں پورا جزیرہ مسلمان تھا۔ اس میں عربوں اور دیسی مسلمانوں کی آبادی تھی اور سلطان خدیجہ نام ایک بنگالی خاتون وہاں کی فرمانروا تھی۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ یہاں کے لوگ پہلے بت پرست تھے۔ لیکن مراکو کے شیخ ابوالبرکات بربری مغربی کی ایک کرامت دیکھ کر راجہ شنورازہ اور اس کی تمام رعایا مسلمان ہو گئی۔ وہ لکھتا ہے کہ مالدیپ کی اس مسجد کی محراب پر جسے نومسلم راجہ نے تعمیر کرایا تھا میں نے یہ کتبہ دیکھا۔

---

[1] "عرب و ہند کے تعلقات"، ص ۱۵-۱۶۔

"سلطان ۸۶۳ھ ششنورازہ ابوالبرکات مغربی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا"[1]

قریب قریب اسی زمانے میں مسلمانوں کی ایک جماعت نے عرب سے آکر ملبار کے ساحل پر بود و باش اختیار کی۔ رونالڈسن (RONALDSON) تحفۃ المجاہدین کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

"مسلم عرب ساحلی ملیبار پر اول اول ساتویں صدی عیسوی کے آخر کے قریب آباد ہوئے۔"

اسٹرک (STURROCK) کا بیان ہے:-

"یہ بخوبی معلوم ہے کہ ساتویں صدی کے بعد سے، ایرانی اور عرب تاجر ہندوستان کی مختلف بندرگاہوں میں کثرت سے آباد ہو گئے اور اس علاقے کی عورتوں سے شادی کر لی۔ اور یہ آبادیاں خصوصیت کے ساتھ ملیبار میں بڑی اور اہم تھیں، جہاں بہت قدیم زمانے سے یہ مصلحت اندیشی نظر آتی ہے کہ بندرگاہوں میں تاجروں کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی جائے"[2]

ملیبار میں مسلمانوں کی آمد اور اشاعت اسلام کے تفصیلی حالات شیخ زین الدین نے اپنی مشہور کتاب تحفۃ المجاہدین میں لکھے ہیں جو ملیبار کے مسلمانوں کی سب سے قدیم تاریخ ہے۔ وہاں کے راجہ چیرامن پیرومال کے قبول اسلام کا واقعہ جس طرح اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔ ممکن ہے روایتی حیثیت رکھتا ہو، لیکن جیسا کہ ڈاکٹر تاراچند نے لکھا ہے ملیبار میں چیرامن پیرومال کا خاندان نویں صدی عیسوی کے شروع ہی میں اس کے آخری فرمانروا کے تخت سے دستبردار ہو جانے پر ختم ہو گیا تھا جو غالباً مسلمان ہو گیا تھا۔

مسلمانوں نے شروع ہی سے ملیبار میں ہر دلعزیزی اور اہمیت حاصل کر لی تھی

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات: ص ۲۵-۲۴۴-۲

[2] ہندوستانی تہذیب پر اسلام کا اثر (انگریزی) از ڈاکٹر تاراچند مطبوعہ انڈین پریس، الہ آباد ص ۳۲

وہ ماپلا کے نام سے پکارے جاتے تھے جس کے معنی ہیں "بزرگ کا بچہ"، یا "داھا"۔ یہ لقب ملیبار میں عیسائیوں کو بھی دیا گیا تھا۔ مگر دونوں فرقوں میں امتیاز کرنے کے لئے عیسائیوں کو نصرانی ماپلا کہتے تھے۔ مسلمانوں کو مختلف مراعات حاصل تھیں۔ مثلاً ایک مسلمان نمبوتری برہمن کے پاس بیٹھ سکتا تھا۔ حالانکہ ایک نائر کو اس کی اجازت نہ تھی اسی طرح ماپلا کے سردار تھنگل کو زمورن (ملیبار کے راجہ) کے ساتھ ساتھ پالکی میں جانے کی اجازت تھی۔ زمورن کی سرپرستی کی وجہ سے عرب تاجروں کی ایک بڑی تعداد اس کے علاقوں میں آباد ہوگئی، اور انھوں نے اپنی تجارت سے نہ صرف ملک کی دولت میں بہت کچھ اضافہ کیا بلکہ راجہ کی فوجی مہموں میں بھی اس کی مدد کی۔ ان مراعات اور حوصلہ افزائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بڑی تعداد میں جنوبی ہند میں آباد ہوگئے۔ مسلمانوں کا اپنا سردار تھا جس کا لقب ہزامہ (بہزمند) تھا۔ اور اس کو راجہ کی طرف سے مسلمانوں پر حاکمانہ اختیارات حاصل تھے۔ ڈاکٹر تاراچند ملیبار میں مسلمانوں کی آبادی کے متعلق ابودلاف مہلہل، ابن سعید مارکوپولو، ابن بطوطہ اور عبدالرزاق کی شہادتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"ان بیانات سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مغربی ساحل پر مسلمان بہت پہلے آباد ہوگئے تھے اور انھوں نے تعداد، دولت اور طاقت میں ترقی کرلی تھی۔"[1]

مغربی ساحل کی طرح مشرقی ساحل پر بھی عربوں کی آمد و رفت تجارت کے سلسلے سے زمانہ قبل اسلام سے تھی۔ عرب تاجر چین جاتے ہوئے خلیج بنگال سے گزرتے تھے مسلمان عربوں نے بھی اس سلسلے کو جاری رکھا اور ساحلی مقامات پر ان کی آبادیاں بڑھتی گئیں تجارتی جہاز اس کثرت سے یہاں سے آتے جاتے تھے کہ عربوں نے اس ساحل کا نام ہی معبر (گزرگاہ) رکھ دیا۔ اس علاقے میں مسلمانوں کی سب سے بڑی اور پرانی بستی

---

[1] ہندوستانی تہذیب پر اسلام کا اثر از ڈاکٹر تاراچند ص ۳۵-۳۸

کیالاپٹم تھی، جو صوبہ مدراس کے ضلع تنادلی میں واقع ہے۔ یہاں سلسلہ سے لیکر پانچ سو سال بعد تک کے اسلامی سکّے پائے گئے ہیں[۴]۔ ملیبار کی طرح معبر کے مسلمانوں کو بھی مقامی راجاؤں کی طرف سے ہر قسم کی رعائتیں ملیں اور وہ آزادی کے ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کرنے لگے۔ مسلمانوں اور ہندو راجاؤں کے تعلقات کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۷۱۰ھ (سنہ ۱۳۱۰ء) میں جب سلطان علاء الدین کی فوج نے کارومنڈل پر حملہ کیا تو وہاں کے راجہ کی طرف سے مسلمان عراقیوں اور عربوں نے مسلمان ترکوں کا مقابلہ کیا، اور گو راجہ کو شکست ہوئی اور ملک کافور نے ملک پر قبضہ کر لیا لیکن کارومنڈل کے مسلمان اپنے عہد و پیمان کی بنا پر اور ان رعایتوں کی حق شناسی میں جو انھیں راجہ کی طرف سے حاصل تھیں مسلمان حملہ آوروں سے نہایت جانبازی کے ساتھ لڑے، اور امیر خسرو کی روایت کے مطابق محض کلمہ اور قرآن پڑھ کر اور اس طرح اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دے کر ملک کافور کے شدید انتقام سے اپنی جان بچا سکے۔ چودہویں صدی عیسوی میں ملک کافور کے حملے کے بعد جب ابن بطوطہ نے معبر کا سفر کیا تو جس علاقے میں اب میسور کی ریاست ہے۔ وہاں اس وقت ہویسالا خاندان کی حکومت تھی، اور پایۂ تخت کا نام دوار سمندر تھا۔ حکمران راجہ بلال دیو تھا ابن بطوطہ نے اس کی فوج کی تعداد ایک لاکھ بتائی ہے جس میں بیس ہزار کے قریب مسلمان تھے[۵]۔

ڈاکٹر تارا چند اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں:۔

"ان بیانات سے یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ظہورِ اسلام کے تھوڑے ہی دنوں بعد مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنی تہذیب، مذہب اور خیالات کے پھیلانے کا موقع حاصل کر لیا۔ ساتویں صدی سے تیرہویں صدی تک

---

۴ "ہندوستانی تہذیب پر اسلام کا اثر" از ڈاکٹر تارا چند ص ۴۴

۵ "عرب و ہند کے تعلقات" ص ۲۷۴ ـ ۷۵

۶ " " ص ۳۰۴

سلطنت عثمانیہ میں یونانیوں اور رومیوں کے لئے ان کی قومی عدالتیں الگ قائم تھیں اور انہیں میں ان کے مقدمات فیصل ہوتے تھے۔ گجرات کی بندرگاہوں میں سے کھمبایت اور چیمور (صیمور) میں مسلمانوں کی آبادی خاص طور پر زیادہ تھی۔ ان عرب سوداگروں نے اکثر یہیں کی عورتوں سے نکاح کر لیا تھا۔ ان سے جو اولاد ہوتی تھی ان کو "بیسر" (بیاسرہ جمع) کہتے تھے[1]

شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کا قدم سب سے پہلے سندھ میں آیا۔ جیسا کہ شروع میں بیان ہوا۔ محمد بن قاسم نے پہلی صدی ہجری کے آخر میں دیبل سے ملتان تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس حملے سے پہلے ہی پانچ سو عرب مسلمانوں کی ایک جماعت مکران سے بھاگ کر سندھ کے راجہ داہر کے یہاں چلی آئی تھی، اور لنکا کے مسلمان تاجروں کے یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کے علاوہ ان پناہ گزینوں کو واپس نہ کرنا بھی منجملہ ان اسباب کے تھا۔ جو حجاج کی اس انتقامی مہم کا باعث ہوئے۔ بہرحال عربوں نے سندھ اور ملتان پر قبضہ کر کے ان ریاستوں کو اسلامی سلطنت کا باج گزار علاقہ بنا لیا۔ لیکن یہاں ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور آئندہ تین صدیوں تک ان کی حکومت ہندوستان کے اسی گوشے تک محدود رہی۔

ایک مشترک زبان کی تخم ریزی

شروع میں بتایا جا چکا ہے کہ ہندوستان سے عربوں کے تجارتی تعلقات ظہور اسلام سے صدیوں پہلے قائم ہو گئے تھے، اور مسلمان بھی اس ملک میں پہلے پہل تاجر ہی کی حیثیت سے آ کر آباد ہوئے۔ ان قدیم تجارتی تعلقات کی یادگار وہ ہندی الفاظ ہیں۔ جو عربی سفرناموں اور جغرافیہ کی کتابوں میں نیز عرب اور ایرانی جہازرانوں میں رائج ہو گئے۔ ان میں سے ایک لفظ بارجہ ہے جو ہندی بیڑہ کی عربی شکل ہے۔ عربوں نے

[1] عرب و ہند کے تعلقات، ص ۲۸۱

اسے بارجہ کہنا شروع کیا اور اس کی جمع بوراج بنائی۔ چونکہ سواحل ہند کے بحری ڈاکو کشتیوں پر چھاپے مارتے تھے اس لئے بوراج ہندوستان کے بحری ڈاکوؤں کو بھی کہنے لگے۔ دوسرا لفظ دوینج ہے۔ یہ ہندی لفظ ڈونگی کا معرب ہے۔ ایک اور لفظ ناخوذہ ہے جس کی جمع نواخذہ ہے۔ ہندوستان کے لوگ اس کی فارسی شکل ناخدا سے زیادہ مانوس ہیں۔ ناؤ ہندی ہے۔ خدا فارسی میں مالک کو کہتے ہیں۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں ؎

ماخدا داریم مارا ناخدا درکار نیست

قدیم زمانے میں اہل عرب ہندوستان سے تجارت کی جو چیزیں لے جاتے تھے ان میں سے بہت سی چیزوں کے نام عربی زبان میں داخل ہو گئے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی محققانہ تالیف "عرب و ہند کے تعلقات" میں ایسے ہندی الفاظ کی ایک فہرست دی ہے جو قدیم عربی لغت میں تجارتی اشیاء کے لئے پائے جاتے ہیں مثلاً عرب میں ہندوستان کی بنی ہوئی تلواریں بہت مشہور تھیں۔ اس لئے تلوار کے لئے ہندی، ہندوانی اور مہند کے الفاظ عام طور سے عربی زبان میں رائج ہو گئے۔ اسی طرح چندن کے لئے صندل موشکا کے لئے مسک، تامبول (پان) کے لئے تنبول، کپور کے لئے کافور، کنک پھل (لونگ) کے لئے قرنفل، نیلو پھل کے لئے نیلوفر اور ایل (الائچی) کے لئے ہیل عربی زبان میں بے تکلف بولا جانے لگا۔ دواؤں میں جائے پھل کے بجائے جائے فل، ترپھل کے بجائے اطریفل، بہیڑا کے بجائے بلیلج، ہڑے کے بجائے ہلیلہ وغیرہ وغیرہ عربی لغت کا جزو بن گئے۔ مولانا نے مختلف قسم کے کپڑوں، رنگوں اور پھلوں کے ہندی نام اور ان کی عربی شکلیں بھی بتائی ہیں اور آخر میں خود قرآن مجید میں ہندی کے تین لفظوں کا نشان دیا ہے یعنی مسک (موشکا) زنجبیل (ہندی زنجابیر، یعنی سونٹھ یا ادرک) اور کافور (ہندی کپور) [1]

[1] "عرب و ہند کے تعلقات" ص ۶۸-۷۲

علمی تعلقات کی ابتداء ہندوستان سے مسلمانوں کے علمی تعلقات کی ابتدا دوسری صدی ہجری کے وسط ہی سے ہو گئی تھی۔ چنانچہ خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں (۱۵۴ھ) سندھ کے ایک وفد کے ساتھ ہیئت اور ریاضیات کا ایک فاضل پنڈت ہیئت کی مشہور کتاب سدھانت لیکر بغداد پہونچا اور خلیفہ کے حکم سے اس کا ترجمہ دربار کے ایک ریاضی داں ابراہیم فزاری نے عربی میں کیا۔ اس کتاب سے عربوں کے علم ہیئت پر بہت اثر پڑا۔ بغداد میں اس ہندو فاضل کے دو شاگرد ہوئے، ابراہیم فزاری اور یعقوب بن طارق۔ دونوں نے اپنے اپنے طریقے سے سدھانت کے اصولوں کو عربی زبان میں منتقل کیا۔ پھر جب ہارون الرشید نے اپنے علاج کے لئے ہندوستان سے وید بلوائے تو اس ملک کی علمی عظمت کا سکہ عربوں کے دلوں پر اور بھی بیٹھ گیا، اور برامکہ کی سرپرستی میں طب، نجوم، ہیئت اور ادب و اخلاق کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ سنسکرت سے عربی میں ہوا۔

علم ہیئت کے علاوہ علم حساب میں بھی عربوں نے ہندوستانی پنڈتوں سے استفادہ کیا۔ ان کو اعتراف ہے کہ (۱) سے (۹) تک کا ہندسہ لکھنے کا طریقہ انھوں نے ہندوؤں سے سیکھا۔ اسی لئے اہل عرب اسے "حساب ہندی" یا "ارقام ہندیہ" کہتے ہیں اور چونکہ یورپ والوں نے اسے عربوں سے حاصل کیا وہ اس کو ارقام یا اعداد عربیہ (ARABIC FIGURES) کہتے ہیں۔ حکمت و دانش کی جن کتابوں کا ترجمہ سنسکرت سے عربی میں کیا گیا ان میں سے دو بہت مشہور ہوئیں۔ ایک کلیلہ و دمنہ اور دوسری بوذاسف و بلوہر۔ کلیلہ و دمنہ، پنچ تنتر کا ترجمہ ہے۔ جو ساسانیوں کے عہد میں پہلے سنسکرت سے زبان پہلوی میں ترجمہ ہوئی اور اس سے عربی میں۔ اس کے متعدد ترجمے نظم و نثر میں کئے گئے۔ اور عربی سے یہ کتاب دنیا کی تمام مہذب زبانوں میں منتقل ہوئی۔ انوار سہیلی جو فارسی کی مشہور درسی کتاب ہے اسی کا ترجمہ ہے جو عربی سے کیا گیا تھا۔ اور سب سے

آخر انوارِ سہیلی کی روشنی میں فقیر محمد خاں گویا نے زبان اردو میں اپنا بستانِ حکمت آراستہ کیا۔ دوسری کتاب جو کلیلہ و دمنہ سے کم شہرت رکھتی ہے لیکن اپنی اہمیت کے لحاظ سے زیادہ گراں قدر ہے۔ بوذاسف و بلوہر ہے۔ اس میں گوتم بدھ کے حالات زندگی اور ان کی تعلیمات کو تمثیلی حکایات کے پیرائے اور نہایت دل نشیں انداز میں بیان کیا ہے۔ بوذاسف، بودھ کی عربی شکل ہے اور بلوہر اس جوگی کا نام ہے جو لنکا سے تاجر کے بھیس میں بودھ کے پاس آیا تھا۔ اور جس نے اپنی تلقین سے اس کو دنیا کے چھوڑنے اور نروان کی تلاش میں گھر سے نکلنے پر آمادہ کیا تھا۔ یہ کتاب مذہبی حلقوں میں بہت مقبول ہوئی۔ ان کے علاوہ قصے کہانیوں، جادو منتر، کیمیا، طریق حکومت اور فن حرب کی متعدد کتابیں سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کی گئیں اور مہابھارت کا خلاصہ بھی عربی زبان میں مرتب ہوا۔[1]

مشترک ہندوستانی تہذیب

مسلمانوں نے ہندوستان میں آکر اس ملک کو اپنا وطن بنا لیا۔ جنوبی ہند میں تو ان کی آمد تاجرانہ تھی لیکن شمالی ہند میں بھی جہاں وہ فاتحانہ حیثیت سے آئے تھے۔ فاتح اور مفتوح کی مغائرت صرف تھوڑے دنوں تک قائم رہی۔ اس کے بعد ہندو اور مسلمان دونوں ہمسایوں کی طرح رہنے لگے اور امتداد زمانہ کے ساتھ ایک دوسرے کو زیادہ سمجھنے لگے۔ ایک جگہ رہنے سہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہوئے۔ اور اس طرح ایک نئی تہذیب وجود میں آئی جس کو ہندوستانی تہذیب کہہ سکتے ہیں، جو نہ خالص اسلامی تھی نہ بالکل ہندو۔ اس مشترک تہذیب کے ظہور میں آنے کی خاص وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک بڑی تعداد نومسلموں کی تھی جنھوں نے باہر سے آنے والوں کا مذہب تو قبول کر لیا تھا۔ مگر تہذیب و تمدن میں بہت کچھ اپنی قدیم

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "عرب و ہند کے تعلقات" ص ۱۶۴ تا ۱۷۲

روایات کے پابند تھے۔ یہ اشتراک تہذیب کے مختلف پہلوؤں میں نمودار ہوتا گیا۔ چنانچہ مذہب، ادب، علوم و فنون، معاشرت، تعمیر و موسیقی، ہر ایک میں ملکی اور غیر ملکی عناصر کا امتزاج عمل میں آنے لگا۔ جنوب میں اسلامی تعلیمات سے جو اثر براہ راست پڑا اس کے علاوہ ایک بالواسطہ اثر ہندوؤں پر یہ بھی ہوا کہ ان کے دلوں میں مذہبی احساس از سر نو پیدا ہو گیا، اور اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جنوبی ہند میں بھگتی کی تحریک جسے رامانج نے تکمیل کو پہونچایا اور ویدانت کی تحریک جو شنکر آچاریہ کے ہاتھوں پایۂ کمال کو پہونچی، ایک حد تک اس عام مذہبی بیداری کا نتیجہ تھی جو اسلام کے اثر سے پیدا ہو گئی تھی۔ چودھویں صدی عیسوی کے بعد مہاراشٹر، گجرات، پنجاب اور بنگال کے ہندو مصلحین مذہب اپنے چند قدیم عقیدوں کو ترک کر کے اسلام کی بعض تعلیمات قبول کر لیتے ہیں، اور اس طرح دونوں مذہبوں کی آمیزش سے ایک نیا مذہب پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ کبیر داس اور گرونانک کی تعلیمات میں اسلامی تعلیمات کا اثر صاف ظاہر ہے۔

ایک مخلوط زبان کا وجود میں آنا

ایسی ہی تبدیلی ادب کے میدان میں نظر آتی ہے۔ ہندوستان کا علمی سرمایہ عوام کی مذہبیات کے لئے سنسکرت سے منتقل ہو کر ہندی، مرہٹی اور بنگالی میں آ گیا ہے، اور ہندو مسلمان دونوں ان زبانوں کے ادب کو فروغ دینے میں حصہ لیتے ہیں۔ علم و ادب کا یہی اشتراک ایک نئی زبان کے پیدا ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ مسلمان اپنی عربی، فارسی اور ترکی چھوڑ کر اس ملک کے باشندوں کی زبان اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اس طرح ایک نئی زبان وجود میں آتی ہے یہ زبان ہندو مسلمانوں کے صدیوں کے میل جول کا نتیجہ تھی۔ دونوں نے اس کو اپنا مشترک سرمایہ سمجھا اور اسے ترقی دینے میں یکساں کوشش کرتے رہے۔

مسلمانوں نے جب ہندوستان میں قدم رکھا تو یہ ملک سیکڑوں چھوٹی چھوٹی مملکتوں

اور ریاستوں میں بٹا ہوا تھا جو باہم برسرپیکار رہا کرتی تھیں۔ زبان کے لحاظ سے بھی تفرقہ و انتشار کا یہی عالم تھا۔ ہر ریاست کی زبان الگ تھی، اور لڑائیوں میں کسی ریاست کے حدود کے بڑھنے یا گھٹنے کے ساتھ اس کی زبان کا دائرہ بھی بڑا یا چھوٹا ہوتا رہتا تھا۔ مسلمانوں کی آمد سے جس طرح اس ملک میں سیاسی وحدت پیدا ہوئی اسی طرح لسانی وحدت کا سامان بھی فراہم ہوا۔ یہاں مسلمان بادشاہوں کی دفتری زبان تو فارسی تھی، لیکن عام بول چال کے لئے جسے ہندو مسلمان دونوں سمجھتے یہ زبان کام نہیں دے سکتی تھی، اور نہ یہ ممکن تھا کہ ہندوستان کے کسی ایک صوبے کی زبان کو تمام ملک میں جاری کر دیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان جس صوبے میں گئے وہاں کی زبان اختیار کر کے مذہبی، سیاسی، تمدنی، صنعتی، تجارتی اور علمی ضرورتوں سے اپنی زبان کے سیکڑوں الفاظ اس میں داخل کر دئے۔ اور چونکہ یہ الفاظ ضرورت کی بنا پر داخل کئے گئے تھے۔ اس لئے زبان کا جزو بن کر مقبول عام ہو گئے۔ اس طرح ایک مخلوط زبان کا پیکر تیار ہوا جو سندھ میں سندھی، گجرات میں گجراتی، دکن میں دکنی، پنجاب میں پنجابی، اور دہلی میں دہلوی کہلائی۔ دہلی کی یہی زبان اپنے ارتقا کی منزلیں طے کرتی ہوئی جب شاہجہاں کے اردوئے معلّی میں پہونچی تو زبان اردو کے نام سے موسوم ہوئی۔ موجودہ اردو دراصل دہلی اور اطراف دہلی کی پرانی ہندی ہے جس میں زمانے کے تقاضے سے تبدیلیاں رونما ہوتی گئیں، اور جو عربی، فارسی اور ترکی الفاظ کی آمیزش سے ایک نئی زبان کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اس زبان کے فعل اور حرف سب دہلوی ہندی کے ہیں۔ اسما البتہ نصف دہلوی ہندی کے ہیں اور باقی عربی، فارسی اور ترکی ہیں، یا کچھ پرتگالی اور انگریزی الفاظ ہیں۔ یہ بیرونی اسما وہ ہیں جن کے مسمیٰ اکثر باہر سے آئے تھے۔

مسلمانوں نے جو الفاظ اور مصطلحات صوبوں کی زبانوں میں داخل کئے ان کی ایک طویل اور دلچسپ فہرست، مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے تحقیقی مقالہ "ہندوستان

میں ہندوستانی،، میں دی ہے۔ چند مثالیں نمونے کے لئے کافی ہوں گی۔

مذہبی مصطلحات میں اللہ، رسول، ایمان، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، دعا، صدقات خیرات، بہشت، دوزخ وغیرہ بہ کثرت الفاظ ہندوستان کی ہر بولی میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح سیاسی اصطلاحات میں بادشاہ، وزیر، میر عدل، صدر جہاں، مقطع دار، صوبہ دار، سپہ سالار اور قاضی وغیرہ بھی دیسی بولیوں میں جاری ہو گئے۔ زمینداری سے متعلق جو اصطلاحات ہیں وہ بھی عموماً فارسی آمیز ہیں۔ مثلاً دیوان، تحصیلدار، ضلعدار، کارندہ، گماشتہ، سیاہ نویس، تحویل دار، خزانچی، پیش کار، سررشتہ دار، محافظ دفتر اور محرر وغیرہ۔ مرہٹی بولنے والے اپنے وزیروں کو پیشوا اور عام ہندو ریاستیں ان کو دیوان کہتی ہیں۔ یہ دونوں فارسی کے لفظ ہیں۔ مرہٹی، گجراتی اور بنگالی زبانوں میں معاملے مقدمے کے بہت سے الفاظ اور اصطلاحات عربی یا فارسی ہیں۔ مسلمان اپنے ساتھ کابل، ترکستان اور ایران کے جو بیسیوں میوے اور پھل ہندوستان لائے۔ ان کے نام بھی بعینہ یہاں کے ہر صوبے کی زبان میں داخل ہو گئے۔ مثلاً انگور، انار، سیب، بہی، انجیر، نارنگی، سردہ، بادام، منقیٰ، کشمش وغیرہ۔ اسی طرح جن پھولوں کی خوشبو سے مسلمانوں نے اس سرزمین کو معطر کیا ان کے نام بھی یہاں کی مقامی بولیوں میں رائج ہو گئے۔ مثلاً گلاب، سوسن، ریحان، بنفشہ، نرگس، نسترن وغیرہ۔ کھانے کے بیسیوں اقسام سے مسلمانوں نے ہندوستان کو لذت آشنا کیا۔ مثلاً پلاؤ، قبولی، بریانی، زردہ، شیر برنج، باقر خانی، روغنی، چپاتی، کلچہ، قورمہ، قلیہ، کباب یخنی، قیمہ، کوفتہ وغیرہ۔ بہت سی مٹھائیوں کے نام بھی ان کے مسمیٰ کے ساتھ مسلمانوں ہی کے ساتھ اس ملک میں آئے۔ اندرسا، قند، بالو شاہی، برفی، شکر پارے، خرمے، گلاب جامن حبشی، زعفرانی وغیرہ سے آریہ ورت کے پاک برہمن بھی اپنے کام و دہن کو لذت بخشنے لگے۔ کپڑوں کی صنعت میں مسلمانوں کے آنے سے جو ترقی ہوئی اس کا اندازہ ان مختلف ناموں سے ہو سکتا ہے جن سے یہ ملک پہلے ناآشنا تھا۔ مثلاً مخمل، کاشانی، زربفت، منقش،

کمخواب، اطلس، زری، گلبدن، تن زیب، جامہ وار، زرتار، جامدانی، کامدانی۔ لباس میں کرتا، اچکن، چپکن، پیشواز، میرزائی، نیم آستین، شلوار، پاجامہ، عبا، قبا، چوغہ، اور اوڑھنے بچھانے کے سامان میں شال، دوشالہ، توشک، لحاف، فرش، قالین، مسند رضائی، دلائی وغیرہ بکثرت اشیاء اپنے عربی، فارسی اور ترکی ناموں کے ساتھ ہندستان میں رائج ہوگئیں۔ کھانے پکانے کی چیزوں میں رکابی، پیالہ، بادیہ، قاب، دیگ دیگچی کف گیر، چمچہ وغیرہ، یہ سب مسلمانوں ہی کے ساتھ اس ملک میں آئیں اور انھیں ناموں سے پکاری جانے لگیں[1]۔

ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ مسلمان اپنے تمدن و معاشرت کے جو سازو سامان لیکر ہندوستان آئے ان میں سے اکثر چیزیں چونکہ یہاں کے لئے بالکل نئی تھیں اور ان کے لئے دیسی بولیوں میں مترادف الفاظ موجود نہ تھے اس لئے وہی عربی، فارسی اور ترکی الفاظ و اصطلاحات یہاں بھی رائج ہو گئے۔

مشترک زبان کی تشکیل میں صوفیائے کرام کا حصہ

اس مشترک زبان کی تشکیل میں مسلمان درویشوں اور صوفیوں نے بڑا حصہ لیا۔ وہ مسلمان تاجروں اور سپاہیوں کے ساتھ ہندوستان آئے تھے، اور ان کی روحانی فتوحات کا دائرہ سلاطین کی ملکی فتوحات سے کم وسیع نہ تھا جیسا کہ مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:۔

> "اگر یہ کہنا صحیح ہے کہ ہندوستان کے ملک کو غزنین اور غور کے بادشاہوں نے فتح کیا تو اس سے زیادہ یہ کہنا درست ہے کہ ہندوستان کی روح کو خانوادۂ چشت کے روحانی سلاطین نے فتح کیا۔"

صوفیاء چونکہ انسان کے باطن سے سروکار رکھتے ہیں اور تزکیہ نفس ہی ان کی سرگرمیوں

---

[1] "نقوش سلیمانی" از مولانا سید سلیمان ندوی۔ مطبع معارف اعظم گڑھ ص ۲۶-۳۰

کا مقصود ہوتا ہے، اس لئے ان کے دروازے کافر و مومن دونوں کے لئے یکساں طور پر کھلے رہتے ہیں۔ انسانی ہمدردی، خلوص اور محبت ان کے اصلی جوہر ہیں، اور یہی چیزیں ان کی روحانی فتوحات کی ضامن ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں جو درویش آئے ان کا حلقۂ اثر بھی انھیں چیزوں کی وجہ سے روز بروز زیادہ وسیع ہوتا گیا۔ ان کا سابقہ چونکہ بیشتر عوام سے تھا۔ اس لئے دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لئے ہم زبانی ضروری تھی۔ چنانچہ اپنے خیالات کی تلقین کے لئے وہ ملک کے جس حصے میں پہونچے وہاں کی زبان اختیار کرلی، اور عوام کو انہی کی زبان میں تعلیم دی۔ لیکن چونکہ بعض مذہبی اصطلاحوں کا استعمال ناگزیر تھا اور یہ عربی یا فارسی میں ہوتی تھیں، اس لئے عربی اور فارسی الفاظ بھی ان بولیوں میں قدرتی طور پر شامل ہو گئے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے مقالہ "ہندوستان میں ہندوستانی"، اور مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے رسالہ "اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام" میں دکھایا ہے کہ اس مشترک زبان کے پیدا کرنے میں حضرات صوفیہ کا حصہ کتنا زیادہ ہے۔ اب تک اس مخلوط زبان کے جتنے قدیم فقرے ملے ہیں یا جو قدیم کتابیں دستیاب ہوئی ہیں، خواہ دکھنی زبان میں ہوں یا گجراتی میں، سب حضرات صوفیہ کے ملفوظات یا انہی کی تصنیفات ہیں۔

مولوی عبدالحق صاحب نے رسالہ مذکور میں جن صوفیائے کرام کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کی زبان کے نمونے نقل کئے ہیں۔ وہ سب آٹھویں صدی سے لیکر گیارہویں صدی ہجری تک کے ہیں۔ اس کے بعد یہ مخلوط زبان عام ہو گئی تھی۔ اور اس میں اچھے اچھے شاعر پیدا ہو گئے تھے۔ مولوی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ "دلی سے جو زبان جنوب کی طرف گئی اس کی دو شاخیں ہو گئیں۔ دکن میں پہونچی تو دکنی لہجے اور الفاظ کے داخل ہونے سے دکنی کہلائی، اور گجرات میں گئی تو وہاں کی مقامی خصوصیت کی وجہ سے گجری یا گجراتی کہی جانے لگی"، مسلمان ہندوستان کی ہر دیسی زبان کو ہندی کہتے تھے۔ چنانچہ شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوری (متوفی ۹۰۲ھ ہجری) اور آپ کے فرزند شاہ برہان الدین جانم

خانوں کی سیر میں اردو کی کم و بیش چار سو غیر اسلامی مذہبی اور اخلاقی کتابوں کے دیکھنے اور ان کی یادداشتیں قلم بند کرنے کا موقع ملا۔ ان میں سے اکثر کے اقتباسات اس مقالے میں درج کئے گئے ہیں۔ ان اقتباسات سے مختلف غیر اسلامی مذاہب کی تعلیمات بھی معلوم ہوتی ہیں اور اس مشترک زبان کے نمونے بھی سامنے آجاتے ہیں جو اس ملک کے رہنے والوں کے صدیوں کے میل جول سے پیدا ہوئی ہے۔ اگر یہ زبان صرف مسلمانوں کی ہوتی تو غیر مسلم خصوصاً ہندو، اپنی مذہبی کتابیں اس کثرت سے اس میں کیوں شائع کرتے۔ ہندو، عیسائی، سکھ جین اور بہائی مذہب، اور ہندوؤں کے متعدد اصلاحی فرقے مثلاً آریہ سماج، برہمو سماج، دیو سماج، کبیر پنتھ، رادھا سوامی مت، تھیوسوفیکل سوسائٹی وغیرہ، ان سب کا اپنے مذہب و اخلاق کی نہ صرف مستند اور چوٹی کی کتابوں کو اردو میں ترجمہ کر کے شائع کرنا بلکہ سیکڑوں چھوٹی بڑی کتابوں کو ترجمہ اور تالیف کر کے اردو کے ذریعہ عوام تک پہونچانا اس حقیقت کا ناقابل انکار ثبوت ہے کہ یہ مشترک زبان ہندوستان کے بڑے حصے کی عام زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ غیر اسلامی مذاہب کی یہ سیکڑوں کتابیں اردو میں ان لوگوں کے لئے نہیں شائع کی گئی ہیں جو نہ ان مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ اردو جن کی مادری زبان ہے۔ اس زبان کے ہندوستان کی عام زبان ہونے کا اعتراف خود ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے بعض مصنفین نے بھی کیا ہے۔ مثلاً لالہ لاجپت رائے، مشہور آریہ لیڈر، اپنی کتاب "مہاراج سری کرشن اور ان کی تعلیم" (مطبوعہ ہندوستانی پرتی پریس لاہور، ۱۹۰۰ء) کے دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

"اردو حقیقت میں ہندوستانیوں کی زبان کا نام ہے۔ بلکہ اکثر موقعوں پر اردو اور ہندوستانی ایک ہی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔"

پنڈت جنیشور پرشاد مائل دہلوی نے "حسن اول" کے نام سے ایک بہت دلچسپ کتاب لکھی ہے۔ جس میں جین، بودھ اور ہندو مذہب کے فلسفے، ادب، اخلاق اور علوم و

فنون کا گلدستہ نہایت پاکیزہ زبان میں پیش کیا ہے۔ اس کے دیباچے میں فرماتے ہیں:۔

"جب سے سرکار انگلشیہ کی حکومت ہم پر ہوئی اور عدالتی دفاتر کی زبان اردو ٹھہری تو اس کی کچھ قدر ہوئی۔ لوگوں کے شوق اور خیالات نئے نئے پہلو بدلنے لگے۔ رفتہ رفتہ تہذیب پھیلی اور ہماری رفتار و گفتار کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف نے بھی انگریزیت کا جامہ پہننا شروع کیا چنانچہ تھوڑے عرصے میں وہ نمایاں ترقی کی کہ آج اردو بچہ سے جوان ہو گئی۔ اگرچہ اردو کا جنم خاص دلّی میں ہوا اور اس نے اسی خطّہ میں پرورش پائی، مگر تھوڑی مدت میں اتنی بڑھی چڑھی کہ تمام ہندوستان کی زبان یہی ہو گئی، بلکہ اردو سے ہندوستانی کہلانے لگی .... میں اگرچہ ناثر نہیں ہوں، ناظم نہیں ہوں، انگریزی مجھے بالکل نہیں آتی، دنیا کی اور بہت سی زبانوں سے بے بہرہ ہوں، علوم و فنون میں بھی کچھ دستگاہ نہیں رکھتا، سنسکرت اور فارسی میں بھی اپنے آپ کو کسی قابل نہیں سمجھتا، ہاں اردو میری مادری زبان ہے۔ اس کی ترقی اور بہبودی کی کوشش کرنا ایک سعادت مند اولاد کی طرح میرا فرض ہے۔ لہذا بایں ہیچمدانی ہمت کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ پرانے رشیوں اور مہاتماؤں کے باغ سے عمدہ عمدہ پھول چن کر لاؤں اور ان سے اردو کا ایوان سجاؤں اب اس میں برکت دینا اور میری محنت کو ٹھکانے لگانا، اسی کا کام ہے، ورنہ من آنم کہ من دانم ؎

کسے بخاک فگندد کسے نواخت مرا — بقدر ہمت خود ہر کسے شناخت مرا"

یہ صحیح ہے کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں جو اردو میں لکھی گئی ہیں سنسکرت اصطلاحات بھی بکثرت ملتی ہیں۔ یہ بالکل ایک فطری امر ہے جس طرح مسلمان صوفیوں کو اپنی تعلیمات کی اشاعت کے لئے دیسی بولیوں میں عربی اور فارسی کی مصطلحات ضرورۃً داخل کرنی پڑیں اسی،

طرح ہندوؤں نے بھی جب اپنے مذہب و اخلاق کا خزانہ اس ملکی زبان (اردو) میں منتقل کرنا شروع کیا تو ان کو بھی سنسکرت مصطلحات کے استعمال کے بغیر چارہ نہ تھا۔ لالہ لاجپت رائے نے اپنی مذکورۂ بالا کتاب کے دیباچے میں اس مجبوری کو بہت صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"اصل تو یہ ہے کہ ہندو خیالات کو ظاہر کرتے ہوئے ہندی الفاظ کا استعمال لازمی ہے (دیکھو مولانا مولوی الطاف حسین حالی کی مناجات بیوہ) بلکہ بعض استاد تو اصل اردو اسی کو کہتے ہیں جس میں فارسی و عربی کے الفاظ نہایت کم ہوں یا بالکل نہ ہوں۔ اردو میں سے عربی و فارسی کے الفاظ نکال دیئے جائیں تو خالص ہندی رہ جاتی ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ جو الفاظ ہندی کے معمولی طور پر مستعمل نہیں وہ مسلمان صاحبان کو برے معلوم ہوتے ہیں اور وہ ان کو اردو نہیں کہتے۔ مگر جو لفظ معمولی طور پر مستعمل ہیں وہ ان کو اردو سمجھتے ہیں۔ بہرحال جو ہندو اپنے ہم قوم بھائیوں کے لئے ایسی کتابیں لکھتے ہیں جن میں ان کے مذہبی یا قومی خیالات، یا حالات، کا تذکرہ ہوتا ہے۔ ان میں ہندی یا سنسکرت کے الفاظ بیجا یا نامناسب نہیں۔ کس طرح سے ممکن ہے کہ کوئی ہندو، ہندوؤں کے لئے کتاب لکھتا ہوا کرشن اور ارجن و بید ہشٹر کی تقریروں کا ترجمہ اردوئے معلٰی میں کرے اور خاص شکل مذہبی خیالات کے لئے فارسی و عربی کی فرہنگ تلاش کرے۔ ہندو عورتوں کی تقریروں کا ترجمہ کرتے ہوئے فارسی و عربی لفظوں کا استعمال تو بہت ہی بیہودہ معلوم ہوتا ہے۔ پس وجوہات بالا سے ہمارے خیال میں ہماری زبان پر جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ ہمارے نزدیک کچھ بہت منزلت نہیں رکھتا۔"

اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اپنے "مذہبی یا قومی خیالات یا حالات کے

تذکرے ،، کی غرض سے ہندوؤں نے " اپنے ہم قوم بھائیوں کے لئے ،، اس مشترک زبان میں بھی کتابیں لکھی ہیں، گو ان کتابوں کی عبارتوں میں ہندی یا سنسکرت کے جو الفاظ آئے ہیں وہ "بیجا یا نامناسب نہیں،، البتہ لالہ لاجپت رائے کا یہ ارشاد کہ "کس طرح سے ممکن ہے کہ کوئی ہندو ہندوؤں کے لئے کتاب لکھتا ہوا کرشن و ارجن و یدہشٹر کی تقریروں کا ترجمہ اردوئے معلیٰ میں کرے اور خاص مشکل مذہبی خیالات کے لئے فارسی و عربی کی فرہنگ تلاش کرے ،، نیز یہ کہ " ہندو عورتوں کی تقریروں کا ترجمہ کرتے ہوئے فارسی و عربی لفظوں کا استعمال تو بہت ہی بیہودہ معلوم ہوتا ہے ،، صحیح نہیں۔ بعض ہندو مترجمین نے کرشن، ارجن اور یدہشٹر کی تقریروں کا ترجمہ بھی اردوئے معلیٰ میں کیا ہے، مشکل مذہبی خیالات کے لئے فارسی اور عربی کی فرہنگ بھی تلاش کی ہے، اور ہندو عورتوں کی تقریروں کا ترجمہ کرتے ہوئے فارسی و عربی الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جو ذرا بھی " بیہودہ ،، نہیں معلوم ہوتے۔ آئندہ صفحات میں ان سب کی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

ہندو مذہب

ہندو مذہب کے اصول "ہندو مذہب کے اصول" پنڈت منوہر لال زتشی نے اپنی کتاب "کبیر صاحب" میں حسب ذیل بیان کئے ہیں:

"ہندو مذہب کی بنیاد ویدوں پر ہے، اور ویدوں کو ہندو کلام الہی سمجھتے ہیں۔ رگ وید سب سے پرانا سمجھا جاتا ہے۔ ویدوں میں مختلف دیوتاؤں کا ذکر ہے، مثلاً اندر، اگنی، یم، ورن وغیرہ۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ خیال بھی موجود ہے کہ یہ متعدد دیوتا کسی ایک ذات کے مظہر ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر لکھا ہے کہ ایک ذات واحد کو رشی مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ وہ اس کو کبھی اگنی کہتے ہیں، کبھی یم اور کبھی ماترشون۔ ویدوں سے آگے بڑھ کر جب ویدانت اور اُپ نشدوں کے زمانے میں حکیمانہ خیالات کا چرچا ہوا تو ہمہ از وست سے گزر کر ہمہ اوست کے فلسفے کی طرف رجحان ہوا، اور ہندو پرماتما اور جیو آتما، خالق اور مخلوق کو ایک واحد شے سمجھنے لگے۔ موکش یا نجات کے معنی یہ قرار پائے کہ جیو آتما یا روح انسانی ترقی کرتے کرتے پرماتما میں مل جائے۔ جتنے مذہب کہ ہندوستان میں پیدا ہوئے ہیں ہندو، بودھ اور جین وہ سب روح انسانی کو آواگون یا تناسخ کے قانون کا تابع سمجھتے ہیں۔ ان

کا عقیدہ ہے کہ روح لازوال ہے۔ وہ صرف ایک ہی مرتبہ قالب خاکی اختیار کرکے دنیا سے الگ نہیں ہو جاتی، بلکہ جیسے اعمال اس کے ایک زندگی میں ہوتے ہیں ان کے مطابق اس کو دوسرا جنم لینا پڑتا ہے، اور یہ آواگون کا سلسلہ لامتناہی ہے۔ گیتا کے دوسرے ادھیائے کے بائیسویں منتر میں کرشن جی فرماتے ہیں :۔ "جیسے انسان پرانے کپڑے اتار کر نئے کپڑے پہنتا ہے، ویسے ہی آتما پرانے جسموں کو چھوڑ کر نئے جسموں میں داخل کرتی ہے" ...... ہندستانی مذاہب کے عقائد کی بنیاد اسی آواگون کے مسئلے پر ہے، اور ہندو، بودھ اور جین تینوں کی زندگی اسی اصول کی تابع ہے۔ ان کی ہزاروں برس کی زندگی میں ان مذہبوں کے علم و عمل میں مختلف قسم کی تبدیلیاں ظہور میں آئیں۔ مگر یہ عقیدہ ہر زمانے میں اور ہر ملک میں ان پر مسلط رہا۔۔"

" اس جگہ شاید یہ ظاہر کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ گو ہندو مختلف دیوی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں لیکن ان کو مشرک سمجھنا غلطی ہے۔ ویدوں میں ایک رشی نے کہا ہے :۔ " ایک ہستی ہے جس کو لوگ مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ کوئی اگنی کہتا ہے، کوئی یم، کوئی ترشون "؛ کوئی ہندو ایک سے زیادہ خدا کو نہیں مانتا۔ اُسے کسی نام سے پکارے، ایشور کہئے، یا بھگوان کہئے، یا پرماتما کہئے؛ وہ ایک ہی ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے جاہل سے جاہل گنوار سے بھی آپ پوچھئے تو وہ یہی کہے گا کہ دیوی دیوتاؤں کو وہ مانتا ہے، اوتاروں کی کتھائیں سنتا ہے، گاؤں میں پیپل کے درخت کے نیچے پتھروں کو پوجتا ہے، مگر وہ خوب سمجھتا ہے کہ دیوی دیوتاؤں سے، اوتاروں اور پتھر کے ٹکڑوں سے الگ اور پرے ایک ہستی ہے جو سب سے افضل ہے، جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، جس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں، جو

دماغ میں نہیں سما سکتی، اور جس کی ہر شخص اپنے اپنے طریقے سے پرستش کرتا ہے۔" ایکم برہمیو ادوتیم" مشہور اور قدیم مقولہ ہے اس کے معنی ٹھیک وہی ہیں جو "لا الہ الا اللہ" کے ہیں، یعنی برہم ایک ہے دوسرا نہیں۔۔۔۔۔۔"

" دوسرا اہم مسئلہ جو ہندو دھرم سے وابستہ ہے ذرن آشرم یا ذات کی تفریق کا ہے جس کو انگریزی میں کاسٹ سسٹم کہتے ہیں۔ غالباً شروع میں قومی غرور کی بنا پر یہ تفریق پیدا ہوئی ہوگی جس طرح آج جنوبی افریقہ اور امریکہ میں اہل فرنگ حبشیوں سے نفرت کرتے ہیں اور ان سے الگ رہتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہو کر آریوں نے بھی اپنی نخوت اور تکبر کا اظہار غیر آریہ مفتوح قوموں کے مقابلے میں کیا ہوگا۔ یہ تفریق کا پہلا زینہ تھا۔ اس کے بعد قوم کے فرق سے گزر کر آریوں میں مختلف پیشے والوں کی مختلف ذاتیں قائم ہوگئیں پہلے پہل چار ذاتیں، برہمن، چھتری ویش، شودر کے نام سے قائم ہوئیں۔ اس کے بعد ذاتوں کی تعداد اس قدر بڑھی کہ آج ان کا شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ اگر ایک ذات کے لوگ کسی وجہ سے اپنی آبائی سکونت چھوڑ کر کسی نئی جگہ جا بسے تو بس ان کی ایک نئی ذات قائم ہوئی اور اس گروہ نے اپنے تئیں اس ذات کے پرانے گروہ سے الگ کر لیا ہندوؤں کا سوشل نظام ذاتوں کا ایک گورکھ دھندا ہے جس کے بدیہی دو اصول ہیں۔ ایک یہ کہ شادی ذات کے باہر نہیں ہو سکتی، اور دوسرے یہ کہ ایک ذات کا آدمی دوسری ذات والے کے ساتھ کھانے پینے سے پرہیز کرتا ہے، حتیٰ کہ بعض ذاتیں ایسی ہیں جو اچھوت کہلاتی ہیں اور وہ لوگ جو اپنے تئیں بزعم خود اونچی ذات والا سمجھتے ہیں ان کو چھونے سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ یہ تفریق موروثی ہے۔ نیچی ذات والا چاہے کیسا ہی قابل اور نیک کردار

کیوں نہ ہو کبھی اونچی ذات میں ترقی نہیں پا سکتا، اور اونچی ذات والا کیسا ہی بدکردار کیوں نہ ہو اپنی ذات سے نیچے نہیں گرایا جا سکتا۔"

"تیسرا اصول آشرم دھرم کا ہے۔ آشرم چار قائم کئے گئے ہیں۔ اول برہمہ چرج یا طالب علمی کا زمانہ۔ اس زمانے میں طالب علم کا فرض تھا کہ گرو کے یہاں رہ کر تعلیم حاصل کرے۔ اس کے بعد دوسرا آشرم گرہستی یا خانہ داری کا تھا جب کہ طالب علم تعلیم ختم کر کے شادی کرتا تھا اور دنیادار کی حیثیت سے زندگی بسر کرتا تھا۔ بڑھاپا آنے پر گھر بار چھوڑ کر وہ تیسرے آشرم میں داخل ہوتا تھا اور وان پرستھ کہلاتا تھا۔ وان پرستھ کا فرض تھا کہ امور دنیوی سے کنارہ کشی کر کے اپنا وقت روحانی ریاضت میں صرف کرے۔ آخری درجے کا نام سنیاس ہے، اور سنیاسی دنیا کے تمام تعلقات سے بری سمجھا جاتا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ کوئی زمانہ ایسا تھا جب کل ہندو قوم یا ہندو قوم کا بڑا حصہ اس آشرم دھرم کا پابند تھا لیکن اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ قوم کے رہبروں اور پیشواؤں نے کس طرح کا آئڈیل یا معیار قوم کی رہنمائی کے واسطے بنایا تھا، اور فرائض انسانی کی تعین اور تنظیم کیسے اچھے اصولوں پر کی تھی۔۔۔۔۔"

"چوتھا اصول جس پر ہندوؤں کا اعتقاد ہے اور جس پر سب کا نہیں تو بہت سے ہندوؤں کا عمل ہے وہ اہنسا ہے۔ ہنسا کے معنی ہیں ایذا پہونچانا یا قتل کرنا، اور اہنسا کے اصول کی تلقین یہ ہے کہ کسی جاندار کو ایذا نہ پہونچائی جائے۔ جین مت والے اس اصول کو سب سے زیادہ مانتے ہیں۔ ہندوؤں میں کروڑوں آدمی غالباً ایسے ہیں جو گوشت کھانا گناہ سمجھتے ہیں۔ ویدوں کے زمانے میں قربانی کا بہت رواج تھا، مگر بودھ مت

اور جین مت کے اثر نے اس کو رفتہ رفتہ بہت کم کر دیا۔ ہندوؤں کے بعض فرقوں میں قربانی اب بھی جزو مذہب سمجھی جاتی ہے۔ مگر ہندو عام طور سے خصوصاً برہمن اور ویش، قربانی اور ہنسا سے پرہیز کرتے ہیں اور ان کو بُرا سمجھتے ہیں۔ گوشت خوار فرقوں میں بھی گوشت نہ کھانا افضل سمجھا جاتا ہے اور ان میں جن لوگوں کا رجحان مذہب کی طرف زیادہ ہوتا ہے وہ گوشت کھانا چھوڑ دیتے ہیں...... گیتا میں کرشن جی کی تعلیم کچھ اور ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہر شخص کا دھرم اس کے لئے مقرر ہے۔ کسی شخص کو اپنا دھرم چھوڑ کر کسی دوسرے کا دھرم نہ اختیار کرنا چاہئے، اور وہ ارجن کو جنگ کرنے کی ترغیب اس بنا پر دیتے ہیں کہ ارجن چھتری ہے اور حق کے واسطے لڑنا اور اپنے مخالفین کو قتل کرنا چھتری کا دھرم ہے......"

* ہندو مذہب کا ایک اور نمایاں اصول رواداری یا ٹالریشن ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ راستے مختلف ہیں مگر منزل ایک ہے۔ انسانوں کے مختلف گروہ مختلف طریقوں کو استعمال کرتے ہیں، مگر غرض وغایت سب کی ایک ہے۔ عیسیٰ بدین خود، موسیٰ بدین خود۔ خدا خالق کائنات ہے۔ اس کا لطف وکرم اپنے سب بندوں پر ہونا چاہئے۔ آفتاب کی حرارت، چاندنی کی ٹھنڈک، موسموں کا تغیر، کسی خاص گروہ کے لئے مخصوص نہیں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کسی باغ کی آرائش گلاب اور چنبیلی سے ہو، اور کسی کی گل داؤدی اور گل نیلوفر سے۔ کہیں انگور اور انار پیدا ہوں اور کہیں آم اور انجیر۔ لیکن یہ بات ہندوؤں کی سمجھ میں نہیں آتی کہ خلاق عالم کسی ایک قوم کو ایک خاص مذہب کی تلقین کرے اور باقی اقوام کو کفر وجہالت میں مبتلا رکھے، اور پھر ان کے واسطے کفر وجہالت کی

کی سزا مقرر کرے۔ گیتا میں لکھا ہے: "جو لوگ جس طرح میرے پاس آتے ہیں میں اسی طرح ان سے ملتا ہوں۔ اے ارجن منش لوگ ہر طرح میرے راستے پر آتے ہیں۔ ...."

ہندو اپنے مذہب کو موکش یعنی نجات کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں پنڈت زتشی لکھتے ہیں:۔

"میں اس سے پہلے کہہ آیا ہوں کہ آواگون کا عقیدہ ہندو مذہب کا جزو اعظم ہے جس وقت تک دنیا سے تعلق قائم ہے۔ ہر روح اپنے اعمال کے مطابق بار بار پیدا ہوتی رہے گی، اور جس وقت تک یہ سلسلہ قائم ہے اس کو نجات ابدی حاصل نہیں ہو سکتی۔ نجات یا مکتی کے یہ معنی ہیں کہ آواگون کا کا سلسلہ ٹوٹ جائے اور روح یا جیو آتما اس قید سے آزاد ہو جائے نجات حاصل کرنے کے تین خاص راستے ہیں، ایک کرم دوسرے دھیان تیسرے بھکتی۔ ہندوؤں کی پرانی کتابوں میں یگ اور قربانی کا ذکر آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یگ کی مذہبی رسم آریوں سے مخصوص تھی۔ اور وہ اس کو اپنے دنیاوی اور روحانی مقاصد کے حصول کے واسطے ضروری اور اہم خیال کرتے تھے۔ کرم یا کرم کانڈ کے راستے سے یہ مراد ہے کہ مذہب نے جو طریقے پوجا پاٹھ، یگ یا قربانی کے مقرر کر دئے ہیں اور جو قواعد زندگی بسر کرنے کے منضبط کر دئے ہیں ان کی پابندی کی جائے۔ سندھیا، ترپن، تیرتھ، یاترا، مرنے جینے کے سنسکار، سب اس میں شامل ہیں۔ اس اصول کے مطابق اخلاق اور دھرم کا جو دستور العمل پیشوایان دین کی طرف سے کتب مقدسہ میں مقرر کر دیا گیا ہے اس کی پابندی ہر انسان پر لازم ہے۔ اور یہی برکات دنیاوی اور نجات روح

کا وسیلہ ہے۔ ہر مذہب کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے اور قیاس بتاتا ہے کہ
آریوں کے مذہبی ارتقا میں بھی ایک زمانہ وہ آیا ہو گا کہ جب اعتقاد میں
ضعف آگیا ہو گا اور پوجا اور یگ خلوص دل سے نہیں بلکہ محض نمائش یا
پابندی رواج کے واسطے کئے جاتے ہوں گے۔ آہستہ آہستہ بدل گئی ہو گی
اور فرائض منصبی پر تصنع کا رنگ چڑھ گیا ہو گا۔ اس وقت یہ کہا گیا کہ کرم کانڈ
کا طریقہ ناقص ہے۔ اور اصلیت سے دور۔ انسانی کمزوریوں کی بنا اور دیا
یا ناواقفیت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اصلیت کی طرف سے بے پروا
ہے اور دنیا کی حرص و ہوا میں مبتلا۔ فانی اور غیر فانی میں تمیز کرنا اس کے
لئے مشکل ہے۔ وہ نفس امارہ کی اطاعت میں منہمک ہے، اور جو چیز کہ ابدی
اور لازوال ہے اس کی فکر نہیں کرتا۔ یہ سب اس وجہ سے ہوتا ہے کہ
انسان ناواقف اور جاہل ہے۔ اس کی دوا یہ ہے کہ وہ گیان یعنی حقیقت
کا علم حاصل کرے۔ گیان کے حاصل کرنے کا ایک طریقہ یوگ ہے جس کا
چرچا اور رواج ہندوستان میں عرصے سے ہے۔ یہ طریقہ کرم کانڈ کی
پابندیوں سے الگ ہے اور اس کا خاص جزو ریاضت ہے جس کا علم اور
جس کا عمل یوگیوں ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یوگی مذہب کی ظاہری نمائش
اور رسم و رواج کی پروا نہیں کرتا۔ وہ علم لدنی اور رموز روحانی کا متلاشی
ہے، کیونکہ اسی علم و عمل کو ذریعہ نجات سمجھتا ہے .... ۔"
"ان کے علاوہ تیسرا راستہ بھکتی کا ہے۔ اس میں نہ پوجا پاٹھ کی پابندی
ہے، نہ ریاضت کی ضرورت۔ محض عشق الہی کافی ہے۔ اگر عاشق صادق
ہے تو محض اس کا عشق اس کی نجات کے واسطے کافی ہے۔ گیتا میں بھکتی
کی تعلیم و تلقین ہے۔ اور ازمنہ وسطیٰ میں بنگال، مہاراشٹر اور شمالی ہندوستان

میں جتنے ویشنو مہنت ہوئے، مثلاً رامانند، کبیر، نانک، چیتن، تکارام وغیرہ، ان سب نے بڑے زور شور سے بھکتی کی تلقین کی اور سچے بھکتوں کی پریم کے بھاؤ یعنی محبت کے کیف کو یوگ کی ریاضت اور کرم کی پابندیوں سے افضل اور بارگاہ ایزدی میں مقبول تر بتایا۔ بھکتی کا مطلب محض زبان سے نہیں سمجھایا جاسکتا، کیونکہ وہ محویت اور وہ انبساط، وہ کیف اور وہ سرور۔

آں شرح نہ دارد کہ بہ گفتار درآید

یہ کافی نہیں کہ انسان بھکتی کی ماہیت کو منطق کے دلائل اور دماغ کی قوت سے سمجھ جائے، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ پریم اور محبت کے ولولے اور جوش کو وہ اپنے جذبات دلی اور واردات قلبیہ میں اس طرح تبدیل کرے کہ دونوں میں کوئی فرق باقی نہ رہے، اور کسی کی تعلیم و تلقین سے نہیں بلکہ اپنے ذاتی تجربے سے عشق الٰہی کی حقیقت اس پر روشن ہوجائے یہی وہ آنند یعنی سرور کی حالت ہے جس کو ایک عیسائی درویش نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

(PEACE THAT PASSETH UNDERSTANDING)

یعنی آتما کی وہ شانتی اور وہ سکون قلب جو ادراک انسانی سے بالاتر ہے جس نے یہ پالیا اس نے سب کچھ پالیا۔ اس کو نہ پوجا پاٹھ کی ضرورت ہے نہ نماز روزے کی۔ یوگ اور ریاضت اس کے لئے تحصیل حاصل ہے اور ویدوں اور شاستروں کی تعلیم قطعی بے ضرورت۔ کیا عجب ہے کہ مولوی معنوی نے اسی کیفیت کو سمجھا ہو اور اسی کی طرف اشارہ کیا ہو ؎

من ز قرآں مغز را برداشتم　　　استخواں پیش سگاں انداختم[1]

---

[1] "کبیر صاحب" از پنڈت منوہر لال زتشی۔ شائع کردہ ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد ۱۹۳۰ء ص ۲۶،۴۶

البیرونی نے ہندوؤں کے مذہب، علوم و فنون، اور تمدن و معاشرت پر "کتاب الہند" کے نام سے جو شہرہ آفاق کتاب لکھی ہے اس کی پہلی جلد کے دوسرے باب میں خدا کی ذات و صفات سے متعلق ہندوؤں کا اعتقاد اس طرح بیان کیا ہے :۔ " اللہ پاک کی شان میں ہندوؤں کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ واحد ہے، ازلی ہے، جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اپنے فعل میں مختار ہے، قادر ہے، حکیم ہے، زندہ ہے، زندہ کرنے والا ہے، صاحب تدبیر ہے، باقی رکھنے والا ہے، اپنی بادشاہت میں یگانہ ہے جس کا کوئی مقابل اور مماثل نہیں۔ نہ وہ کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز اس سے مشابہت رکھتی ہے . . . ."

اپنی اس تحقیق کی سند میں البیرونی نے کتاب پاتنجلی، کتاب گیتا، اور کتاب سانک کے اقتباسات بھی نقل کئے ہیں اور اس کے بعد لکھا ہے "یہ ہے اللہ تعالیٰ کی نسبت ہندوؤں کے خواص کا قول۔ یہ لوگ اس کا نام ایشفر (ایشور) رکھتے ہیں، یعنی مستغنی اور جواد، جو دیتا ہے اور لیتا نہیں۔ اسی کی وحدت کو خالص وحدت سمجھتے ہیں، اس لئے کہ دوسرے موجودات کے وجود کا سبب اور سہارا وہ ہے۔ یہ توہم کہ سب موجودات معدوم ہیں اور وہ موجود ہے۔ محال نہیں ہے اور یہ توہم کہ وہ موجود نہیں ہے اور سب موجودات موجود ہیں محال ہے۔ جب ہم ہندوؤں کے خواص کے طبقے سے نکل کر عوام کی طرف آتے ہیں تو ان کے اقوال میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے اور کبھی وہ نہایت بھونڈے ہوتے ہیں[1] . . . . . ."

رگ وید میں جو ہندو مذہب کی سب سے قدیم دستاویز ہے اور جس کی تدوین کا

---

[1] "کتاب الہند"، جلد اول۔ مترجمہ سید اصغر علی صاحب۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۴۱ء ص ۲۴-۲۹

کی کتابوں کی زبان سے مختلف ہے۔ رگ وید کے بعد قدامت کے لحاظ سے سام وید کا درجہ ہے۔ یہ بھی دعائیہ بھجنوں کا مجموعہ ہے۔ تیسرا وید، یجر وید ہے۔ یہ اعمال کا وید ہے، یعنی اس میں ان اعمال کا بیان ہے جو مختلف اوقات، مختلف مواقع اور مختلف اغراض کے لئے کارآمد اور مفید ہیں۔ چوتھا اتھرو وید ہے۔ اس میں زیادہ تر تعویذ، گنڈے، بھوت پریت کو دفع کرنے کی تدبیریں اور جڑی بوٹیوں کے خواص مذکور ہیں۔

ہندوؤں کی مقدس کتابوں کی ایک دوسری شاخ جس کو ویدک لٹریچر کا دوسرا حصہ کہہ سکتے ہیں برہمنہ ہے۔ چاروں ویدوں کے ساتھ کئی کئی برہمن منسوب ہیں۔ ان میں مختلف قسم کے اعمال اور عبادات کے طریقے بیان کئے گئے ہیں، اور کہیں کہیں قدیم قصے اور حکایتیں بھی درج ہیں۔ انہی برہمنہ کے ساتھ ایک اور قسم کے رسالے بھی ہیں جن کو ارن نیک کہتے ہیں یعنی جنگل اور بیابان میں لکھے ہوئے رسالے۔ یہ عبادات سے متعلق ہیں۔ ان کے بعد اُپ نشد کا درجہ ہے جس کو ویدانت یعنی وید کا ضمیمہ بھی کہتے ہیں۔ اُپ نشد میں ہندوؤں کا سارا فلسفہ بھرا ہوا ہے۔ اُپ نشدوں کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ لیکن ان میں زیادہ مشہور اور متداول دس اُپ نشد ہیں۔

مذکورہ بالا کتابیں وہ ہیں جن پر بطور عام وید کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان کو سنسکرت میں شُرتی کہتے ہیں، یعنی وہ چیز جو نہ آنکھوں سے پڑھی گئی اور نہ قلم سے لکھی گئی، بلکہ کانوں سے سُنی گئی۔ یہ گویا آواز غیبی ہے جس کو قدیم رشیوں نے سنا اور ان سے ان کے شاگردوں نے سنا، اور اسی طرح یہ علم سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا آیا۔ اس کے مقابلے میں ہندوؤں کی مقدس کتابوں کا ایک دوسرا بڑا ذخیرہ وہ ہے، جس کو سوتر یا اسمرتی کہتے ہیں، یعنی وہ چیز جو یاد کی جاتی ہے۔ یہ سوتر بھی مختلف ویدوں پر منقسم ہیں۔ ان میں ہر قسم کے مسائل، جن کا تعلق مذہب سے ہے، مثلاً اعمال و عبادات، روزمرہ کے معمولات، کریا کرم، شادی بیاہ، موت وغیرہ نہایت اختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ تاکہ آسانی سے یاد کر لئے جائیں اور ضرورت کے وقت کام

میں لائے جا سکیں۔ وید کو سمجھنے کے لئے چند اور علوم بھی مدوّن کئے گئے جن کو ویدانگ کہتے ہیں، یعنی وید کے ہاتھ پیر۔ ان میں صرف و نحو، تجوید (سکھشا) عروض۔ جوتش، اور لغت کے علوم شامل ہیں۔ یہ وہ علوم ہیں جن کے بغیر وید کو صحیح پڑھنا اور اس کے معنی سمجھنا ممکن نہیں۔ اسی وجہ سے ان کو وید کے ہاتھ پیر کہتے ہیں[1]

ویدا

(۱) اردو میں ویدوں سے متعلق سب سے قدیم کتاب جو مجھے مل سکی وہ الکھ پرکاش ہے۔ اس کے سرنامے پر یہ عبارت درج ہے :۔ " خلاصہ چاروں بید یعنی رگھ بید، ججر بید، اور شام بید اور اتھربن بید ، کا اردو زبان میں۔ ترجمہ پچاس اُپنکھدوں کا سرِ اکبر سے۔ نام صحیفہ شریفہ الکھ پرکاش۔ تالیف الکھ دھاری عرف منشی کنہیا لال مطبع گیان پریس، آگرہ، میں باہتمام کنہیا لال مولف کتاب اور مہتمم مطبع کے پان سو کاپی پہلی مرتبہ چھپی۔ جون ۱۸۹۶ء عیسوی، تقطیع اوسط۔ ضخامت ۴۴۸ صفحات۔

چاروں ویدوں کے منتروں کا خلاصہ باون اُپنشد ہیں۔ ان کا فارسی ترجمہ "سرِ اکبر" کے نام سے شہزادہ دارا شکوہ نے کیا تھا۔ الکھ پرکاش، اسی کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے :۔

" انندبلی اُپنکھد۔ یہ سرِ اکبر میں ۳۰ اور ججر بید میں ۹ ہے۔

" پانچوں کوش یعنی خزانوں کی تعریف میں۔

" آدمی کو چاہئے کہ پہلے اس عبارت سے مناجات کرے، اور دعا مانگے۔

" اے منتری یعنی محبت کے دیوتا، و اے برن یعنی پانی کے دیوتا، و اے ارجما روزی کے دیوتا، و اے اندر دیوتاؤں کے بادشاہ، و اے برسپت عارفوں کے اوستاد، و اے برہما پیدا کرنے والے خلق کے، و اے بشن، پالنے والے عالم کے، تم کو نمسکار ہے، اور جو کچھ میں بیان کرتا ہوں اس کا پھل مجھے اور میرے گورو اور سننے اور پڑھنے اور دیکھنے اور سوچنے

---

[1] ماخوذ از مقالہ " ویدک لٹریچر"، از شمس العلماء سید علی بلگرامی۔ رسالہ مخزن، ستمبر ۱۹۰۵ء

والوں کو بخشو ۔ یعنی برہم گیان ہو اور گیان سے مکت ہو، اور نفاق اور دوئی دل سے دور ہو، کیونکہ جو برہم کو جانتا ہے وہ برہم ہو جاتا ہے ۔ کوئی استھان اور کوئی سمے اور کوئی دسا اور کوئی دل برہم سے خالی نہیں ہے کہ سب میں برہم بیاپک ہے ۔ جس کو یہ گیان ہووے اور محسوسات کے ملوثات سے پاک ہو جاوے وہ برہم ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" (ص ۳-۱۰۲)

مولف نے بعض جگہ مضامین کا خلاصہ بھی بیان کیا ہے اور مطالب کی شرح بھی لکھی ہے ۔ چنانچہ ایک باب کے آخر میں لکھتے ہیں :-

"انتہائے نظر سے دیکھنا اور امکان بشر تک نیک افعالی کرنا، یہی خلاصہ بید اور شاستر اور حکمت فلاسفہ کا ہے، اور اسی ایک مطلب کو بہ عبارت مختلف ہر ایک آپ نکھد میں رقم کیا ہے ۔ جو لوگ جہالت سے اپنی عمر کو ضائع کرتے ہیں اور مکاروں اور گمراہوں کے کہنے پر عمل کرتے ہیں اور اونٹوں کی طرح نکیل ناک میں ڈالے ساربانوں کے پیچھے چلتے ہیں اور بوجھ اپنی پیٹھ پر رکھتے ہیں اور نفع ساربانوں کو کھلاتے ہیں، اور آپ جاہل رہ کے دوسرے کے قول پر کام کرتے ہیں، اور جس طرح بندر والا بندر کو نچاتا ہے وے ناچتے ہیں، وے دنیا اور عقبیٰ دونوں کو برباد کرتے ہیں اور بیم و رجا سے کبھی آزاد نہیں ہوتے جو کوئی اس مطلب کو پاوے یقین ہے کہ اپنی اولاد کو اور خود بھی چھوٹے بیم و رجا سے آزاد ہو جاوے ۔ یہی مکت ہے ۔" (ص ۲۳۵)

(۲) وید پر دوسری کتاب جو میری نظر سے گزری وہ سوامی دیانند سرسوتی کی تفسیر رگ وید کا اردو ترجمہ ہے جو "رگ وید آدی بھاشیہ بھومکا" کے عنوان سے ۱۸۸۰ء میں مطبع ست دھرم پرچارک، جالندھر میں چھپا تھا ۔ اس کے صفحات کی تعداد (۱۸۴) ہے ۔ اردو ترجمہ منشی رام جگیاسو کے قلم سے ہے ۔ عبارت میں جو الفاظ اور فقرے قوسین میں درج ہیں وہ بھی مترجم ہی کے ہیں ۔ ترجمے کا نمونہ یہ ہے :-

"وید کے ظاہر کرنے میں پرمیشور کی کیا غرض تھی۔

"سوال۔ یہ فرمائیے کہ وید کے پیدا کرنے میں پرمیشور کی کیا غرض تھی۔

جواب:۔ ویدوں کے نہ پیدا کرنے میں اس کی (پرمیشور کی) کیا غرض (ہو سکتی) تھی۔ اگر تم یہ کہو کہ اس کا جواب تم نہیں جان سکتے تو بالکل ٹھیک ہے۔ اب ویدوں کے ظہور کی جو غرض ہے وہ سنئے۔

سوال:۔ ایشور میں کیا اننت ودّیا (لامحدود علم) ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ہے۔

سوال:۔ اس کی وہ ودیا کس مطلب کے لئے ہے۔

جواب:۔ اپنے ہی مطلب کے لئے (جس سے کہ جہان کے پیدا کرنے اور قائم رکھنے کا کام ہوتا ہے)

سوال:۔ اچھا یہ بتلائیے کہ آیا ایشور پراوپکار کرتا ہے یا نہیں۔

جواب:۔ (پراوپکار) کرتا ہے۔ پھر اس سے کیا مطلب۔

(نتیجہ) اس سے مطلب یہ ہے کہ علم اپنی اور دوسروں کی مطلب برآری کے لئے ہوتا ہے، کیونکہ علم کا یہی وصف ہے۔ اگر ہم لوگوں کے لئے پرمیشور ودیا (علم) کا اپدیش نہ کرے تو ودیا کے دونوں وصفوں میں سے ایک وصف (یعنی پراوپکار) بے معنی ہو جائے گا۔ اس لئے پرمیشور نے اپنی ودیا کے اپدیش سے یہ مطلب (یعنی پراوپکار) سدھ کیا ہے۔ پرمیشور باپ کی طرح ہم لوگوں پر بڑی عنایت رکھتا ہے جس طرح پر کہ باپ اپنی اولاد پر ہمیشہ مہربان رہتا ہے اسی طرح پرمیشور نے بھی غایت مہربانی سے سب انسانوں کے لئے وید کا اپدیش کیا ہے۔ اگر پرمیشور ایسا نہ کرتا تو جہالت میں پھنس کر انسان، دھرم، ارتھ، کام اور موکش کے بغیر پرم آنند (یعنی راحت حقیقی) سے بھی محروم رہتا۔" (ص ۲۴ - ۲۵)

پوری کتاب سوال و جواب کے پیرائے میں نہیں ہے۔ یہ طرز کہیں کہیں اختیار کیا گیا ہے

(۳) سوامی دیانند نے یجروید کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ جو (۲۲۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ دھرم پال نے کیا تھا اور روز بازار اسٹیم پریس، امرتسر میں چھپا تھا۔ سنہ طباعت درج نہیں۔ اس کا ایک اقتباس یہ ہے:۔

"منتر ۱ :۔ اے کمارا اور کماریو! جس طرح میں اعلیٰ عالم و فاضل کو اس لئے گرہن کرتا ہوں تاکہ اس سے علم کی دولت حاصل کروں، جسمانی اور روحانی طاقت پاؤں، تحصیل علم کے بعد نیک اولاد کی خاطر گرہ آشرم میں داخل ہو کر پراکرمی بنوں اور اس طرح خود بھی عالم و فاضل بنوں، اسی طرح تم بھی کرو۔

منتر ۲ :۔ اے وروان! تو سرودیاپک پرمیشور کو، اور پانی کے جائے قیام سمندر کو، اور بجلی وغیرہ کے کارن آگ کو بھلی پرکار جان۔ تیری روشن عقل تمام اشیاء کا تجھے علم کراتی ہے۔ تیرا دل صاف ہے۔ تو مہان ہے تو قابل تعظیم ہے۔ تو ایک مہان شکتی پرمیشور کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنا۔

منتر ۳ :۔ پرماتما انادی ہے۔ وہ علم کُل ہے۔ وہ تمام اشیاء کو حالت لطیف سے حالت کثیف میں لانے والا ہے۔ وہ سب سے بڑا ہے۔ وہ نور کُل ہے۔ وہی قابل پرستش ہے۔ سورج، چاند، زمین اور ستارے جو کہ آکاش میں قائم ہیں۔ وہ اسی کی ہستی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ وہ اپنی قدرت سے ان سب پر حاوی ہے۔ وہ تمام مرئی اور غیر مرئی اشیاء کو اور پرکرتی کی اولین حالت کو محیط کئے ہوئے ہے۔

منتر ۴ :۔ وہ اس تمام کائنات کا رچنے والا اور پرورش کرنے والا ہے وہ وحدہ لاشریک ہے۔ یہ تمام سورج، چاند، ستارے وغیرہ اسی کے سہارے پر ہیں۔ وہ اس کائنات کے حالت کثیف میں آنے سے پہلے موجود تھا۔ وہی تمام ارض و سما کا دھارن کرنے والا ہے۔ ہم کو اسی سُکھ کے دینے

والے نورکل پرماتما کی صدق دل سے عبادت کرنی چاہئے۔" ص (۱۷۱)

اُپ نشد

(۱) منشی سورج نرائن مہر دہلوی نے اُپ نشد کی شرح چار جلدوں میں لکھی ہے جو ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۷ء میں علی الترتیب ۳۳۶ - ۴۲۸ - ۱۶۸ اور ۳۵۲ صفحات پر سادھو پریس، دہلی، میں چھپیں پہلی جلد میں "تمہیدی مضمون" کے زیر عنوان اُپ نشد کے معنی سمجھائے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

" لفظ اُپ نشد کے کئی معنی ہوسکتے ہیں۔ اس کا مادہ یا دھاتو سد ہے۔ اُپ یہ معنی قریب اور نی بہ معنی بالکل۔ دو اُپسرگ ہیں جنھیں انگریزی میں پری پوزیشن اور عربی فارسی، اردو میں حروف جار کا نام دیا جاتا ہے۔ سد چار معنی میں مستعمل ہے۔ ہلاک کرنا، ٹکڑے ٹکڑے کرڈالنا، چلنا، اور بیٹھنا۔ پہلے دو معنوں کے لحاظ سے اُپ نشد وہ بدیا یا علم ہے جس سے دنیا کا داہمہ یا طل یعنی اگیان ناش ہوجاتا ہے یا اس کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ جاتے ہیں۔ دوسرے دو معنوں کے لحاظ سے اُپ نشد وہ گیان ہے جو گورو کے پاس جاکر یا بیٹھ کر لیا جاتا ہے۔ اہل یورپ سد کے معنی زیادہ تر بیٹھنے کے لیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ زمانۂ قدیم میں اچاریہ لوگ چیلوں کی جماعتوں کو بنوں میں بیٹھ کر تعلیم دیتے تھے۔ اس واسطے اس بدیا کو اُپ نشد کہنے لگے۔ مجازاً اُپ نشد کے معنی رازِ خفی کے لئے جاتے ہیں اور اس کا اطلاق برہم بدیا پر ہوتا ہے۔ چونکہ بعض کتابیں اسی برہم بدیا سے متعلق ہیں۔ اس واسطے اول اول ان کا نام اُپ نشد پڑا اور بعد میں اُپ نشد کا اطلاق صرف انھیں کتابوں پر ہونے لگا۔ وہ بدیا کا پہلا اطلاق جاتا رہا اب اُپ نشد یہی کتابیں کہلاتی ہیں۔ ان میں سے دس بہت قدیم ہیں جن پر بھگوت پوجیہ پادشری شنکر اچاریہ نے شرحیں لکھی ہیں۔ ان میں ایشا واسیہ سب سے پہلا اُپ نشد ہے (ص ۲)

اس کے بعد اصل شرح یوں شروع کی ہے:-

"منتر ۱:۔ اس دنیائے متبدل میں ہر ایک بدلنے والی چیز کو اس نظر سے دیکھو کہ سب میں ایشور بسا ہوا یا دیاپک ہے۔ جگت روپ سے تیاگ کر ایشور روپ انو بھو کرو۔ کسی کے مال کا لالچ نہ کرو۔"

اوپر کا ترجمہ محاورے اور ذرا تشریح کے ساتھ ہے۔ لفظی ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"اس دنیا میں جتنی بدلنے والی چیزیں یہاں ہیں وہ سب ایشور سے بسانے کے لائق ہیں۔ اس سے تیاگ کر بھوگو۔ کسی کے مال کا لالچ نہ کرو، یا لالچ نہ کرو کیونکہ مال کس کا ہے۔"

سب سے پہلے آخری جملے کو لو۔ مال سے مراد صرف روپیہ نہیں ہے، بلکہ دولت و عزت، حشمت و ثروت، کھانا پینا، سواری و لباس، زن و فرزند، مکان و جائداد، غرض جن چیزوں میں دنیاداروں کو دل بستگی ہوا کرتی ہے، سب مراد ہیں۔ شرتی بھگوتی کہتی ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی دل بستگی نہ کرو یعنی سب سے بیراگ پیدا کرو، کیونکہ یہ کسی کی بھی نہیں ہیں۔ محض خواب کی سی صورتیں ہیں کہ ابھی ہیں ابھی نہیں۔ دم کے دم میں امیر مفلس بن جاتے ہیں، با اختیار آدمی بے کس و بے بس ہو جاتے ہیں، تنادرا اور صحت مند بیمار ہو کر مر جاتے ہیں۔ ....ایسی ناپائدار چیزوں میں کیا دل لگانا جن کا نتیجہ دکھ ہی دکھ اور آواگون کے ہنڈولے میں چکر کھانا ہے، اور خاک نہیں۔ پس اول اشیائے دنیا کی طرف سے دل میں بیراگ پیدا کرنا چاہئے جو گیان کا پہلا قدم ہے .....۔" (ص ۵۰)

(۲) "مجموعہ اپنشد" کے نام سے بارہ اپنشدوں کا مجموعہ اردو ترجمے اور شرح کے ساتھ بابو پیارے لال نے مرتب کرایا تھا جو ۱۹۱۰ء میں (۲۳۹) صفحات پر دویا ساگر پریس علی گڑھ میں طبع ہوا۔ اس کے ایک مقام کا اقتباس حسب ذیل ہے۔ قوسین کے الفاظ بھی مترجم کے ہیں۔

"ویدمیں بار بار لکھا ہے کہ برہمہ گیان کے بدون یعنی بلا خدا شناسی (خود شناسی کے مکتی (دنیا سے نجات) نہیں ہوتی، اور جب خودی محو ہو تو ادوئیت (وحدہ لاشریکہ) ایک برہمہ خدا رہجاتا ہے۔ اس کا نام برہمہ گیان (علم الٰہی) ہے۔ اس برہمگیان کا تین مراتب کی تعمیل سے حصول ہوتا ہے۔ اول بیبک (تمیز) دوم بیراگ (ترک ہمہ)' سویم دم (محسوسات اور قلب کو قابو میں کرنا اور مکشتا (نجات) کی خواہش)۔ اور ان تینوں بیبک، بیراگ، وغیرہ کا حصول تب ہوتا ہے جب اُن کے حصول سے پہلے چت (دل) تمام آلایش سے پاک و مستقل ہو جاتا ہے اور جب یہ دل کی صفائی و مستقلی نیک افعال و عبادت سے ہوتی ہے۔ اس طرح یہ سب لازم ملزوم منزل بہ منزل یکے بعد دیگرے ہیں۔ یعنی سب سے پہلے نیک افعال (سبھ کرم) جس سے صفائی قلب (انتہ کرن کی شدھی) اور نیز عبادت (مکتی) جس سے دل مستقل ہو۔ پھر بذریعہ مستقل دل کے محسوسات اور قلب کے چت کی برتی، اندیشہ مراتبات ہر سہ زمانہ ماضی، حال، مستقبل کا ضبط کرنا اور تمام نیک، وید کی تمیز کر کے سب اشیائے دینوی کو دنیا کے نام سے ترک کر کے ایک آتما برہمہ سروپ جاننا۔ تب خودی (مَیں میری۔ تین تیری) تمامتر کا کورم ہو کر صرف برہمہ سروپ رہجانا۔ اس کا نام برہمہ گیان ہے اور ایسے گیان سے مکتی (نجات از دنیا) حاصل ہوتی ہے جس کو وید نے بار بار کہا ہے اور اس بنا پر وید میں پہلے کرم کانڈ مثل درخت، پھر بھکتی کانڈ مثل پھول، اور اخیر یہ گیان کانڈ مثل پھل کے کہا ہے۔" (ص ۵۶)

(۳) پیام راحت (امرکتھا)" یعنی ایشاواسیہ اُپ نشد کے پہلے آٹھ منتروں کا شرح ترجمہ"، یہ ایک بہت دلچسپ کتاب ہے جس میں بھاگ مل سائینی نے اُپ نشد کے بعض منتروں کے مطالب پاکیزہ زبان اور دلنشیں انداز میں بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب الکٹرک

پریس، جالندھر میں چھوٹی تقطیع کے (۳۶۸) صفحات پر ۱۹۳۹ء میں چھپی تھی۔ شروع میں ایک دیباچہ نواب سرامین جنگ کے قلم سے ہے۔

"اُپ نشدوں کی پھلواڑی کا نفیس ترین پھول یعنی سواہنگ اسمی (وہ میں ہوں)" کے عنوان سے بھائی مل ساہنی لکھتے ہیں:۔

"آج تک برہم کو کسی نے ایسا کرکے نہیں دیکھا کہ یہ برہم ہے۔ اور یہ میں دیکھنے والا ہوں۔ یعنی بطور معلوم کے اُسے کبھی دیکھا نہیں جا سکتا۔ بطور معلوم کے دیکھنے والا شخص دہو کے میں ہے۔ چونکہ تم خود ہی برہم ہو اُسے اپنی ذات سے علیحدہ کرکے کیونکر دیکھ سکتے ہو........ جب تک حضرت انسان میں مکمل روحانی بیداری نہیں آتی اس وقت تک وہ حسی اور ذہنی طیتے کا ہی نواسی رہتا ہے وہ اُپ نشدوں کی سدا بہار پھلواڑی کے نفیس ترین پھول "سواہنگ اسمی" کی خوشبو سے اپنے دل و دماغ کو معطر کرنے کے ابھی بالکل ناقابل ہے۔ وہ اس وہم میں ہوتا ہے کہ میں ناقص ہوں، وہ پاک ہے۔ اپنے آپ کو "وہ میں ہوں" سمجھنا حقیر مچھر کو کرشن سمجھنے کے مصداق ہوگا۔ ذرّے کی کیا بساط کہ پہاڑ ہونے کا دعویٰ کرے۔ ناچیز قطرے کی کیا مجال کہ بحرِ بیکراں ہونے کا دم بھرے حقیر مکھی کی کیا طاقت کہ آفتابِ تاباں کی تاب لا سکے۔ وہ کبیر قدیر دنیا کو پیدا کرکے اس کو اپنے نظام میں رکھتا ہے۔ میں چیونٹی کو پیدا یا فنا نہیں کر سکتا۔ وہ چشمۂ سرور ہے، میں دکھی ہوں۔ وہ ہمہ دان اور عقل کل ہے، میں قدم قدم پر غلطیاں کرتا ہوں ؎

چہ نسبت خاک را با ہستی پاک ....." (ص ۳۴۶)

(۴) معیار المکاشفہ، حصہ اول۔ ترجمہ چھاندوک اُپ نشد از باوا انگینا سنگھ بیدی مطبوعہ آنند پریس، لاہور، ضخامت ص (۱۲۰)

ویدانت | ویدانت پر اردو میں متعدد کتابیں ہندوؤں نے لکھی ہیں۔ ان میں سے بعض

مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ویدانت فلاسفی " ویدانت کیا ہے۔ ویدانت سے کیا مراد ہے۔ اس کی قسمیں۔ اس کی اصلیت وغیرہ پر بسیط بحث" از بابو شیو برت لال ورمن۔ مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور۔ ص ۴۶۔ سنہ طباعت درج نہیں۔ بابو شیو برت لال لکھتے ہیں۔

" ویدانت کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنی فرض کی ہوئی محدود شخصیت کے خیال کو بھول جاؤ اور اس قدر وسیع النظر اور وسیع الخیال بن جاؤ کہ کسی طرح کی تنگی، کوتاہ نظری کا خوف نہ رہے۔ اور یہی تمہارا اصلی روپ ہے۔ اب دیکھو یہی طرح کرم کانڈی کی ہے۔ وہ کرم بلا کسی معاوضے کے تمام دنیا کی بھلائی کے لحاظ سے کرتا ہے۔ اس کا دل اس قدر فراخ ہو جاتا ہے کہ اس میں کل کائنات کی ہمدردی کی گنجائش رہتی ہے۔ وہ اپنی تنگ شخصیت کو بھول کر تمام سنسار کو اپنا روپ سمجھنے لگتا ہے۔ اسی طرح اُپاسنا یا عبادت و بھگتی کا آدرش یہ ہے کہ بھگت اپنے آپ کو بھگونت کی ذات میں محو کر دے جو محیط کُل ہے۔ گیانی بھی یہی کرتا ہے۔ وہ سارے جگت کو اپنے سے مختلف نہیں سمجھتا۔" (ص ۱۸)

(۲) بھگتی اور ویدانت۔ مصنفہ سوامی وویکا نند جی مترجمہ شانتی نارائن۔ مفید عام پریس لاہور (ص ۲۰۰)۔ اس کتاب میں سوامی وویکا نند نے " ویدانت کا مقصد" اس طرح بیان کیا ہے:۔

" ویدانت درحقیقت اس جہان کو نظر انداز نہیں کرتا۔ ترک اور تیاگ کے اس نصب العین نے ویدانت سے زیادہ بلند مرتبہ اور کہیں بھی نہیں پایا۔ مگر پھر بھی ویدانت یہ تعلیم ہرگز نہیں دیتا کہ بدمزگی اور بے لطفی کے ساتھ خودکشی کر لی جائے۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ سنسار کو برہم سے یعنی برہم سے بھرا ہوا دیکھو۔ یہ دنیا جیسی نظر آتی ہے، جسے تم عالم حقیقت سمجھتے ہو اسے بھول جاؤ اور حقیقی عالم حقیقت کو پہچانو جو برہم سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے ذرّے ذرّے کو سربسر برہم سے پُر دیکھو۔ ویدانت

کے مضمون پر تحریر شدہ کتابوں میں سب سے قدیم اُپ نشد کے شروع میں یہی آتا ہے کہ "اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے اور جہاں کہیں بھی ہے وہ سب ہی برہم سے یعنی برہم سے پُر ہے۔" بے بنیاد امیدوں اور آرزوؤں پر بھروسا کر کے نیز بدی اور نیکی کی طرف سے آنکھیں بند کر کے نہیں، بلکہ دنیا کی ہر چیز میں ایشور کی طاقت اور اس کی ہستی کو حاضر و ناظر سمجھ کر ہمیں تمام سنسار کو برہم سے بھرا ہوا دیکھنا چاہیئے، اور اس طرح ہمیں سنسار کا تیاگ کر دینا چاہیئے۔ سنسار تیاگ دینے کے بعد کیا رہ جائے گا۔ برہم، صرف برہم" (ص ۴۷)

(۴) ویدک چوڑامنی معروف بہ "درۃ التاج عرفان"۔ از منشی سورج نراین مہر دہلوی مطبوعہ سادھو پریس، دہلی۔ ۱۹۱۶ء۔ ص (۲۵۶)

مہر صاحب "تمہیدی مضمون" میں کتاب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"یہ کتاب جو اب دی جاتی ہے ویدانت کی کتابوں میں بڑا اونچا درجہ رکھتی ہے ...... کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کے مصنف بھگوت پوجیہ پاد شری شنکر آچاریہ مہاراج ہیں۔ مگر یہ پتہ لگانا مشکل ہے کہ یہ وہی شنکر سوامی ہیں جنھوں نے برہم سوتروں اور اُپ نشدوں اور شری مد بھگوت گیتا پر بھاشیہ لکھے ہیں یا اُن کی چار گدیوں پر جو آچاریہ اوقات مختلفہ پہ بیٹھتے اور شنکر آچاریہ کہلاتے رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کی تصنیف سے ہے۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو اس میں تمام و کمال ویدانت کا فلسفہ ہے۔ اور ایسے اچھوتے خیالات کے ساتھ کہ تعریف نہیں ہو سکتی ...." (ص ۵)

اس کتاب کے ایک اشلوک کا ترجمہ اور اس کی شرح ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

اشلوک نمبر ۲۸ "اگر تجھے خواہش نجات ہے تو شیوں کو بِش یعنی زہر کی طرح دور ہی سے چھوڑ،

اور قناعت عفو، رحم، سادگی، شانتی اور ضبط نفس کا سیوان امرت کی طرح نہایت
عزت کے ساتھ کر۔"

"بشے بش یعنی زہر کی طرح باعث ہلاکت ہیں۔ زہر کا علاج امرت ہے
پس بشیوں کے زہر کا اثر دور کرنا ہے تو قناعت یعنی سنتوش، عفو یعنی چھما،
رحم دلی، من کے شم اور اندریوں کے دم کا امرت پی۔ دیکھ بشیوں کی خواہش
پیدا کیونکر ہوتی ہے۔ بس اسی طرح کہ فلاں شخص کے پاس روپیہ ہے، ہمارے
پاس نہیں ہے۔ اس کا علاج سنتوش ہے۔ فلاں نے ہماری مذمت کی ہے
یا بُرا بھلا کہا ہے، اس سے عوض لینا چاہیے۔ اس کا علاج عفو یا چھما ہے
یہ روپیہ ہمارا ہے۔ ہم اسے کھائیں۔ غریب و محتاج و ضرورت مند کو کیوں دیں
اس کا علاج رحم ہے۔ ہم بڑے آدمی ہیں یہ لحاظ ذات، علم، زر، جاہ و مناصب،
کیوں کسی سے نیچے ہو کر چلیں۔ اس کا علاج سادگی ہے۔ من بشیوں کی طرف
دوڑتا ہے اور اندریاں اسے گھسیٹ کرلے جاتی ہیں۔ ان دونوں کا علاج شم
اور دم ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے آدمی سے بشے واسنا چھوٹتی ہے اور وہ
راہ ترقی میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔" (ص ۵۵-۵۶)

(۴) ویدانت کے رتن۔ از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس، دہلی
۱۹۱۶ء (ص ۸۴۴)

منشی سورج نرائن مہر اردو کا ایک مذہبی رسالہ "سادھو" دہلی سے نکالتے تھے۔ اس
میں مضامین کے علاوہ کبھی کبھی وہ سنسکرت کی مذہبی کتابوں کو بھی ترجمہ کرکے شائع کرتے
تھے۔ چنانچہ "ویدانت کے رتن" کے عنوان سے جو مجموعہ انھوں نے شائع کیا تھا وہ ویدانت
کے مندرجہ ذیل نو رسالوں پر مشتمل ہے:-

پہلا رتن۔ اپروکش انوبھوتی یا "کشف ذات" (ص ۱-۹۲)

دوسرا رتن۔ شت شلوکی	یا "تسبیح عرفان"	ص ۹۷ - ۱۹۲
تیسرا رتن۔ ادویت انوبھوتی	یا "کشف ذات بے دوئی"	ص ۱۹۳ - ۲۵۰
چوتھا رتن۔ واکیہ برتی	یا "مہا واکیہ کے معنی"	ص ۲۵۰ - ۲۷۲
پانچواں رتن۔ موہ مدگر	یا "گرزجہل"	ص ۲۷۳ - ۲۸۰
چھٹا رتن۔ سواتم نروپن	یا "توضیح ذات"	ص ۲۸۱ - ۳۴۶
ساتواں رتن۔ واکیہ شدھا	یا "امرت بانی"	ص ۳۴۷ - ۳۷۴
آٹھواں رتن۔ آتم بودھ	یا "عرفان ذات"	ص ۳۷۴ - ۴۱۴
نواں رتن۔ ویدانت ستوتر		ص ۴۱۴ - ۴۴۸

(۵) اردو بچار ساگر۔ "سوامی نشچل داس کی مشہور و معروف کتاب کا آسان اور عام فہم اردو میں ترجمہ مع تشریحات و حل مشکلات" از منشی سورج نرائن مہر دہلوی مطبوعہ سادھو پریس، دہلی، ۱۹۱۲ء۔ ص (۴۵۰)

اس کتاب اور اس کے مصنف کے متعلق منشی سورج نرائن لکھتے ہیں:۔

"سوامی نشچل داس کی یہ ہندی کتاب نہایت ہی ہر دلعزیز ہے کیا سادھو اور کیا معمولی گرہستی آدمی زیادہ تر اسی کتاب کو پڑھتے ہیں۔ اس میں ویدانت کے تمام و کمال مضامین لے گئے ہیں اور صاف ہندی میں عام فہم طریق سے دیئے گئے ہیں۔ مصنف نے یہ کتاب لکھی ہی اس غرض سے تھی کہ سنسکرت سے ناواقف آدمی ویدانت کے اونچے فلسفیانہ مسائل ہندی میں پڑھ اور سمجھ سکیں۔ اس لئے ہر مضمون کو صاف اور عام فہم لباس میں دیا ہے۔ جہاں نئی اصطلاحیں آئی ہیں ان کو بار بار دہرا دیا ہے۔ جہاں دلیل ذرا پیچیدہ ہے۔ تمثیل و تشبیہ سے اس کو کھول دیا ہے...... بچار ساگر نظم کی کتاب ہے مصنف نے خود اس پر نثر میں شرح لکھی ہے۔ میں نے نظم کا ترجمہ نثر میں کیا ہے مگر پہچان کے

واسطے اشعار پر ہندسے دے دئے ہیں۔ مصنف مہاتما ایک دادو پنتھی سادھو
تھے۔ دہلی کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ بنارس میں پڑھے تھے
اور سمت ۱۹۲۰ بکرمی میں دہلی میں مرے تھے ...." (ص ۴)

(۶) منشی سورج نراین مہر نے سوامی وویکانند کے لکچروں کا ترجمہ بھی اردو میں کیا ہے۔ عملی ویدانت کے عنوان سے اس سلسلے کا پہلا حصہ ۱۹۱۱ء سیوک اسٹیم پریس، لاہور، میں (۱۴۰) صفحات پر چھپا تھا۔ اس مجموعے کے لکچروں کے موضوع یہ ہیں:۔

علم و عمل۔ عبادت کس کی اور کیونکر کرنی چاہئے۔ محدود و غیر محدود۔ محدود و غیر محدود کا تعلق۔ ویدا اور ویدانت۔

(۷) اسی سلسلے کا دوسرا حصہ منشی صاحب موصوف نے "عملی ویدانت اور لاہور لکچر" کے نام سے ۱۹۱۱ء میں سادھو پریس، دہلی سے شائع کیا۔ اس کے صفحات کی تعداد (۲۴۲) ہے یہ سوامی وویکانند کے اکیس لکچروں کا مجموعہ ہے جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں:۔

مذہب کی ضرورت۔ عالمگیر مذہب کا آدرش، انسان حقیقی و نمودی (نیویارک لکچر) انسان حقیقی و نمودی (لندن لکچر)، مایا اور بود نمودی، مایا اور ارتقائے خیال خدا، مایا اور آزادی۔ برہم اور جگت، کائنات عالم کبیر، کائنات عالم صغیر، تناسخ، بقائے دوام یا لافانیت۔ خدا ہر چیز میں ہے، آتم انوار یا کشف ذات، کثرت میں وحدت، آزادی روح عملی ویدانت ۱۔ علم و عمل عملی ویدانت ۲۔ عبادت کس کی اور کیونکر کرنی چاہئے۔ عملی ویدانت ۳۔ محدود اور غیر محدود، عملی ویدانت ۴۔ محدود و غیر محدود کا تعلق۔ ویدانت (لاہور لکچر)

آخری پانچ لکچر پہلے حصے کے ہیں جو اس مجموعے میں بھی شامل کر دئے گئے ہیں۔

(۸) چہل درویش یا گیان دھیان کی کہانیوں کا مجموعہ، از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ مطبوعہ ہندوستان الکٹرک پرنٹنگ ورکس دہلی۔ بار دوم ۱۹۲۴ء ص ۴۰۵
سنسکرت میں حکمت و دانش کی متعدد کتابیں تمثیلی انداز میں لکھی گئی ہیں تاکہ ان

کے مطالب آسانی سے ذہن نشین ہو سکیں۔ یہ کتاب بھی جیسا کہ اس کے ذیلی عنوان سے ظاہر ہے "گیان دھیان کی کہانیوں کا مجموعہ" ہے۔ مولف نے دیباچے میں کتاب کی زبان اور اس کے لکھنے کی غرض کے متعلق حسب ذیل تصریح کی ہے:۔

"مطالب فلسفہ کے بیان کرنے میں خاص اصطلاحات کا استعمال ایک ضروری امر ہے جس سے گریز ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں بھی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ ہاں اتنا خیال رکھا ہے کہ جہاں کہیں کوئی سنسکرت لفظ پہلی دفعہ آیا ہے وہیں یا تو اس کا اردو ترجمہ دے دیا ہے یا تشریح کر دی ہے۔ ناظرین ان الفاظ کو خیال میں رکھیں تو کہیں دقت روبکار نہیں ہوگی۔ زبان کے بارے میں گزارش ہے کہ اس کتاب میں اکثر اردو نویسوں کی طرح جابجا عربی و فارسی الفاظ اور ترکیبوں کی بھرمار نہیں ہے۔ عبارت آرائی اور سخن سنجی سے پرہیز کیا ہے۔ اور سیدھی سادی روزمرہ کی بول چال استعمال کی ہے۔ یہ وہ زبان ہے جو دہلی کے شریف ہندو گھرانوں میں بولی جاتی ہے تصنع اور تکلف کی کتابی اردو نہیں ہے۔ . . . . اس کتاب سے مطلب صرف یہ ہے کہ پڑھنے والوں کے دلوں میں ویدانت پڑھنے کا شوق پیدا ہو جائے۔ اسی غرض سے اُپ نشد، شریمد بھگوت گیتا، یوگ واشِشٹ، وچار ساگر، تلسی کرت رامائن وغیرہ سے کہیں کہیں اقتباسات دئے گئے ہیں۔ یوگ اور سانکھ شاستر کا خلاصہ مطلب بھی اس میں آتا ہے، اور اور کتابوں کا بھی ذکر خیر ہے۔"

(۹) "اردو پنج دشی" از منشی سورج نراین مہر دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس، دہلی۔ سنہ ۱۹۱۷ء ص ۴۹۲

اس کتاب کی خوبیوں کا اندازہ "تمہیدی مضمون" کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ہوگا۔

"کتاب پنچ دشی، یعنی پندرہ باب کی کتاب ویدانت میں نہایت مستند اور ہر دلعزیز اور شری بدّیارنیہ سوامی کی بہترین کتاب ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جس کو پیش نظر رکھ کر سوامی نشچل داس جی نے اپنی کتاب بچار ساگر مرتب کی ہے۔ جس طرح ہندی میں ویدانت پڑھنے والے بچار ساگر سے شروع کیا کرتے ہیں اسی طرح سنسکرت میں زیادہ تر یہ کتاب شروع کی جاتی ہے۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ جامع بھی ہے اور آسان اور عام فہم بھی۔ اچاریہ بحث و مباحثہ بھی دیتے ہیں اور سدھانت بھی۔ نہ محض خشک منطقی دلائل پر انحصار رکھتے ہیں نہ صرف اپ نشدوں میں گیتا وغیرہ کے جملے سنداً پیش کرنے پر۔ کتاب اس طریق پر لکھی ہے کہ ویدانت کے تمام و کمال مضامین بھی آگئے ہیں اور وہ پڑھنے میں بھی گراں نہیں گزرتے ساتھ ہی نہ بہت طوالت ہے نہ بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے......"

(۱۰) "جیون مکتی" از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس، دہلی، ۱۹۲۵ء ص ۱۸۰۔

سوامی بدیارنیہ کی اس کتاب میں ویدانت کے علمی سادھنوں کا بیان ہے۔ جناب مہر "تمہیدی مضمون" میں لکھتے ہیں :-

یہ کتاب "جیون مکتی" جواب ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔ چھ سات سو برس سے ویدانت کی کتابوں میں نہایت ہر دل عزیز ہے۔ بدیارنیہ سوامی تیرہویں مسیحی صدی میں ہوئے ہیں۔ گرہستھ ایام میں ان کا نامساین اچاریہ تھا اور "بکار" ایا، راجہ بجانگر کے وزیر تھے......"

(۱۱) "ویدانت" کے نام سے اردو میں ایک اور کتاب ۱۹۲۴ء میں مرکنٹائل پریس لاہور سے شائع ہوئی تھی جس کے صفحات کی تعداد (۱۶۰) ہے۔ مولف کا نام رام موہن رکھی کیش ہے۔ اس کی زبان عام فہم نہیں ہے۔ عبارت میں بھاشا اور سنسکرت کے الفاظ کی بھرمار ہے۔

یوگ | یوگ پر اردو میں جو کتابیں ہندوؤں نے لکھی یا ترجمہ کی ہیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل مجھے مل سکیں:۔

(۱) یوگ ساشتر:۔ مطبوعہ ودیا ساگر پریس، علی گڑھ۔ سنہ ۱۹۰۱ء ص ۱۰۰۔ سرنامے پر یہ عبارت درج ہے:۔

"مہرشی پتنجلی کے یوگ سوتر کا اردو ترجمہ مع اصل و نوٹ و ضمیمہ اس میں یوگ کے اصول و تراکیب مفصل سمجھائے ہیں اور اس کی مختلف اقسام کا بھی بیان ہے۔ بابو پیارے لال زمیندار بروٹھانے ہر بھگتوں کے واسطے تیار کرایا۔"

ترجمے اور نوٹ کا نمونہ حسب ذیل ہے:۔

"۱ء یوگ کے اپدیش کو شروع کرتے ہیں۔

۲ء (سنسکرت عبارت) چت کی برتی ضبط کرنے کا نام یوگ ہے۔

نوٹ:۔ متزلزل خیالات کے ساکن ہو جانے کا نام یوگ ہے، اور متزلزل خیالات کو چت کی برتی کہتے ہیں۔

۳ء (سنسکرت عبارت) چت برتی ضبط ہونے کے بعد ورشٹا آتما پرش اپنے خاص شانت سروپ میں مستقل ہوتا ہے۔

نوٹ:۔ متزلزل خیالات کے ساکن یعنی چت برتی نرودھ ہو جانے پر دیہہ کے اندر جو دیکھنے والا اور گواہ ساکشی چیتن آتما کا ہے۔ اپنے بے عیب سروپ خاص میں مقام ہوتا ہے۔

اس موقع پر اس کی تمثیل پتنجلی رشی اور اس کے مطابق بھاش کاروں نے لکھی ہے کہ جیسے بلور پتھر اصلیت میں صاف شفاف سفید درجہ غایت کا ہے۔ مگر اس بلور کے اوپر یا نہایت قریب جب کسی رنگ کا پھول (مثلاً سرخ رنگ کا گودھڑ کا پھول) رکھا ہوتا ہے، تو اصلی رنگ

سفید بلور کا رنگ، چھپ کر وہ پتھر بھی سرخ یا زرد وغیرہ جس رنگ کا پھول ہو اسی رنگ کا معلوم ہوتا ہے۔ اور جب وہ پھول علیحدہ کر لیا جاتا ہے۔ تب وہ بلور بدستور جیسے کا تیسا ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح درجہ غایت کے شفاف شدہ ست آتما کے قریب چت کی برتی والے نوع بنوع کے خیالات کے ہونے سے آتما بھی نوع بنوع کا معلوم ہوتا ہے۔ اور جب چت میں سے خیالات دور ہو گئے تب آتما اپنے سروپ سے ظاہر ہوتا ہے۔" (ص ۱، ۲)

(۲) "یوگ سار اردو"۔ مطبوعہ میکی پریس، گوجرانوالہ ۱۹۰۹ء ص ۴۰۔

"جس میں نہایت مختصر طور پر یوگ ودیا کا دلکش منظر دکھایا گیا ہے۔ مولفہ و مترجمہ سوامی رامانند سادھو سنیاسی۔"

"التماس از مولف" کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

"اس میں کلام نہیں کہ اس زمانے میں یوگ ابھیاس کے عامل گرو بہت مشکل سے دستیاب ہو سکتے ہیں، اور یہ ودیا بغیر گرو سدھ ہونی مشکل ہے ...... یہ ودیا نہایت ہی کٹھن اور درلبھ ہے۔ بہت سے مہاتماؤں نے اس پر گرنتھ بھی تصنیف کئے ہیں۔ مگر چونکہ وہ سب کے سب دیوناگری میں ہیں۔ اردو خواں اصحاب ان کو نہیں سمجھ سکتے اور بے بہرہ ہی رہتے ہیں۔ اس تکلیف کو محسوس کر کے محض اردو خواں اصحاب کے لئے میں نے اس پستک کو تیار کیا ہے۔ اس میں اشٹانگ یوگ کے جو آٹھ انگ یم، نیم، آسن، پرانایام، پرتیاہار، دھارنا، دھیان، سمادھی، ہیں ان پر بھی دیا کھیا کی گئی ہے۔..."

(۳) "اشٹانگ یوگ"۔ از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس، دہلی۔ ۱۹۱۵ء ص ۲۶۴۔

"باب اول۔ دوسری فصل اشٹانگ یوگ کیا ہے؟

"یوگ کے معنی ہیں تمام برتیوں کا پھیلاؤ سمٹ کر نرودھ کی حالت کا بہم پہنچنا اسی

کو سادھی کی حالت کہتے ہیں۔ سادھی یوگ کی معراج ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ سادھن ہے۔ انہی سادھن کی حالت سے سات درجے بھگوان پتنجلی قائم کرتے ہیں۔ آٹھویں حالت سمادھی ہے۔ اس طرح گویا یوگ کے آٹھ انگ یا حصے ہوئے۔ انھیں کو اشٹانگ یوگ یعنی آٹھ حصے والا یوگ کہتے ہیں۔ بہتر ہے کہ مجمل طور پر ان آٹھوں انگوں کی تعریفیں بیان کر دی جائیں۔ ہر ایک کا مفصل بیان آگے دیا جائے گا۔ آٹھوں انگ مندرجہ ذیل ہیں:۔

یم ، نیم ، آسن ، پرانایام ، پرتیاہار ، دھارنا ، دھیان ، سادھی ،

(۱) "یم" کے معنی ہیں روکنا۔ یعنی خاص باتیں من کو نہ کرنے دینا۔ بھگوان پتنجلی ان کی تعداد پانچ بتاتے ہیں۔

(۲) "نیم" کے معنی ہیں عہد کر کے کرنا، یعنی خاص باتیں عہد کر کے روزمرہ کرتے رہنا۔ ان کی تعداد بھی پانچ ہی مقرر کی گئی ہے۔

(۳) "آسن" کے معنی ہیں طرز نشست۔ یوگی کو چونکہ ابھیاس کے واسطے بیٹھنا پڑتا ہے اس واسطے ایسے طرز نشست کی خاص ضرورت ہے کہ وہ آرام سے بیٹھ کر ابھیاس کر سکے اسے آسن کہتے ہیں۔

(۴) "پرانایام" کے معنی ہیں پرانوں کا روکنا۔ یہ آتے جاتے سانس کے روکنے سے شروع کیا جاتا ہے۔ اور اس کی انتہا یہ ہے کہ جو سوکشم یا لطیف قوتیں جسم خاکی کو حرکت دے رہی ہیں ان پر قابو حاصل ہو جائے۔

(۵) "پرتیاہار" کے معنی بدلنا ہیں، یعنی اندریوں کو من کی صورت میں اس طرح بدل ڈالنا کہ کھلا ہوا کان آواز نہ سن سکے، کھلی ہوئی آنکھ رنگ و صورت نہ دیکھ سکے۔ غرض اندریاں بشیوں سے متاثر نہ ہونے پائیں۔

(۶) "دھارنا" کے معنی ہیں من کو ایک نقطے پر اس طرح قائم کر لینا کہ وہاں سے ہلنے جلنے نہ پائے بلکہ وہیں اٹکا رہے۔

(۷) "دھیان" کے معنی ہیں دھارنا کی دھار برابر ایک رس جاری رہنی۔ پس دھارنا کو اگر نقطہ فرض کیا جائے تو یوں سمجھو کہ دھیان خط کی مانند ہے۔

(۸) "سادھی" کے معنی ہیں تردد کی حالت کا بہم پہونچنا، یعنی برتیوں کا تمام پھیلاؤ سمٹ جانا اور سروپ میں قیام کا نصیب ہونا"۔ (ص ۱۷، ۱۸)

(۴) "یوگ درشن" مع شرح از منشی سورج نراین مہر دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس، دہلی، ۱۹۱۲ء ص ۱۳۴۔

دیباچے میں یوگ کے فائدے اور اس کتاب کی خوبیاں ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"فقیر مہر کی نظر میں یوگ نہایت ہی پیارا اور بکار آمد فلسفہ ہے اس میں اخلاقی تعلیم نہایت اعلیٰ درجے کی ہے۔ اس میں اضطراب قلب کو دور کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ اس میں شانتی اور اطمینان و تسکین کی راہیں دکھائی گئی ہیں اس میں سادھی کی حالت بہم پہونچانے کے وسائل بیان ہوئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بھگوان پتنجلی سانکھیہ شاستر کے ماننے والے ہیں، لیکن یہ پیارا شاستر صرف سانکھیوں کے لئے ہی نہیں ہے، بلکہ کرم کی راہ پر چلنے والوں بھگتوں اور گیانیوں کے واسطے بھی یکساں مفید ہے۔ اس واسطے سب کو پڑھنا چاہیئے ......"

(۵) "راج یوگ" از منشی سورج نراین مہر دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۶ء (ص ۲۰۰)۔ دیباچے میں جناب مہر لکھتے ہیں:۔

"یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک میں یوگ کی تعلیم پر لکچر ہیں جو سوامی (وویکانند) نے نیویارک میں جگیاسوؤں کی ایک جماعت کے سامنے دئے تھے۔ یہ نہایت ہی دلچسپ، مفید، اور یوگ کے مضمون پر صاف روشنی ڈالنے والے لکچر ہیں۔ جو شخص انھیں پڑھے گا وہ آئینہ کی طرح صاف صاف

سمجھے گا کہ بھگوان پتنجلی کی تعلیم کیسی پُرمغز، حکیمانہ، عملی اور مفید مطلب ہے۔ جتنا سمجھے گا فلسفہ یوگ کی حقیقت کھلے گی اور مضمون میں دلچسپی بڑھے گی۔ دوسرے حصے میں بھگوان پتنجلی کے یوگ سوتر ہیں۔ ان کی نسبت سوامی لکھتے ہیں کہ ترجمہ آزادانہ دیا گیا ہے اور شرح سرسری کردی گئی ہے حقیقت میں سوامی نے یوگ سوتروں کا جو ترجمہ دیا ہے۔ وہ بعض مقامات پر بہت ہی آزادانہ ہے اور پرانے سنسکرت شارحوں کے معنی سے نہیں ملتا۔۔۔۔۔۔"

(۶) "گیان یوگ"۔ "برھم گیان پر سوامی وویکانند کے لکچروں کا ترجمہ" از منشی سورج نراین مہر دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۳ء ص ۳۲۰۔

مترجم نے ان لکچروں کا تعارف اس طرح کرایا ہے:۔

"۱۸۹۳ء میں شہر شکاگو واقع امریکہ میں مذاہب کی ایک بڑی بھاری پارلیمنٹ یا مجلس منعقد ہوئی تھی جس میں دنیا کے ہر مذہب کے وکلاء ہر ملک سے شریک ہوئے تھے۔ مہاراجہ کھیتری نے جن کی ریاست صوبہ راجپوتانہ میں واقع ہے سوامی وویکانند کو ہندو دھرم کی توضیح کے واسطے ہندوستان سے امریکہ بھیجا۔۔۔۔۔۔ جب پارلیمنٹ کے جلسے ختم ہو گئے تو امریکہ کے مختلف شہروں اور مختلف جماعتوں نے سوامی کو بلاوے دئے کہ آئیے اور برھم گیان پر لکچر دیجئے چنانچہ بعض شہروں میں پبلک لکچر ہوئے۔ بعض جگہ ویدانت کی انجمنیں منعقد ہوئیں۔ بعض مقاموں میں جماعتیں کھولی گئیں سوامی سب جگہ جاتے اور لکچر دیتے۔ امریکہ میں جب پرچار کا رنگ جم گیا تو سوامی نے انگلستان کا رخ کیا اور یہاں آکر پبلک لکچروں اور پرائیویٹ جماعتوں کے ذریعہ سے ویدانت کا پرچار کرنے لگے۔"

اس کتاب میں سولہ (۱۶) لکچر ہیں۔

(۷) "الکھ امواج" یہ "سری یوگ باسشٹ کا عطر"۔ مولفہ کنھیا لال الکھ دھاری مطبوعہ گیان پریس، گوجرانوالہ۔ نسخہ قدیم۔ سنہ طباعت درج نہیں۔ بڑی تقطیع ص ۸۶

"یوگ بسشٹ" میں وہ نصیحتیں ہیں جو راجہ دسرتھ کے وزیر اور پروہت بسشٹ جی نے بہ حیثیت اتالیق رام چندر جی کو دی تھیں۔ اس میں حکایتوں کے ذریعے سے راج نیت اور ویدانت کے مضامین سمجھائے ہیں۔ "الکھ امواج" اس کتاب کا ترجمہ نہیں بلکہ خلاصہ ہے۔ مجھے پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں "الکھ امواج" کے مختلف حصے۔ رسالہ "ذخیرہ رفاہ عام" کے ایک نمبر میں بھی ملے۔ تعجب ہے کہ اس رسالے پر نہ سنہ درج ہے نہ مطبع کا نام۔ ذیل کا اقتباس اس کتاب کے حصہ چہارم سے لیا گیا ہے۔ جو رسالہ مذکور میں شائع ہوا تھا:۔

"معرفت کی دولت دو طرح سے ہاتھ میں آتی ہے۔ ایک راہ مشہور ہے، یعنی ارشاد مرشد اور بیدوں اور شاستروں کی تعلیم اور عمل نیک اور صحبت صالحین سے دوسری محض عنایت الٰہی سے کہ بغیر سعی و تلاش کے کسی کو نصیب ہووے مثل اس میوہ کے کہ از خود اوپر سے درخت کے گر پڑے۔ دوسری طرح سے جو بعضوں کو یہ دولت ہاتھ آتی ہے وہ اس حکایت کے مانند ہے۔

(حکایت) راجہ جنک موسم بہار میں باغ کی سیر کو گیا تھا۔ باغ کے ایک چمن میں سات صاحب کمال باخود باتیں کرتے تھے۔ راجہ نے پوشیدہ ان کی باتیں سنیں۔ ایک نے کہا کہ میں جس لذت کا طالب ہوں بہ مقابلہ اس کے لذت اس کی کہ معشوق جمیل و نوجوان و لطیف مزاج سے ایک مدت ہم آغوش رہے اور ہفت اقلیم پر فرماں روائی کرتا رہے اور تندرستی اور خوبصورتی اور دولت مندی، ذرہ ہے۔ دوسرے نے کہا کہ جو برہما اور بشن اور ودر سے اعلیٰ ہے۔ اور جس سے تمام موسوم اور موہوم بنے ہیں، میں اُس کا طالب ہوں . . . . . (ص ۸، ۹)

مولف۔ حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ راجہ جنک اس باغیچے میں واسطے تلاش گیان کے نہیں گیا تھا، اور جستجو واسطے تحصیل علم کے نہیں کرتا تھا۔ عنایت ربّی سے کاملین کی باتیں اس کے کان میں پڑیں اور اس کے ذہن نے خودبخود اس کی حقیقت سمجھ لی۔ پس علم لدنی اسی طرح سے ثابت ہوتا ہے اور وہب یہی ہے۔ جس کا ذہن رسا ہوتا ہے اور جو قوت ادراک کی قوی رکھتا ہے۔ وہ بات میں سے بات اور خاک میں سے لعل نکال لیتا ہے، اور جو غبی اور کند ذہن ہوتا ہے۔ اس کو بید اور شاستروں کے پڑھنے اور برہمنوں کے چرن دھودھو کر پینے اور تمام عمر پوتھیوں کے پاٹ کرنے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا . . . .

(ص ۱۲)

بھگتی | اس باب کے شروع میں بیان ہو چکا ہے کہ ہندو اپنے مذہب کو نجات کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے یہاں نجات حاصل کرنے کے تین خاص طریقے ہیں۔ ایک کرم، دوسرا دھیان، تیسرا بھگتی، بھگتی کے متعلق ڈاکٹر تارا چند اپنی تحقیقی کتاب "ہندوستانی تہذیب پر اسلام کا اثر" (انگریزی) میں لکھتے ہیں :-

"نجات کا تیسرا راستہ عقیدت اور بھگتی کا راستہ ہے۔ بھگتی کی تعریف مختلف طریقوں پر کی گئی ہے۔ مثلاً کسی شخصی دیوتا کی پوجا محبت کے جذبے کے ساتھ کرنی، یا ایک شخصی خدا سے شخصی عقیدت رکھنی، اس سے ایسی محبت کرنی جیسی کسی انسان سے کی جاتی ہے، [illegible] کے لئے ہر شئے کو وقف کر دینا اور [illegible]

نہ کہ علم [illegible] کے ذر[illegible]

پہلو میں راسخ ہوتی ہیں، جیسے علم کی اس کے ذہنی، اور عمل کی اس کے ارادی پہلو میں۔ نفسیاتی طور پر یہ ناممکن ہے کہ ان تینوں پہلوؤں میں سے کوئی ایک کسی مذہبی نظام سے بالکل مفقود ہو۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ کوئی ایک پہلو بہ نسبت دوسرے کے زیادہ نمایاں ہو اور تاریخ کے کسی دور میں دوسرے پہلوؤں پر غالب ہو جائے۔ چنانچہ بھگتی کا چشمہ جو ویدک عہد میں ایک پتلی سی دھار کی صورت میں جاری ہوا وہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ پورے ملک پر ایک سیلاب کی طرح چھا گیا۔

پرجوش عقیدت کا قدیم ترین صحیفہ "بھگود گیتا" ہے۔ کرشن کی تعلیم یہ ہے کہ صرف اس کے (یعنی خدا کے) ساتھ غیر متزلزل عقیدت رکھنے سے انسان اس تک پہنچ سکتا ہے۔ خدا ان تمام چیزوں کو قبول فرماتا ہے جو عقیدت کے ساتھ اس کے سامنے پیش کی جائیں، خواہ ایک پتی، ایک پھول، ایک پھل ہو، خواہ صرف پانی۔ عقیدت کا مقصد یہ ہے کہ تمام اعمال اس کے لئے وقف کر دئے جائیں۔ کیونکہ سچے طالب اور پرستار اپنی ہستی خدا کی ذات میں رکھتے ہیں۔ خدا اپنا بے پایاں فضل و کرم اپنے پرستاروں پر نازل فرماتا ہے۔ گناہگار پرستاروں سے بھی وعدہ ہے کہ ان کا شمار نیکوں میں کیا جائے گا بشرطیکہ وہ یکسوئی کے ساتھ عبادت کریں، نیز یہ وعدہ بھی ہے کہ وہ کبھی نیست و نابود نہ کئے جائیں گے۔ خدا کی نظر میں تمام پرستار برابر ہیں۔ خواہ وہ گناہ میں پیدا ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، اور خواہ وہ کسی ذات یا فرقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ عقیدت ہی کے ذریعے سے خدا کو دیکھا اور معلوم کیا جا سکتا ہے اور اس سے واصل ہوا جا سکتا ہے۔ سچا عقیدت مند خدا کا محبوب ہوتا ہے، بےحد محبوب، کیونکہ خدا ہی باپ، شوہر، ماں اور دوست ہے۔

یہی تمام اجزا مذہب عقیدت کے ہیں۔ یعنی ایک شخصی خدا کا وجود، اس کا فضل وکرم، عقیدت مند کا اپنے تئیں خدا کی پرستش اور محبت کے لئے وقف کر دینا، ذات اور فرقے کی تفریق کے بغیر سب کے لئے رہائی کا وعدہ، اور متصوفانہ وصل،،[۱]

بھگتی پر ہندوؤں کی لکھی ہوئی صرف مندرجہ ذیل کتابیں مجھے مل سکیں:۔

(۱) بھگتی۔ (وویک مالا۔ پہلا موتی) مصنفہ سوامی وویکانند۔ مترجمہ شانتی نارائن مطبوعہ پنجاب پریس، لاہور۔ ص ۱۶۰۔

سوامی وویکانند نے بھگتی کے سلسلے میں جو کتابیں لکھی ہیں یہ اس کی پہلی کڑی ہے شروع میں بھگتی کا مفہوم واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

بھگتی کے لکشن

" اپنے دل سے ہر طرح کی نمائش، چھل کپٹ، اور مکروریا کو دور کر کے سچے دل سے پریم تپا پرماتما کی تلاش اور جستجو میں لگ جانے کو اصطلاحی طور پر بھگتی کہتے ہیں۔ اس کی ابتدا پربھو پرماتما کے چرن کمل میں لحی یعنی نہایت ہی مختصر اور قلیل المیعاد رغبت اور محبت سے ہوتی ہے جو رفتہ رفتہ نشوونما پاتی ہوئی اور ترقی کرتی ہوئی آخر میں لامحدود اور بے پایاں محویت اور محبت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ایشور کے پریم میں یہ محویت وازخود رفتگی ہی آخر میں دائمی نجات کا باعث، ذریعہ اور وسیلہ ثابت ہوتی ہے، جیسا کہ دیورشی نارد جی نے بھی اپنے بھگتی سوتر میں فرمایا ہے۔

(سنسکرت شلوک) " بھگوان کے چرنوں میں بیحد پریم اور پریت کا نام ہی بھگتی ہے "۔ (پہلا انوواک، دوسرا سوتر)

---

[۱] " ہندوستانی تہذیب پر اسلام کا اثر " (انگریزی) ص ۲۱۳-۲۱۴

پربھو بھگتی کی اس لامحدود گراں بہا دولت کو پاکر ہی انسان دنیا بھر کے جانداروں سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اپنے گھر بار کو چھوڑ کر اس وسیع دنیا کو ہی اپنا گھر سمجھنے لگتا ہے، اور اس انمول رتن کو حاصل کر کے اطمینان دل اور سکون قلب کی منزل تک پہونچ جاتا ہے۔ جیسا کہ بھگوان نارد فرماتے ہیں۔ (سنسکرت عبارت)۔ یعنی "جس انسان کو پربھو پریم کی یہ بے مثال دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ پھر دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں رہ جاتی جسے حاصل کرنے کی خواہش کبھی اس کے دل میں پیدا ہو سکے۔"

اور سب چیزیں تو زیادہ سے زیادہ پرماتما کو حاصل کرانے ہی کا ذریعہ ہو سکتی ہیں۔ مگر بھگتی ایک ایسی لازوال نعمت ہے جو خود ہی مطلوب بھی ہے اور مطلوب کے حاصل کرنے کا ذریعہ بھی۔ اسی لئے اس دولت عظمیٰ کے حاصل ہونے پر جب طالب اپنے مطلوب کو پالیتا ہے تب اسے اور کوئی خواہش باقی نہیں رہ جاتی ......" (ص ۱۰،۹)

(۲) بھگتی رہسیہ (وویک مالا۔ دوسرا موتی) مصنفہ سوامی وویکانند مترجمہ شانتی نارائن مطبوعہ ہندوستان پریس، لاہور، ۱۹۳۲ء ص ۲۱۲۔

یہ بھگتی کے سلسلے کی دوسری کتاب ہے۔ مترجم نے اس کا تعارف سطور ذیل میں کرایا ہے۔

"نارائن وویک مالا کا دوسرا موتی" بھگتی رہسیہ "کے روپ میں آپ کی نذر ہے۔ یہ پستک درحقیقت پہلی پستک" بھگتی "کی تشریح و توضیح ہے۔ پہلی پستک میں شری مان سوامی وویکانند جی نے اپنے ہندوستانی بھگتوں اور پریمیوں کو بھگتی مارگ کی اہمیت سمجھائی تھی۔ دوسری میں آپ نے اپنے امریکن شردھالوؤں کو بھگتی امرت پلانے کی غرض سے بھگتی مارگ کی زیادہ وضاحت کیساتھ تشریح و توضیح کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی باتیں جو "بھگتی"

میں اشارۃً اور مختصراً بیان کی گئی ہیں وہ "بھگتی رہسیہ" میں زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ پیش ہوئی ہیں ....

"بھگتی رہسیہ" چونکہ سوامی جی مہاراج کے ان لکچروں کا ایک نادر مجموعہ ہے جو آپ نے امریکہ میں وہاں کے باشندوں کے سامنے دئے تھے۔ اس لئے آپ نے ان لکچروں میں جگہ جگہ یسوع بھگتی کا ذکر کیا ہے، اور یسوع کی روحانی زندگی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی تعلیم کی عظمت اور پاکیزگی کو تسلیم کیا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی ظاہر کیا کہ عیسائی مت کے موجودہ مبلغ بھگوان مسیح کی عملی پیروی نہ کرکے صرف ان کی زندگی کے ایک پہلو کا ہی پرچار کرتے ہیں، اس لئے ان کی مکمل تعلیم سے دور جا پڑے ہیں۔"

(۳) بھگتی اور ویدانت (نارائن دویک مالا۔ موتی ع۳) مصنفہ سوامی وویکانند۔ مترجمہ شانتی نارائن۔ مطبوعہ مفید عام پریس، لاہور۔ ص ۲۰۰۔

یہ اس سلسلے کی تیسری کتاب ہے۔ اس کا ذکر ویدانت کی کتابوں کے ذیل میں آچکا ہے۔

(۴) نیا بھگت مال، جلد اول، "جس میں نئے اور پرانے بھگتوں کے دلچسپ حالات اور مفید ارشادات بھی کہیں کہیں شامل کئے گئے ہیں۔" از شیو برت لال۔ مطبوعہ ہندوستانی پریس، لکھنو۔ سنہ طباعت درج نہیں۔ ص ۶۱۰۔

یہ کتاب رسالہ "سنت سماگم" کی جلد ۲ شمارہ ۲۱۔ ۲۴ پر مشتمل ہے اس رسالے کے ایڈیٹر بابو شیو برت لال تھے۔ انھوں نے متعدد صوفیانہ اور اخلاقی کتابیں لکھی ہیں۔ "نیا بھگت مال" بھی اسی سلسلے کی کتاب ہے۔ اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

"بھگت مال کے مصنف نابھاجی ہیں جو ویشنو تھے اور نہایت بلند خیال اور روشن ضمیر بزرگ تھے۔ یہ کتاب جس قدر مقبول عام ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اکثر معتقد اسے دینی اور دنیاوی مراد حاصل کرنے کی نیت سے

مطالعہ کرتے ہیں۔ بعضوں کو تو اس پر اس قدر وشواس ہے کہ ان کے عقیدے میں مردہ لاش کے سینے پر بھگت مال کی پوتھی رکھ دینے سے از سر نو زندگی آگئی ہے۔ ہندو اس کتاب کو ہر پہلو سے متبرک، پاک اور قابل تعظیم سمجھتے ہیں، اور اس میں تو شک ہی نہیں ہے کہ صاف باطن عام طبیعت کے آدمی کو اس کے پڑھنے سننے، سوچنے وچارنے سے بھگتی کی دولت مل جاتی ہے۔

نابھاجی کی اصل کتاب ہندی نظم میں ہے جس کی زبان مشکل اور غیر فہم ہے۔ پریا داس جی نے اس کی شرح ہندی نظم میں لکھی ہے۔ وہ بھی آج کل کے آدمیوں کے لئے آسان نہیں ہے۔ مسلمانوں کے عہد میں لالہ لال جی داس جی کایستھ نے سوامی پریا داس جی کے پوتے کی مدد سے اس کا عام فہم ترجمہ کیا۔ اور بھی ایک آدھ صاحبوں نے اس پر طبع آزمائی کی۔ لیکن ان کی کتابوں کی کافی اشاعت نظر نہیں آتی۔ ممکن ہے وہ اب بھی کسی کسی کتب خانوں میں ہوں لیکن عام طور پر دستیاب نہیں ہوتیں سمت ۱۸۱۸ بکرمی میں لالہ گمانی لال صاحب کایستھ، ساکن رہتک، نے فارسی زبان میں اس کا عالمانہ ترجمہ کیا جو برسوں مقبول عام اور ہر دل عزیز تھا لیکن غیر ملکی زبان ہونے کی وجہ سے اس کی بھی اشاعت جاتی رہی اس کے بعد سمت ۱۹۱۶ بکرمی میں لالہ تلسی رام صاحب اگروال نے اردو زبان میں اس کا ترجمہ کیا جو بہت مقبول عام ہوا۔ مترجم نے نہایت عرق ریزی اور محنت سے کام لیا ہے۔ یہ ترجمہ بار بار چھپا اور اب بھی بہ کثرت ملتا ہے ان کے بعد ہندی نظم میں مہاراجہ رگھو راج سنگھ صاحب بہادر والی راج "ریواں" نے بھی ترجمہ کیا جو بہت ضخیم ہے۔ اور بمبئی کے چھاپے خانے

یں ملتا ہے۔ ممکن ہے اور لوگوں نے بھی اس کے ترجمے کی جانب توجہ کی ہو لیکن میری واقفیت محدود ہے۔ پروفیسر ولسن صاحب مرحوم انگریز نے اپنی مشہور کتاب "ہندوازم" کی تصنیف میں اس سے بہت مدد لی ہے۔ ان سب تراجم سے صاف ظاہر ہے کہ "بھگت مال" بڑے پائے کی کتاب ہے"

اس کتاب کے پہلے باب کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے:-

"بھگتی تین قسم کی ہے۔ کرم بھگتی، اُپاسنا بھگتی، اور گیان بھگتی تینوں میں سے اگر کوئی باقاعدہ بن آوے تو نتیجہ یکساں ہوتا ہے۔ سبب ظاہر ہے۔ "بھگتی"، سنسکرت لفظ "بھج" سے نکلا ہے جس کا اصلی اور لغوی مطلب "سیوا"، یا "خدمت" ہے، اور خدمت کا تعلق دل سے ہے۔ چاہے کرم ہو یا اُپاسنا ہو، چاہے گیان ہو، تینوں ہی دل سے کئے جاتے ہیں۔ دل کا شامل ہونا ہر حالت میں لازم ہے۔ بغیر اس کی شمولیت کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ بھگتی اس طرح تین ہی قسم کی ہے۔ ہاں اس کی شاخیں (نشٹھائیں) متعدد ہیں جن میں سے کئی ایک کی وضاحت بتدریج آئندہ ہوتی چلے گی۔

کرم بھگتی میں دل کے ساتھ جسم، جسمانی اعضا اور جسمانی کاروبار شامل رہتے ہیں۔ اُپاسنا بھگتی میں دل، دلی جذبات اور دلی کاروبار کا شمول ہے۔ گیان بھگتی میں دل کے ساتھ عقل، عقلی جذبات، تخیلات، انبھو، اور عقلی سوچ وچار اور غور و فکر کا میل رہتا ہے۔ یہ ان کے درمیان ظاہری فرق ہے........" (ص ۱۱)

(۵) بھگت مال۔ مترجمہ منشی تلسی رام۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۳ء بڑی تقطیع ص ۴۵۶
"نابھاجی" کی یہ وہی مشہور کتاب ہے جس کی تعریف بابو شیو برت لال نے "نیا بھگت مال" کے دیباچے میں کی ہے۔ بھگتی کی تلقین کے لئے جو حکایتیں اس میں درج ہیں ان میں

سے ایک ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ اس سے ترجمے کی خوبی کا بھی اندازہ ہوگا۔ یہی ترجمہ ہے جس کی نسبت بابو شیو برت لال نے لکھا ہے کہ بہت مقبول ہوا:۔

کتھا ہنس پرسنگ

" ایک راجہ کو مرض جذام تھا۔ بہت علاج کیا آرام نہ ہوا۔ طبیب نے کہا کہ ہنس جانوروں کے گوشت سے شفا ممکن ہے۔ راجہ نے صیاد بلائے واسطے لانے ہنسوں کے تاکید کی۔ صیادوں نے عرض کیا کہ ہنس مان سرور پر رہتے ہیں اور غیر جنس کو دیکھ کر اُڑ جاتے ہیں، ہم کس طرح لاویں۔ راجہ نے حکم دیا اگر نہ لاؤ گے سزا ہو گی۔ لاچار چلے اور باہم گر مشورہ کیا کہ ہنس بھگوت بھگتوں سے خوف نہیں کرتے۔ سو سادھو روپ بنا کر گئے۔ اگرچہ ہنسوں نے فریب صیادوں کا جان لیا لیکن بھیکھ کو نہ ماننا بھاگوت دھرم سے بعید جان کر دانستہ گرفتار ہو گئے۔ صیاد پکڑ کر راجہ کے پاس لائے۔ ہنوز بند میں تھے کہ بھگت تبل مہاراج، جو ہر وقت واسطے سہائے اپنے بھگتوں کے ساتھ ساتھ پھرتے ہیں بہ لباس طبیب اس شہر میں موجود ہوئے۔ اوّلاً وہاں کے بازار میں بازار طبابت کا گرم کیا اور پھر راجہ کے پاس پہونچے۔ راجہ نے حال اپنی بیماری اور گرفتار کرا کر منگانے ہنسوں کا بیان کیا۔ خود بدولت نے تشفی فرما کر کہا کہ تم کو بہت جلد شفا ہو جاوے گی۔ ان جانوروں کے گرفتار رکھنے کی کچھ ضرورت نہیں، چھوڑ دو، راجہ کو بہ سبب بہت تلاش سے منگانے کے تامل ہوا تو کچھ دوا منگا کر راجہ کے بدن پر ملوائی کہ شفا کامل ہو گئی۔ راجہ کمال خوش ہوا اور ہنسوں کو اسی وقت چھوڑ دیا۔ طبیب کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ مال و منال، راج وغیرہ سب آپ کا ہے، جو کچھ مطلوب ہووے ارشاد ہو کہ پیش

کردن طبیب نے فرمایا کہ فی الحقیقت سب ہمارا ہے۔ اب تم بھگوت بھگتی اور مہاجو سیوا اختیار کر کے آدمی جسم کہ کمال مشکل سے نصیب ہوتا ہے سپھل کرو۔ راجہ نے قبول کیا، اور چونکہ بھگوت بھگتوں سے اور بھگوت کے درشنوں سے دل کو صفائی ہو گئی تھی۔ ایسا بھگت ہوا کہ تمام راج میں بھگوت بھگتی کا رواج ہو گیا یہ ہنس پر سنگ لائق سمجھنے کے ہے کہ جانوران کو تو یہ بھگتی ہوا اور آدمی کہ صاحب تمیز اور عقل در ہوتا ہے۔ وہ بمکھ ہووے تو وہ آدمی ہے یا جانوروں سے بدتر، اور جہنمی ہوگا یا نہیں۔" (ص ۱۴۷۔ ۱۴۸)

بھگوت گیتا

بھگتی کا قدیم ترین صحیفہ، جیسا کہ ڈاکٹر تاراچند نے لکھا ہے، بھگوت گیتا ہے۔ ہندوؤں کے مذہبی ادب میں یہ کتاب اپنی اعلیٰ تعلیمات اور مقبولیت کے لحاظ سے بے مثل ہے۔ دنیا کی تمام مہذب زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ اردو میں بھی اس کے ترجمے نثر و نظم میں بکثرت کئے گئے ہیں جن میں سے بعض مسلمانوں کے قلم سے بھی ہیں۔ مثلاً خواجہ دل محمد کا ترجمہ جو "دل کی گیتا" کے عنوان سے ہے اور ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کا ترجمہ۔ یہ دونوں منظوم ہیں۔ بھگوت گیتا کی تعلیمات کی اشاعت کے لئے ہندوؤں نے اردو زبان کو جس حد تک ذریعہ بنایا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل ترجموں اور شرحوں سے ہو سکتا ہے۔ یہ صرف وہ ترجمے ہیں جو مجھے دستیاب ہو سکے۔ ان کے علاوہ اور بھی ہوں گے جن کی تلاش کا مجھے موقع نہ ملا۔ جہاں تک میری واقفیت ہے۔ ہندو مذہب کی کسی دوسری کتاب کا ترجمہ اردو میں اس کثرت سے نہیں ہوا ہے، یہاں تک کہ رامائن کا بھی نہیں۔

(۱) "بھگوت گیتا" کا سب سے قدیم اردو ترجمہ جو مجھے ملا وہ منشی کنھیا لال عرف الکھ دھاری کا ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں، جنھوں نے دید دل سے متعلق بھی اردو میں سب سے پہلی کتاب (جہاں تک مجھے علم ہے) "الکھ پرکاش" کے نام سے لکھی تھی جس میں چاروں دیدوں کا خلاصہ پیش کیا تھا۔ بھگوت گیتا کا ترجمہ انھوں نے گیان پرکاش کے عنوان سے مرتب کیا

جو پہلی بار ۱۸۶۳ء میں دو سو صفحات پر گیان پریس، اکبر آباد میں چھپا تھا۔ اس میں گیتا کی چوتھی ادھیا کے چند اشلوکوں کا ترجمہ حسب ذیل ہے :-

سری کرشن کہتے ہیں :-

"اے ارجن، کرم جوگ یعنی تہذیب اخلاق عمدہ چیز ہے اور یہی لازوال ہے۔ میں نے سب سے پہلے یہ علم آفتاب کو سکھایا تھا، اور آفتاب نے 'بیوست مُن'، کو، اور اس نے ایچھواک کو اس علم کے جاننے سے راجے فضیلت پاتے ہیں کیونکہ درویش صفت ہو جاتے ہیں۔ لیکن انقلاب سے زمانے کے یہ علم معدوم ہو گیا ہے۔ یہ جوگ قدیم اور نہایت شریف ہے بتجھے اپنا عزیز سمجھ کے بتاتا ہوں۔" ارجن نے کہا :- اے کرشن، تم اب پیدا ہوئے ہو اور آفتاب مدت مدید سے ہے پس میں کیونکر باور کروں کہ تم نے یہ علم آفتاب کو سکھایا۔" کرشن نے جواب دیا :- اے ارجن، میں اور تو قدیم ہیں، لیکن اس کی حقیقت تو نہیں جانتا ہے، میں جانتا ہوں۔ میں وہ ہوں جس کا نہ کوئی باپ ہے اور نہ کوئی بیٹا، اور صاحب تمام عالم کا ہے۔ مگر طبیعت سے تناسخ میں پھنسا ہوں جب اخلاق حمیدہ گم ہو جاتے ہیں اور شر و فساد زیادہ ہو جاتا ہے تو اعتدال دینے کو ایک صورت پیدا ہوتی ہے۔ میں وہ صورت ہوں۔ واسطے مدد دینے نیکوں کے اور استیصال بدوں کے اور قائم کرنے بنیاد عقل کے اور اکھاڑنے دیوار ظلم کے میں پیدا ہوا ہوں تاکہ آئندہ کوئی اپنی حد سے باہر پاؤں نہ دھرے اور افراط و تفریط نہ ہونے پاوے۔" (ص ۵۶-۵۸)

(۲) بھگوت گیتا مع اردو ترجمہ۔ مترجمہ منشی شیام سندر لال۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۴ء ص ۱۲۰۴۔ اس کتاب میں ترجمے کے ساتھ متن اور اس کی شرح لکھی ہے۔ جس کا نمونہ یہ ہے :-

"(سنسکرت عبارت)..........

(۱) ارجن نے کہا، اے کرشن مہاراج آپ کرم کا تیاگ یعنی ترک فرماتے ہیں اور پھر جوگ یعنی اختیار کرنا بھی لازمی کہتے ہیں۔ پس ان دونوں میں سے ایک جو درحقیقت بہتر ہو وہ مجھ سے فرمائیے۔

(۲) شری بھگوان نے فرمایا کہ کرم کا ترک اور اختیار دونوں نجات دینے والے ہیں۔ لیکن کرم کے ترک سے کرم کا اختیار اعلیٰ ہے۔

ٹیکا.......لیکن دونوں میں کرم نہ کرنے سے کرم کا کرنا بہتر ہے کیونکہ کرم کا نہ کرنا آتم گیانی یعنی عارف کو لازم ہے، اور اگیانی کے واسطے جس کو دیہہ اور آتما میں تمیز نہیں ہے، یعنی جسم ہی کو آتما مانتا ہے، کرم کا کرنا ہی پُر ضرور ہے اور تم دیہہ یعنی جسم کو آتما یعنی نفس ناطقہ مانتے ہو اور بھائیوں کے مرنے کا غم کرتے ہو، لہذا اگیانی ہو۔ پس تم کو کرم جوگ یعنی کرم کرنا ہی بہتر ہے۔ جب کرم کرتے کرتے بعد صفائی باطن کے تم کو گیان ہوگا تب تم کرم کے ترک کر دینے کے لائق ہوگے۔ یہ دونوں امر موافق درجے اور لیاقت کے بیان کئے گئے۔" (ص ۲۹-۱۲۸)

(۳) سری بھگوت گیتا۔ مطبوعہ مرکنٹائل پریس، لاہور۔ سمت ۱۹۷۷ بکرمی ص ۲۱۴۔ چھٹی ادھیا کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے۔ اس میں یوگ اور سنیاس کے معنی سمجھائے ہیں:۔

"شری کرشن جی بولے کہ اے ارجن جو نش کرم یوگ سادھ کر مجھ سے ملنا چاہیے اور پھل کچھ نہ مانگے تو اسی کو سنیاسی جان۔ میرے ساتھ جڑنے سے تو اس کو یوگی مان۔ پھل کی خواہش نہ کرنے سے سنیاسی ہو جاتا ہے۔ جٹا بڑھانے، بھسم رمانے اور دھونی جلا کر بیٹھنے سے سنیاسی نہیں بن سکتا۔ اے پانڈو، یوگی

جن سنیاسی اسی کو کہتے ہیں جس کے من میں میرے چرن کمل کے بنا اور خواہش نہیں۔ خواہشیں اس وقت تک نہیں مٹ سکیتں جب تک ایک من ہو کر میرا سمرن نہ کیا جائے۔ اور جب تک خواہشات باقی رہتی ہیں اس وقت تک میرے دھیان میں لین نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سنیاس اور یوگ ایک سے ہیں۔ میرے ساتھ جڑنے کے لئے ست کرم کرنے چاہئیں ... ،، (ص ۹۸-۹۹)

(۴) بھگوت گیتا۔ مترجمہ منشی دیبی پرشاد۔ مطبوعہ رام پریس، میرٹھ ۱۹۱۳ء۔ ص ۹۰

اس کتاب میں ترجمے سے پہلے ہر ادھیا کے مضمون کا خلاصہ بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

(۵) شری مد بھگوت گیتا۔ موسوم بہ " فلسفہ الوہیت " مع ترجمہ و تشریح از رائے بہادر پنڈت جانکی ناتھ مدن دہلوی۔ مطبوعہ رام نرائن پریس، متھرا، پانچواں ایڈیشن، ۱۹۲۲ء ص ۳۴۴۔

بھگوت گیتا کے جتنے اردو ترجمے میں نے دیکھے، زبان و بیان کی خوبیوں اور مطالب کی وضاحت کے لحاظ سے " فلسفہ الوہیت " کو ان سب پر فوقیت حاصل ہے۔ پنڈت جانکی ناتھ کو فلسفیانہ اور الہیاتی مسائل کے بیان پر بڑی قدرت ہے۔ ان کی زبان کی شستگی اور روانی بھی پڑھنے والے کو خاص طور پر متاثر کرتی ہے۔ ترجمے اور تشریح کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

" چوتھی ادھیا۔ کرم سنیاس یوگ ،،

(۱) (سنسکرت منتر) ....

" شری بھگوان نے فرمایا " میں نے یہ لازوال علم معرفت دیوسوت کو بتایا دیوسوت نے منو کو۔ منو نے اکشواک کو ،،

علم ذات راجہ دیوسوت کے بعد منو کو اور منو کے بعد راجہ اکشواک سری رام چندر جی کے دادا کو حاصل ہوا تھا۔ موحد کے لئے ضمیر متکلم بالکل

صاف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ آتما ہمیشہ بدستور ہے اور سب میں محیط ہے جب انسان کا بطون کثافت جہل سے صاف ہوجاتا ہے۔ اس وقت اس میں علم ذات کا اشراق ہونے سے دوئی کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا انتخاب میں اس علم نے وقتاً فوقتاً اشراق پایا تھا۔ اس ادھیا کے چھٹے منتر میں اس منتر کا مطلب ظاہر کیا جائے گا۔

(۲) (سنسکرت منتر)........

"اے ارجن جو علم اس طرح پر زمانہ قدیم سے چلا آیا تھا اس کو راج رشی جانتے تھے۔ وہ علم اب زمانہ دراز سے محجوب ہوگیا ہے "

راج رشی وہ لوگ تھے جو باوجود اپنی ریاست کا کاروبار کرنے کے مرتاض اور اس علم سے واقف تھے۔ کرشن بھگوان کے زمانے سے پیشتر علم راج اُن راج رشیوں میں باقی نہیں رہا تھا۔ اس لئے انھوں نے پھر اس کا اعلان کیا۔

۳۔ (سنسکرت منتر)..........

"وہی قدیم علم میں تجھے اب بتاتا ہوں۔ تو میرا معتقد اور رفیق ہے اور یہ عالی اسرار ہیں "

علم ذات ایک ہے اور وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ پس کرشن بھگوان نے انھیں رموز کو جو عارفان گزشتہ کے سینے میں تھے از سر نو ظاہر کیا۔" (ص ۹۶۔۹۵)

مترجم نے ہر ادھیا کا خلاصہ بھی اس کے آخر میں لکھ دیا ہے۔ چنانچہ چوتھی ادھیا کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

"آتما لازوال، محیط اور قدیم ہے، اور مصدر علم و سرور ہے۔ اس کا علم کبھی ضائع نہیں ہوتا، البتہ کبھی پوشیدہ اور کبھی آشکارا ہوتا رہتا ہے صرف عارف اس

رمز کو جانتے ہیں۔ جاہل تموگن یعنی صفت ادنیٰ کے غالب ہونے کی وجہ سے اس کے سمجھنے سے معذور رہتے ہیں اور انسانوں میں صرف صفت اور فعل کا فرق ہوتا ہے۔ آتما تو سب میں یکساں موجود ہے۔ وہ آتما جسمانی اعمال اور ان کے نتیجے سے بے تعلق رہتی ہے۔ پس انسان بے تعلق ہو کر فعل کرنے سے آتما میں وصل ہو سکتے ہیں۔ کرم سنیاس یعنی ترک فعل کے یہی معنی ہیں۔ فعل دو قسم کے ہیں۔ فعل با تعلق اور فعل بے تعلق۔ اول قسم کے فعل میں نیک و بد کا تمیز ہوتا ہے، اور وہ ادنیٰ ہے۔ دوسری قسم کے فعل میں نظر نیکی اور بدی دونوں سے اٹھ جاتی ہے، اور وہ عارفوں کے طریقے کے مطابق ہے۔ اس طرح پر عمل کرنے سے تمام افعال آتش عرفان میں سوخت ہو جاتے ہیں اور انسان ذات میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ دید میں جتنے عملی طریقے درج ہیں ان کا اصلی مطلب اور نتیجہ علم معرفت کا حاصل کرنا ہے، اور علم معرفت وہ سب سے اعلیٰ شے ہے جس کے بغیر شکوک رفع نہیں ہوتے اور آرام نہیں ملتا۔ پس انسان کو واجب ہے کہ وہ اسی کا طالب ہو۔" (ص ۱۱۴)

(۶) سر چشمۂ عرفان۔ مترجمہ منشی جگناتھ پرشاد عارف۔ مطبوعہ نامی پریس، میرٹھ، ۱۹۲۶ء ص ۱۹۲۔

مترجم نے ترجمہ سے پہلے ۳۲ صفحات کا ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں ہندو لٹریچر کی مذہبی اصطلاحات کے معنی بیان کئے ہیں اور تمام ادھیاؤں کے مضامین کا خلاصہ دیا ہے۔

(۷) 'شریمد بھگوت گیتا رہسیہ'، مولفہ لوکمانیہ بال گنگا دھر تلک۔ مترجمہ شانتی نارائن مطبوعہ امرت پریس لاہور۔ تیسرا ایڈیشن ۱۹۲۵ء۔ بڑی تقطیع۔ ص ۷۶۰۔

(۸) 'شریمد بھگوت گیتا'؛ از لوکمانیہ تلک۔ مترجمہ شانتی نارائن۔ امرت پریس لاہور

بڑی تقطیع۔ ص ۱۵۲۔

یہ دونوں کتابیں ایک ہی جلد میں شائع ہوئی ہیں۔"گیتا رہسیہ" میں لوکمانیہ تلک نے گیتا کی تعلیم کی تشریح و توضیح کے علاوہ اس پر عالمانہ بحث بھی کی ہے۔ دوسری کتاب میں شلوکوں کا اردو ترجمہ اور ان کی شرح ہے۔ گیتا رہسیہ کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے:۔

گیتا کا مقصد

"اگر ہمیں گیتا کے اُپدیش کا راز جاننا ہے تو اس کے آغاز اور انجام کو ضرور دھیان میں رکھنا پڑے گا۔ بھگتی سے موکش کیسے ملتی ہے۔ برہم گیان یا پاتنجل یوگ سے۔ موکش کی شدھی کیسے ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ محض ترک افعال یا کرم تیاگ اور سنیاس دھرم سے تعلق رکھنے والے سوالات کی چرچا کرنے کا وہاں کچھ موقع نہیں تھا۔ کیونکہ اس وقت بھگوان سری کرشن کا مقصد نہیں تھا کہ ارجن سنیاس لیکر اور بیراگی بن کر بھیک مانگتا پھرے، یا لنگوٹی باندھ کر یا نیم کے پتے کھا کر تا حیات ہالہ کی گپھاؤں میں یوگ ابھیاس سادھتا رہے۔ بھگوان کی منشا یہ نہ تھی کہ ارجن دھنش بان پھینک دے اور ہاتھ میں بین یا مردنگ لیکر کورکشیتر کی دھرم بھومی میں کھڑے ہوئے بھارت یودھا کشیتریوں کے سامنے بھگوان کا نام زور زور سے رٹتا ہوا بری نلا[1] کی مانند ایک مرتبہ پھر ناچ کرے۔ کیونکہ اب تو روپوشی کا زمانہ ختم ہو گیا تھا اور ارجن کو کورکشیتر میں کھڑے ہو کر اور ہی طرح کا ناچ ناچنا تھا۔ اس لئے بھگوان نے گیتا کہتے کہتے جگہ جگہ پر طرح طرح کے مختلف وجوہات بیان کر کے آخر میں نتیجہ ظاہر کرنے والے پُر زور لفظ "تسمات" (اس لئے)

---

[1] بری نلا "وارٹ دیش میں اپنی جلا وطنی کے زمانے میں ارجن نے اپنے آپ کو ہیجڑا ظاہر کر کے اور اپنا نام بری نلا بتا کر مہاراجہ وارٹ کی لڑکی کو ناچنا سکھایا تھا۔"

کا استعمال کرکے ارجن کو شغل فرائض کا یہ فیصلہ کن اُپدیش کیا کہ اس لئے ہے ارجن تو یُدھ کر (گیتا ۲۔ ۱۸)، اس لئے اے کُنتی کے پُتر تو جنگ کرنے کا یقینی فیصلہ کرکے اُٹھ (گیتا ۲ ۔ ۳۷)، اس لئے تو موہ چھوڑکر اپنا فرض ادا کر (گیتا ۳ ۔ ۱۹)، اس لئے تو کرم ہی کر (گیتا ۴ ۔ ۱۵)، اس لئے تو میرا اسمرن کر اور لڑ (گیتا ۸ ۔ ۷)، کرنے والا سب کچھ میں ہی ہوں۔ تو صرف ایک ذریعہ ہے۔ اس لئے دشمنوں سے جنگ کرکے ان پر فتح پا (گیتا ۱۱۔ ۳۳) شاستروکت فرائض سرانجام دینے تجھے مناسب ہیں (گیتا ۱۶ ۔ ۲۴) نیز اٹھارویں ادھیائے کے خاتمے پر بھگوان نے اپنی تصفیہ کن اور اعلیٰ رائے کو اور بھی ایک مرتبہ اس طرح صاف کیا ہے۔ اس لئے ان سب کرموں کو کرنا ہی چاہیئے (گیتا ۱۸۔ ۶)، اور آخر میں (گیتا ۱۸ ۔ ۷۲) شری بھگوان نے ارجن سے یہ سوال کیا ہے کہ "ہے ارجن تیرا موہ ابھی تک نشٹ ہوا ہے کہ نہیں" اس پر ارجن نے یہ اطمینان دلانے والا جواب دیا ہے کہ "اے غیر متزلزل (کبھی ڈانواڈول نہ ہونے والے) اپنے فرائض کے متعلق میرا موہ اور شک و شبہ سب دور ہوگیا۔ اب میں آپ کی ہدایت کے مطابق سب کام کروں گا۔" ارجن کا یہ جواب محض زبانی ہی نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ کہا دکھایا۔ جنگ کیا اور جنگ میں درحقیقت بھیشم، کرن، جیدرتھ وغیرہ سب کو مار گرایا۔ اس پر بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ بھگوان نے ارجن کو جو اُپدیش دیا ہے وہ محض "ترک فرائض" سے تعلق رکھنے والے گیان، یوگ، یا بھگتی کا ہی ہے، اور یہ ہی گیتا کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ لیکن جنگ کا آغاز ہو جانے کی وجہ سے بیچ بیچ میں تعمیل فرائض کی بھی تھوڑی سی تعریف کرکے بھگوان نے ارجن کو جنگ ختم کرنے کا موقع دیا ہے۔ گویا

اس جنگ کا خاتمہ کوئی حقیقی مقصد نہیں تھا۔ اسے صرف دوسرے درجے کا، یا ارتھ وارد (جملہ معترضہ) سے تعلق رکھنے والا سمجھنا چاہئے۔ لیکن ایسی بودی اور بوسیدہ دلائل سے گیتا کے آغاز اور انجام کے نتائج ٹھیک ٹھیک ثابت نہیں ہو سکتے۔ یہاں (کورکشیتر کے میدان جنگ میں) تو اسی بات کی عظمت دکھانے کی ضرورت تھی کہ اپنے دھرم سے تعلق رکھنے والے اپنے فرائض کو طرح طرح کی مصیبتیں جھیل کر اور صعوبتیں برداشت کر کے بھی ادا کرتے رہنا چاہئے۔ اس منشا کو ثابت کرنے کے لئے سری کرشن چندر جی نے گیتا بھر میں کہیں کوئی ایسی بے سر و پا وجہ نہیں بتائی جیسی بعض لوگوں نے مذکورہ بالا اعتراض میں پیش کی ہے۔ اگر کوئی ایسی بے دلیل اور بودی وجہ بتائی بھی جاتی تو ارجن جیسا عقلمند اور بال کی کھال نکالنے والا انسان اس پر ایمان کیسے لاتا۔ اس کے دل میں سب سے اہم سوال کیا تھا۔ یہ ہی کہ خاندان کی خوفناک تباہی کو آنکھوں کے سامنے صاف دیکھ کر مجھے جنگ کرنا چاہئے یا نہیں۔ اور اگر جنگ کرنا بھی چاہئے تو اس کا ایسا طریقہ کون سا ہو سکتا ہے جس سے مجھے بالکل پاپ نہ لگے۔ اس ٹیڑھے سوال کے (اس اہم ترین) جواب کو کہ "نشکام ہو کر جنگ کر یا کرم کر"، ارتھ وارد کہہ کر کبھی ٹالا نہیں جا سکتا۔ ایسا کرنا گویا گھر کے مالک کو اسی کے گھر میں مہمان بتانا ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ گیتا میں ویدانت، بھگتی اور پاتنجل یوگ کا اپدیش بالکل نہیں دیا گیا، بلکہ ان تینوں مضامین کا گیتا میں جو میل کیا گیا ہے وہ صرف ایسا ہی ہونا چاہئے تھا جس سے متضاد (ایک دوسرے کے مخالف) دھرموں کی خوفناک تشویش میں پڑے ہوئے "یہ کروں یا وہ"، سوچنے والے اور اپنے فرض کے متعلق لیت و لعل میں پھنسے ہوئے ارجن کو کوئی ایسا راستہ

مل جائے جس سے اُسے پاپ بھی نہ لگے اور وہ اپنے اس کرم میں بھی مصروف ہو جائے جو کشتری دھرم کی رو سے اس کے لئے مقرر ہے۔

اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ تکمیل فرائض کا گیان ہی گیتا کا حقیقی مقصد ہے، اور باقی تمام باتیں اس مقصد کے حصول کے لئے کہی گئی ہیں۔ یعنی وہ مضمون کے سلسلے میں آگئی ہیں۔ اس لئے گیتا دھرم کا راز بھی شغل عمل یعنی تکمیل فرائض ہی ہونا چاہیئے۔" (ص ۲۴-۲۵)

(۹) "گیتا امرت" معروف بہ "اکیسر روح" از چودھری روشن لال۔ ایم۔ اے۔ مطبوعہ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، لاہور، ۱۹۳۶ء۔ ص ۲۳۴۔

اس کتاب کا دیباچہ سر گوکل چند نارنگ، سابق وزیر حکومت پنجاب، نے لکھا ہے جس میں فرماتے ہیں کہ:-

"اس کتاب میں چودھری صاحب نے بھگوت گیتا کا عطر نکال کے رکھ دیا ہے اور اس کی حقیقی تعلیم پر نہایت خوش اسلوبی سے روشنی ڈالی ہے نیز شلوکوں کے ساتھ مختلف بزرگوں اور عارفوں اور مختلف زبانوں یعنی ہندی، اردو فارسی، پنجابی اور انگریزی کے باکمال شعرا کا کلام درج کر کے اس چھوٹی سی بزم معرفت کو نہایت آراستہ کر دیا ہے"

دیباچے میں یہ تصریح بھی ہے کہ:-

"یہ کتاب درحقیقت وہ ایڈریس ہے جو چودھری روشن لال ایم۔ اے نے بحیثیت صدر استقبالیہ کمیٹی پنجاب پراونشل گیتا کانفرنس میں جو ماہ فروری ۱۹۳۵ء میں بمقام ملتان منعقد ہوئی تھی پڑھا تھا۔"

مترجم نے سنسکرت شلوک لکھ کر پہلے اسے فارسی رسم الخط میں نقل کیا ہے، پھر اردو ترجمہ اور شرح لکھی ہے۔ شرح میں مختلف زبانوں کے ہم معنی اشعار کے اندراج سے کتاب کے

لطف اور دلچسپی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ مثلاً :۔

(سنسکرت شلوک)

(شلوک فارسی رسم الخط میں)

"ترجمہ۔ جس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں مگر جس کی بدولت آنکھیں دیکھتی ہیں اس کو تو برماتما جان۔ وہ پرماتما نہیں جس کی تو اپاسنا کر رہا ہے۔

کٹھ اُپ نشد کا بھی منتر ہے۔ (منتر سنسکرت۔ پھر وہی منتر فارسی رسم الخط میں)

ترجمہ :۔ پرماتما کا روپ نظر میں نہیں ٹھہرتا اور نہ ہی آنکھ سے اسے کوئی دیکھ سکتا ہے۔ صاحبان، اسی خیال کو فارسی زبان کے زبردست شاعر خواجہ حافظ نے یوں ادا کیا ہے ؎

دیدن روئے ترا دیدۂ جاں می باید　　　　دیں کجا مرتبۂ چشم جہاں بین من است

یعنی اے خدا تیرے چہرے کو دیکھنے کے لئے اندرونی آنکھ یعنی روحانی آنکھ چاہئے میری ظاہری آنکھ میں یہ طاقت کہاں کہ تیرا جلوہ دیکھ سکے۔ اسی موضوع پر مولانا روم فرماتے ہیں ؎

چشم سر را طاقت دیدن نہ بود　　　　چشم دل را لایق دیدار کرد

مطلب:۔ بیرونی یا ظاہری آنکھ کو پرماتما کے جلوے کے دیکھنے کی طاقت نہ تھی، اس لئے دل کی آنکھ یعنی روحانی آنکھ کو دیدار کے قابل بنایا۔ سر اقبال کا شعر ہے ؎

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی　　　　ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

یعنی دل کی آنکھ کھولنے سے ہی پرماتما کا دیدار ہوتا ہے۔ پنجاب کے مشہور عارف بُلھے شاہ صاحب فرماتے ہیں ؎

جیہہ توں دل دیاں چشماں کھولیں　　　　ہو اللہ ہو اللہ بولیں

میں مولا کہہ ماریں چیک　　　　اللہ شہ رگ تھیں نزدیک

یعنی دل کی آنکھ کھولنے سے ہی تمھیں پرماتما کا دیدار نصیب ہو سکتا ہے اور پرماتما تو شاہ رگ

سے بھی نزدیک ہیں

گورو نانک دیوجی فرماتے ہیں ؎

نانک سے اکھیاں بیّن جنھی دسند وما پیری

یعنی وہ آنکھیں اور ہیں جن سے میرا پیارا یعنی پربھو نظر آسکتا ہے۔

کبیر بھگت جی کہتے ہیں کہ پرماتما کے درشن چاہتے ہو تو۔ ع

باہر کے پٹ بند کر، اندر کے پٹ کھول

الغرض وویہ نیتر (چشم بینا) عطا کرنے کے بعد بھگوان نے ارجن کو اپنا وارٹ روپ دکھایا جس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے........" (ص ۹۷-۹۸)

(۱۰) گیان پرکاش۔ معروف بہ "نور ہدایت" مولفہ چودھری روشن لال ایم۔اے۔ مطبوعہ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، لاہور ۱۹۴۳ء ص ۲۶۳

(۱۱) گیتا گیان۔ معروف بہ "روح معرفت" مولفہ چودھری روشن لال ایم۔اے۔ مطبوعہ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور ۱۹۴۳ء ص ۲۵۹

ان دونوں کتابوں میں بھی گیتا کی تعلیم کے مختلف حصوں پر مولف نے روشنی ڈالی ہے اور شرح کا تقریباً وہی انداز قائم رکھا ہے جس کا نمونہ ان کی پہلی کتاب "گیتا امرت" کے ذکر میں اوپر پیش کیا گیا ہے۔ "گیتا گیان" کے دیباچے میں بہاری لال جگیاسو، ایڈیٹر "دلیش بھگت" ملتان، لکھتے ہیں:۔

"چودھری روشن لال صاحب ایم۔اے۔ پی۔سی۔ایس۔ کے "دلیش بھگت" اخبار کے اندر شائع شدہ مضامین کا ایک حصہ پہلے "گیتا پرکاش" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اب دوسرا حصہ گیتا گیان کے نام سے شائع کیا جارہا ہے .... چودھری صاحب کی مصنفانہ حیثیت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اردو اور فارسی کے زبردست عالم ہونے کے باوجود اپنے خیالات کو

نہایت آسان زبان میں قلم بند کرتے ہیں تاکہ عوام بخوبی سمجھ جائیں، کیونکہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں عوام کے لئے ہی لکھتے ہیں ...."

(۱۲) "بھگوت گیتا" کے ایک اور اردو ترجمے کا ذکر گارساں دتاسی نے اپنے پندرہویں خطبے مورخہ ۴ دسمبر ۱۸۶۵ء میں کیا ہے۔ یہ اٹاوہ سے شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ دتاسی نے اس کا کوئی اقتباس نہیں دیا ہے۔ (خطبات گارساں دتاسی۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء ص ۴۷۹)

(۱۳) "بھگوت گیتا" کے منظوم ترجموں میں سے جو ہندوؤں کے قلم سے ہیں صرف تین مجھے مل سکے۔ ان میں سے ایک مخزن اسرار کے نام سے پنڈت دینا ناتھ مدن کا ہے اور موصوف کے والد پنڈت جانکی ناتھ مدن کے ترجمہ گیتا موسوم بہ "فلسفہ الوہیت" کے پانچویں ایڈیشن کے ساتھ ۱۹۲۱ء میں رام نراین پریس متھرا میں چھپا تھا۔ طباعت کا اسلوب یہ ہے کہ پنڈت جانکی ناتھ کے ہر شلوک کے ترجمہ نثر کے نیچے پنڈت دینا ناتھ کا منظوم ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ ذیل کا اقتباس فلسفہ الوہیت کے چھٹے ایڈیشن، ۱۹۳۰ء سے ماخوذ ہے:۔

"ساتواں ادھیا۔ گیان وگیان یوگ"

جس نے مجھ سے دل لگایا اسے طالب کو سدا ۔۔۔ شغل میں جیسا نظر آتا ہے جلوہ ذات کا
اس کو بالتشریح سن اے رحمٰن، یہ ہی علم صفات ۔۔۔ اس کے محرم کو میسر ہے علائق سے نجات
اس میں ہی دشوار کوشش، شاذ و نادر ہی کمال ۔۔۔ مجھ کو ویسا جاننا جیسا کہ میں ہوں، ہی محال
خاک و آب و آتش و باد و خلا، ادنیٰ صفات ۔۔۔ جذبۂ دل، عقل اور پندار ہیں اعلیٰ صفات

.... (ص ۴۷-۱۴۶)

(۱۴) شریمد بھگوت گیتا، معروف بہ "غذائے روح"، مترجمہ پنڈت پربھو دیال مصر عاشق لکھنوی۔ مطبوعہ نول کشور پریس، لکھنو ۱۹۲۶ء ص ۱۱۵۔ ترجمے کا نمونہ یہ ہے:۔

" ارجن کا سوال :- کرم یوگی عارف کون ہے ؟

کرم یوگی کون ہے تبلائیے اے خوش خصال — اُس کا اٹھنا بیٹھنا کیسا ہے، کیسی بول چال

سری کرشن کا جواب -

خواہشیں دل سے ہٹا کر جو ہوا خود آشنا — عارف کامل جہاں میں اس کو کہنا ہے روا
جو دُکھی دُکھ سے نہ ہو، سُکھ سے نہ ہو جسکو خوشی — جس نے چھوڑا خوف و غصہ، چاہ، عارف ہے وہی
جسکو ساری باتیں، اچھی یا بُری، ہیں ایک سی — جو برائی یا بھلائی سے نہ ہو نالاں نہ شاد
جسکو حاصل ہوگئی اس دہر میں اتنی سمجھ — چاہئے کہنا اُسے یکسوئی سے ہے بامراد

.... (ص ۴۷)

(۱۵) بھگوت گیتا منظوم - موسوم بہ "نسیم عرفان" از منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی مطبوعہ کورونیشن پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۳۶ء ص ۱۹۶-

اس ترجمے کے تعارف میں "نسیم عرفان پر ایک نظر" کے عنوان سے پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی لکھتے ہیں :-

" گیتا کے بے شمار ترجمے اردو کی نثر اور نظم میں ہو چکے ہیں اور بہت سے اچھے اور مقبول ہو چکے ہیں۔

پر بحر سخن سدا ہے باقی — دریا نہیں کار بند ساقی

میں نے پیش نظر منظوم ترجمے کو جستہ جستہ دیکھا۔ نفس معنی میں اصل مطلب سے مطابق اور خوبی بیان میں حسن ادا کی جان پایا۔ ان اوصاف اور اصل موضوع کی دقیع اہمیت کے باوجود نسیم عرفان باغ فصاحت کے دلدادوں کے لئے شمیم جاں پرور بھی ہے، بیان کی سلاست، بندش کی چستی، اسلوب کی تازگی و دلاویزی اور مشکل پسندی سے اجتناب میں یہ کتاب ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے ...... "

ان خوبیوں کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے ہو سکے گا:۔

"ساتواں ادھیائے۔ علم معرفت یعنی گیان وگیان کی تعلیم"

بھگوان ہیں محو خوش بیانی (۱) فرماتے ہیں آپ گل فشانی

اے پارتھ دل اپنا مجھ کو دے کر زیر دامن پناہ لیکر
شغل پیہم سے جوگ کے پاک تم جیسے کروگے مجھ کو ادراک
اب حال سنو بغور اس کا کیا ڈھنگ ہے، کیا ہے طور اسکا

(۲)

وہ راز نہاں عیاں کروں گا تفصیل اس کی بیاں کروں گا
علم مطلق ہے علم جس کا امر بر حق ہے علم جس کا
واقف اس سے بشر جو ہو جائے ایک بار اس پر نظر جو ہو جائے
پھر کوئی نہیں ہے امر ایسا رہ جائے جو آگہی سے تشنا

(۳)

ہونے کو تو لاتعد بشر ہیں ایسے انسان کم مگر ہیں
ہے کسب کمال کام جن کا ہے شغل یہی مدام جن کا
دھن کے پکے جو مرد شاغل کر لیتے ہیں منزلت یہ حاصل
ان میں بھی ہیں ایسے چند انساں جن کو مرا واقعی ہے عرفاں

(۴)

مٹی اور اس کے بعد پانی پھر آگ کا پردۂ نہانی
عالم بعد اس کے ہے ہوا کا پھر کرۂ محیط ہے خلا کا
پھر ہیں دل و عقل سلسلہ وار ان کے آگے ہے ستر پندار
ہیں یہ آٹھوں صفات میری محجوب ہے ان سے ذات میری

(۵)

ارجن جو کروگے ان پہ تم غور　　ادنیٰ انھیں پاؤگے بہر طور
پر میری صفت اک اور بھی ہے　　حاصل جسے خاص برتری ہے
بالاتر ہے مقام جس کا　　مشہور ہے روح نام جس کا
جو وجہ قیام دو جہاں ہے　　جو اصل نظام دو جہاں ہے

(۶)

یہ امر ہے جاننے کے قابل　　یہ بات ہے ماننے کے قابل
ہوتی ہیں جب صفات یکجا　　پڑتی ہے بنائے نظم دنیا
ہیں یہ ہر وقت بر سر کار　　ہستی ہے تمام انھیں سے بیدار
امکان مجھی سے ہے بقا کا　　میں ہی مختار ہوں فنا کا

(۷)

یہ امر ہے طے شدہ دھننجے　　مجھ سے بڑھ کر نہیں کوئی شے
کچھ بھی میرے سوا نہیں ہے　　میں ایک ہوں، دوسرا نہیں ہے
جس طرح سے ہار میں گندھے ہوں　　موتی اک تار میں گندھے ہوں
اسباب جہاں ہیں نظم مجھ میں　　یہ کون و مکاں ہیں نظم مجھ میں

(۸)

خورشید میں نور، ماہ میں تاب　　ہوں اے ارجن میں لذت آب
ہوں زبدۂ روزگار میں ہی　　ویدوں میں ہوں اذکار[ع] میں ہی
میں ہی آواز ہوں خلا میں　　میرا ہی ظہور ہے خلا میں
مردوں میں ہوں مردمی کا جوہر　　تابندہ مجھی سے ہے یہ گوہر

ع اذکار۔ یعنی اسم اعظم

ہوں نافِ زمیں کی مشک بیزی (۹) جلتی ہوئی آگ میں ہوں تیزی
جاندار جہاں میں ہیں یہ جتنے ہر ان میں بقا کی شان مجھ سے
ہوں جوہر کائنات میں ہی ہوں مادۂ حیات میں ہی
جو ہیں مرتاض باسعادت میں ان میں ہوں صورت ریاضت"

(ص ۷۸ - ۸۰)

(۱۶) فلسفۂ گیتا۔ از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۱ء ص ۲۴۳
یہ کتاب بھگوت گیتا کا ترجمہ نہیں، بلکہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے گیتا کے فلسفے کی شرح ہے۔ شروع میں جناب مہر نے "گیتا کی بیرونی کتھا"، کے عنوان سے مہابھارت کی سرگزشت چند صفحوں میں بیان کی ہے۔ اس بیان کے آخر میں گیتا سے متعلق ایک غلط فہمی دور کرنے کی غرض سے لکھتے ہیں:۔

"جو لوگ اپنے ذہن میں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ گیتا، مہابھارت کا حصہ نہیں، بلکہ بعد میں اس کتاب میں داخل کی گئی ہے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ گیتا، مہابھارت ہی کا حصہ ہے، اور کسی کتاب کا نہیں ہے۔ ناظرین کو یہ خیال رہے کہ موجودہ صورت میں گیتا، شری ویاس جی کی بنائی ہوئی کتاب ہے۔ بھگوان نے ارجن کو میدانِ جنگ میں یہ سات سو شلوک اور ان کے سات سات سو صفحات کی مجلد شرحیں نہیں سنائی تھیں۔ اُپدیش زبانی تھا، اور چونکہ اپدیشٹا خود مہا یوگیشور ہری ہیں اور ارجن جیسے ادھکاری کو اُپدیش دیا گیا ہے، گھڑی آدھ گھڑی کا وقت کیا کافی سے بھی زیادہ ثابت ہوئی ہوگی۔ اس اپدیش کو بعد میں وید ویاس جی نے سات سو شلوکوں میں منظوم کیا ہے، اور ان سات سو شلوکوں پر سینکڑوں آدمیوں نے بعد میں شرحیں لکھی ہیں جو ضخیم مجلدات ہیں۔ یہاں یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ ویاس جی اپنے سات سو شلوکوں کی پرداز اس طرح اٹھاتے ہیں کہ سنجے تمام مہابھارت

کے واقعات دیکھتا جاتا ہے۔ اور راجہ دھرتراشٹ کو گھر بیٹھے سناتا جاتا ہے۔ سنجے
راجہ کا رتھ بان تھا اور اُسے اپنے مالک کے ساتھ نہایت الفت تھی چونکہ راجہ
اندھا تھا۔ اس واسطے لڑائی میں شریک نہیں ہو سکا۔ بھگوان ویاس نے سنجے
کو چشم بصیرت عطا کردی تھی۔ وہ گھر بیٹھے تمام واقعات جنگ دیکھتا اور راجہ
کو سناتا جاتا تھا" (ص ۲۸، ۲۹)

اس کے بعد گیتا کا فلسفہ نہایت خوبی اور شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ ذیل کا ٹکڑا جس
کا عنوان ہے "گیتا کی اندرونی کتھا" اس کتاب کی معنوی تعلیمات پر بہت واضح روشنی ڈالتا ہے:

"میرے دوستو، یوں تو کورکشیتر کا میدان جہاں مہابھارت کا رن پڑا ہے ضلع
کرنال میں بتایا جاتا ہے اور پنجاب کے ہر ایک نقشے میں دکھایا جاتا ہے، لیکن حقیقت
یہ ہے کہ کورکشیتر ہر ایک گیان کے ادھکاری یعنی طالب صادق کا جسم خاکی ہے
اور مہابھارت کی لڑائی آئے دن گھٹ گھٹ میں ہوا کرتی ہے۔ ارجن۔ ادھکاری
جیو ہے۔ سری کرشن گیانی مکت پرش ہیں، جو بیرونی سروپ سے گرو روپ ہیں
اور اندرونی سروپ سے گھٹ گھٹ نواسی آتما روپ ہیں۔ یہی مہاراج ہر
ایک ادھکاری کو اپنے نفس سرکش کے ساتھ دھرم یدھ میں فتح پانے کا طریق بتاتے
ہیں۔ اور مبارک ہیں وہ پوتر آتمائیں جو اُن کے اُپدیش پر کاربند ہو کر موکش
روپ فتح حاصل کرتی ہیں۔

ارجن جیو کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھگوان کرشن اور ارجن کو نر نارائن کا
اوتار بتایا جاتا ہے۔ جیو اپنا راج کھو بیٹھتا ہے۔ اور وہ راج اپنے سچدانند سروپ
میں ستھتی ہے۔ اسی کو موکش کہتے ہیں، جہاں آنند ہی آنند ہے، دکھ کا نام
نہیں۔ یہ راج دھوکے سے اندھے اگیان کے بیٹے نے چھین لیا ہے، جو دنیا
کے دھوکوں میں پھنسانے والا تامسی اہنکار یا نفس امارہ ہے۔ اس کا نام

دُریودھن یعنی سخت جنگجو ہے، جس پر بڑی مشکل سے غلبہ حاصل کیا جاتا ہے اس کی پُشتی پر معاونین کی لاتعداد فوج ہے۔ یہ من کی تمام ایسی برتیاں یا کیفیات نفسانی ہیں جو آدمی کو آتما سے بمکھ کرنے والی ہیں۔ ان سب کا جیتنا بڑا کٹھن کام ہے۔

جیو کے معاونین کی بھی تعداد بڑی ہے۔ یہ ایسی برتیاں ہیں جو آدمی کو اخلاق، دھرم، اور آتما کی طرف متوجہ کرنے والی ہیں۔ ان میں سے چار اس کے بھائی یعنی بڑی معاون و مددگار برتیاں ہیں۔ یہ چار انتہ کرن یعنی ساتوک من، چت، بُدھی اور اہنکار ہیں۔ ان کے ذریعے سے اندھے اگیان کی فوج سے دھرم کی لڑائی شروع ہوتی ہے۔ جس میں جیو اگیان پر غلبہ پا کر موکش روپ سوراجیہ کا سکھ حاصل کیا جاتا ہے۔

سری کرشن بھگوان گورو روپ پرہم آتما ہیں۔ جو پرم دیا اور کرپالتا سے۔ ادھکاری کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ان کا کام صرف رہنمائی یا ادھکاری کو خطروں سے آگاہ کر دینا ہے۔ اسی واسطے رتھ بان ہو کر بیٹھتے ہیں۔ لڑتے اور ہتھیار نہیں اٹھاتے۔ تمام جدوجہد خود ادھکاری کو کرنی پڑتی ہے۔ یہ روحانیت کا سرخفی ہے۔ گورُو راستہ دکھاتا ہے۔ اس پر ہمت و دلیری کے ساتھ گامزن ہونا اور منزل مقصود پر پہونچنا ادھکاری کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ تمام مراحل خود ادھکاری کو طے کرنے پڑتے ہیں۔ گورو اس کو چڈھی پر چڑھا کر یا آغوش محبت میں لیکر خود طے نہیں کر دیتا۔

گورو اول اول بیرونی صورت میں ملتا ہے اور اُپدیش کرتا ہے جوں جوں آدمی گیان کے مدارج پر چڑھتا جاتا ہے گورو کی صورت اُڈیل یا آدرش کی ہوتی جاتی ہے۔ یعنی وہ بیہ دینیات کے دائرے سے نکل کر

اندرونیات میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ یہ اندرونی گورو گھٹ گھٹ میں موجود ہے، اور آدمی کا ادھکاری ہونا شرط ہے کہ فوراً ساکشات درشن دیتا ہے اور دھرم کی لڑائی میں رتھ بان بن کر ادھکاری کو فتح وظفر پانے کا طریق بتاتا ہے جس پر کاربند ہو کر وہ لڑائی جیتتا ہے اور موکش روپ راج کا مالک بنتا ہے۔

اس بحث کا ماحصل یہ ہے اور کچھ نہیں کہ انسان علائق دنیوی میں پھنسا رہ کر اپنے آنند سروپ کو بھول جاتا ہے۔ یہ اگیان کے ہاتھ سے اس کے راج کا چھینا جانا ہے۔ ہر شخص کی زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ پیش آتا ہے کہ اسے دنیا سے بیزاری اور دوامی سکھ کی تلاش ہوتی ہے۔ بعض طبائع میں تو یہ خیال اُٹھ کر رہ جاتا ہے، اور بعض میں جو سچے ادھکاری ہیں حقیقت میں جدوجہد کے ساتھ تلاش شروع ہوتی ہے ابتدا میں آدمی یا کتاب سے مدد لی جاتی ہے۔ یہ بیرونی گورو ہے جو راستہ دکھانے میں کسی قدر بے شک مددگار ثابت ہوتا ہے۔ طالب کی طلب صادق جس قدر بڑھتی جاتی ہے۔ اسی قدر اندر سے خود بخود پردے اٹھتے اور روشنی کے جلوے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ اندرونی گورو کی رہنمائی کا نتیجہ ہیں، اور اسی کو آتما روپ گورو کہا جاتا ہے یہی کرشن بھگوان ہیں چنانچہ گیتا میں خود کہتے ہیں ؎

میں ہی ہوں آتما جہاں میں سب کا　　جو سب کے قلب میں ہی مخفی رہتا

آخر ادھکاری کی سمجھ میں وہ آدرش یا معراج کمال آجاتی ہے جس پر اُسے چڑھنا ہے۔ مبارک ہیں وہ پوتر آتمائیں جو اپنے آتم روپ کو سمجھ کر اس کو پراپت ہوتی ہیں۔ یہی دھرم یدھ میں موکش روپ کا فتح پانا ہے" (ص ۳۱-۳۳)

مہابھارت

مہابھارت کے صرف تین اردو ترجمے مجھے مل سکے جو حسب ذیل ہیں:۔
(۱) مخزن مہابھارت :۔ مع ترجمہ اردو۔ از بابو جوالا پرشاد بھارگو مطبع ست پرکاش آگرہ۔ یہ ترجمہ متن کے ساتھ چار ضخیم جلدوں میں چھپا ہے جلد اول کے صفحات کی مجموعی تعداد (۱۱۴۸) ہے۔ ہر پرب کے صفحوں کے نمبر الگ الگ ہیں۔ ترجمے کا نمونہ یہ ہے۔

"مہابھارت۔ آدپرب۔ ادھیا دوم"
"شیونک رشی بولے کہ اے سوت کے بیٹے، تم نے جو سمنت پنچک نام تیرتھ کو کہا اس کے حال مفصل کو کماحقہ سننا چاہتے ہیں۔ سوت جی بولے کہ اے برا ہمنوں تم سمنت پنچک نام تیرتھ کی سندر کتھا بھی مجھ متکلم سے سنو۔ تریتا اور دواپر جگ کے ملاپ یعنی اخیر تریتا اور دواپر شروع ہونے کے وقت سلحداروں میں افضل پرشرام جی نے غصے سے متحرک ہو کر متواتر چھتر ذات کو فنا کیا۔ پرشرام اگن کے برابر روشنی رکھنے والے نے تمام خاندان چھتری کے فنا کر کے سمنت پنچک نام زمین پر بڑے بڑے پانچ کنڈ خون سے بھر لئے۔ پھر غصے سے مورچھا واں پرشرام جی نے ان خون کے کنڈوں میں خون صورت جل سے اپنی پتشروں کا ترپن کیا۔ . . . . ." (جلد اول ص ۹۴)

(۲) سری رام کرت مہابھارت۔ مترجمہ منشی سری رام کالستھ ماتھر دہلوی۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۹۵ء میں مطبع ودیا درپن، میرٹھ میں چھپا تھا۔ دوسرا مطبع نول کشور، لکھنو میں ۱۹۱۴ء اور ۱۹۱۷ء میں چار جلدوں میں چھپا پہلی اور چوتھی جلد جو (۵۰۷) اور (۵۰۴) پر مشتمل ہیں ۱۹۱۴ء میں طبع ہوئیں، اور دوسری اور تیسری جن کی ضخامت (۳۱۱) اور (۳۴۴) صفحات ہے ۱۹۱۷ء میں۔ عبارت میں بھاشا اور سنسکرت کے الفاظ کا غلبہ ہے، گو رسم الخط فارسی ہے۔

(۳) مہابھارت منظوم :۔ از منشی طوطارام شایاں۔ مطبع نول کشور، کانپور۔ طبع پنجم ۱۸۹۳ء
ص ۱۰۳۔

یہ مثنوی دس ہزار بیتوں پر مشتمل ہے۔ اور فارسی ترجمہ مہابھارت کا خلاصہ ہے :۔
مہابھارت کا ترجمہ فارسی میں فیضی نے کیا تھا۔ مگر وہ نثر میں تھا۔ اردو میں یہ پہلا منظوم ترجمہ ہے۔ اپنی شاعرانہ خوبیوں نیز اختصار کی وجہ سے یہ بہت مقبول ہوا۔ ذیل کا اقتباس اس کے پانچویں ایڈیشن سے لیا گیا ہے جو ۱۸۹۳ء میں چھپا تھا۔ زبان کی فصاحت اور نظم کی روانی قابل داد ہے۔ مترجم نے کتاب کو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے شروع کیا ہے، اور پہلے حمد لکھی ہے۔ جس کے چند اشعار یہ ہیں :۔

زبان قلم گل فشانی پہ ہے ۔۔۔ بہار مضامیں جوانی پہ ہے
دکھائے ورق تختۂ گل کا رنگ ۔۔۔ صریر قلم بانگ بلبل کا رنگ
مہک اٹھے نافے کی صورت دوات ۔۔۔ نہ ہو جس سے سرسبز غنچے کی بات
ہمائے سخن کے کھلیں بال و پر ۔۔۔ لکھوں وصف فرماندہ بحر و بر
نگارندۂ نقش لوح و قلم ۔۔۔ خداوند ملک حدوث و قدم
علیم و خبیر و سمیع و بصیر ۔۔۔ کریم و غفور و رحیم و قدیر
وہ رتبہ دیا قطرۂ آب کو ۔۔۔ خجالت سے ہے داغ مہتاب کو
دکھائی خدا نے وہ قدرت کی شان ۔۔۔ کہ مٹی کے پتلے کو بخشی ہے جان

- ص (۲)

میدان جنگ کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں ؎

رواں اب ہوا ہے نشان قلم ۔۔۔ صفوں میں ہے سطروں کی شان علم
دکھائے ورق اب چمن کی بہار ۔۔۔ گلستان سعدی ہو اس پر نثار
صف آرائی نقطوں کی منظور ہے ۔۔۔ کہ میدان فوجوں سے معمور ہے

ہوا دونوں فوجوں کا یکجا ہجوم — پڑی تھی لڑائی کی میدان میں دھوم
ہوئی اس قدر جمع جنگی سپاہ — خجالت سے پانی تھا ابرِ سیاہ
ہوا اس فلک میں تخلل پڑا — نشاں نافِ گاؤ زمیں پر گرا
سواروں کی کثرت ہو کس سے بیاں — چھپی گرد سے صورت آسمان
زمیں کثرت نقشِ سم سے فلک — نہ کس طرح ہو چرخ کا اس پہ شک

(ص ۱۷۲)

راماین

(۱) راماین کا غالباً پہلا اردو ترجمہ ۱۸۶۶ء میں شائع ہوا۔ اس کا ذکر دتاسی نے اپنے سولہویں خطبے۔ مورخہ ۳ دسمبر ۱۸۶۶ء میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

"لکھنؤ سے راماین کا اردو ترجمہ شائع ہوا ہے۔ اس میں کئی سو تصاویر ہیں" عہ یہ ترجمہ میری نظر سے نہیں گزرا، اور نہ دتاسی نے یہ بتایا ہے کہ نثر میں ہے یا نظم میں۔ قیاس ہے کہ نثر میں ہوگا۔

(۲) راماین بالمیکی " اردو بھاشا۔ ساتوں کانڈ" مترجمہ پرمیشر دیال۔ مطبع نول کشور لکھنؤ بار دوم ۱۹۱۵ء۔ ترجمہ نثر میں ہے۔ زبان میں ہندی کے ثقیل الفاظ بہ کثرت ہیں۔ اگرچہ رسم الخط فارسی ہے۔

(۳) مکمل راماین بالمیکی۔ مترجمہ دوارکا پرشاد افق لکھنوی۔ مطبوعہ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، لاہور ۱۹۳۱ء۔ ص ۱۰۳۴۔

ترجمے کی زبان سلیس اور بامحاورہ ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مترجم کو محاوروں کے استعمال کا خاص شوق ہے اور اس سلسلے میں وہ موقع و محل کی موزونیت کو کبھی کبھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:۔

"سری جانکی جی کو جس قدر رام چندر جی کا ادب ملحوظ تھا۔ اس کی نظیر ملنا ناممکن۔ اُن کا جوشِ محبت بھی وہ تھا جو دنیاوی عورات کے لئے ایک سبق ہے۔ مگر نہیں، جس وقت سری رام چندر جی ان کی باتوں کو خاموشی سے ٹالتے گئے تو انھیں

عہ خطبات گارساں دتاسی۔ ص ۵۳۱

ایک غیر معمولی جوش پیدا ہوا اور چہرے پر بال ڈال کر بولیں کہ بس آپ کی محبت دیکھ لی۔ آج معلوم ہوا کہ ظاہری جوش الفت خالی لفافہ ہی لفافہ تھا۔ ہائے میں تو لوک لاج میں مری جاتی ہوں۔ جس وقت جنک پور میں خبر پہنچی میرے پتا جی کیا کہیں گے۔ ساری دنیا میں بدنامی پھیل جائے گی۔ کہ واہ سری رام چندر جی اپنی استری کا بھی نباہ نہ کر سکے۔ کل جہان میں شور ہوگا کہ واہ ڈھول کے اندر پول۔ بہادری دکھاوے ہی کی تھی۔ نتیجہ پرتاب نمائشی ہی تھا۔ اونچی دکان پھیکا پکوان اسی کو کہتے ہیں۔ بھلا فرمائیے تو مجھے ساتھ لے چلنے میں آپ کو کون ہوّا کاٹ کھائے گا......" (ص ۳۴۶)

(۴) رامائن منظوم۔ از منشی شنکر دیال فرحت۔ مطبع نول کشور، کانپور، ۱۸۸۶ء ص ۸

رامائن کے منظوم ترجموں میں سب سے قدیم جو مجھے دستیاب ہوا وہ یہی ترجمہ ہے۔ لیکن یہ پوری کتاب کا ترجمہ نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ اس کے صفحات کی تعداد صرف (۱۵۸)۔ اور رامائن ایک ضخیم کتاب ہے۔ بظاہر مترجم نے محض تلخیص کر دی ہے۔ نظم کی شاعرانہ خوبیاں خاص طور پر قابل تحسین ہیں۔ ایک مقام کا اقتباس حسب ذیل ہے:-

یہاں پیچیدہ گیسوئے سخن ہے — جبین صفحہ پر ثابت شکن ہے
ورق ہے صورت مسطر کشیدہ — دوات آسا قلم ہے آبدیدہ
بیان رخصت و عزم سفر پر — حروف تازہ خاک افشاں ہیں سر پر
جناب جانکی نے جب سنا حال — تو جوش گریہ سے آنکھیں ہوئیں لال
ہوئی آسائش خاطر فراموش — اڑا اوج ہوا پر طائر ہوش
نہ تھا ضبط شکیبائی کا یارا — ہوئی شوہر کی فرقت ناگوارا
حیا نے آ کے گو دامن لیا تھام — مگر جوش محبت نے کیا کام
خیال آیا کہ ہمراہی میں رہیے — صبا بن کر ہوا خواہی میں رہیے

پئے پابوسی خوش دامن خاص | ہوئیں حاضر براہ لطف واخلاص
کہا مجھ کو بھی ارشاد سفر ہو | کہ تسکین دل وجان وجگر ہو
سنی جس دم یہ خوش دامن نے گفتار | کئے دامن کے پرزے جیب کے تار

- (ص ۱۴۱، ۱۴۲)

(۵) راماین بہار:۔ از بانکے بہاری لال بہار۔ مطبع نول کشور، لکھنو، ۱۸۹۶ء۔ ص ۱۰۹۔

یہ راماین کا ترجمہ نہیں بلکہ اردو نظم میں اس کا خلاصہ ہے۔ جیسا کہ مترجم نے شروع ہی میں لکھا ہے۔

تے تلسی کرت تلسی داس جی کی | لکھا مطلب عبارت میں کمی کی
لکھوں توصیف شاہ ہفت اقلیم | وہ دسرت صاحب اورنگ و دیہیم
اودھ کے راج میں نامی تھا راجہ | شہنشہ تھا سلاطین جہاں کا
پترت برتا تھیں اس کی تین رانی | محبت میں وہ تھیں یکتا کھانی
کوشلا نام با تو اولیں تھی | دوم میں کیکئی الفت گزیں تھی
سومترا نام سویم مہ جبیں تھی | وفا کیش وانیس ونازنیں تھی
اجودھیا جائے تیرتھ ہنود ہے | سلف سے راج دسرت کا مکاں ہے (ص ۷)

(۶) راماین مہر:۔ مترجمہ منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ مطبوعہ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۴ء۔ ص ۳۵۴۔

"تمہیدی مضمون" میں جناب مہر نے راماین کے متعلق ضروری اور مفید معلومات یکجا کر دی ہیں۔ اس مضمون کے بعض حصے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

"سنسکرت علم وادب میں دو کتابیں آج نہیں بلکہ صدیوں سے ہر دلعزیز ہیں۔ ان میں سے ایک مہابھارت ہے اور دوسری راماین۔ انھیں کتابیں نہ سمجھو بلکہ بیش بہا علمی خزانے ہیں جن میں روایات کا ذخیرہ ہے۔ تاریخی واقعات کا

دفینہ ہے، شاعری کا دلکش مذاق ہے، اخلاق اور طریق معاشرت سے بحث ہے، دھرم ہے، گیان، بھگتی، یوگ اور کرم ہے۔ غرض دنیا و عقبیٰ دونوں کی بہتری کے سامان موجود ہیں۔ اور پھر یہ سب باتیں اس دلکش پیرائے میں دی گئی ہیں کہ طبیعت بے اختیار ان کی طرف کھنچتی ہے ......

سب سے قدیم رامائن والمیکی مہاراج کی مشہور ہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے اور اس میں رام چندر جی کی کتھا دی ہوئی ہے۔ والمیکی رشی شری رام چندر جی کو وشنو بھگوان کا اوتار اور مریادا پرشوتم بتاتے ہیں، یعنی ایسا اوتار جس نے دنیا میں اصول اخلاق و معاشرت و تمدن وغیرہ وغیرہ قائم کئے ہیں، نمونہ بن کر لوگوں کو نیکی کا راستہ بتایا ہے اور اس پر چلایا ہے۔ اسی لحاظ سے انھوں نے رام چندر جی کی ایشورتا پر زیادہ زور نہیں دیا ہے بلکہ انھیں انسان کامل کی حیثیت میں دکھایا ہے کہ انصاف اور اخلاق مجسم ہیں، جس سے جس قسم کا برتاؤ ہے وہ ایسا ہے کہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ ان کے گرد و پیش جو مرد اور عورتیں ہیں وہ بھی نمونے کی شخصیتیں ہیں جن سے بہتر نہیں ہو سکتیں۔

اس نادر الوجود کتاب میں خاوند اور بیوی کی محبت، ماں باپ کی اولاد اور اولاد کی ماں باپ سے محبت، بھائی بھائی کی محبت، آقا کی نوکر اور نوکر کی آقا سے محبت، یار کی یار سے محبت، گورو اور چیلے کا رشتہ، بادشاہ اور رعایا کا رشتہ، ارباب تمدن کا باہمی رشتہ، اخلاقی اصول پر کاربندی، سیتہ کا پالن غرض وہ سب نیکیاں جو نیک زندگی بسر کرنے کی روح رواں ہیں، جیتہ جیتہ پائی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی زندگی کو اس کرۂ ارضی کے تعلقات پر ہی ختم نہیں کر دیا ہے۔ بلکہ بیچ بیچ میں کرم یوگ، بھگتی، گیان کے متعلق سوالات اٹھائے ہیں اور بتایا ہے کہ انسان صرف جسم خاکی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس سے بہت

کچھ اعلیٰ شخصیت ہے جس کی ترقی کی انتہا نہیں ہے۔ یہ خصوصیت صرف رامائن ہی میں نہیں پائی جاتی۔ بلکہ سنسکرت کی اور اعلیٰ نظم کی کتابوں میں بھی ہے...

مہاراج تلسی داس جی کی یوں تو کئی رامائنیں ہیں۔ مثلاً گیتاولی، کبتاولی، بردا، چھپے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن وہ بھاشا میں جو رامائن لکھی ہے اور جس کا اصلی نام رام چرت مانس ہے وہ جیسی مقبول عام ہوئی ویسی مشکل ہی سے کوئی کتاب ہو سکتی ہے .... اس کی سیکڑوں ایڈیشنیں چھپ چکی ہیں اور بیسیوں ٹیکے یا شرحیں ہیں، مگر مانگ ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آتی۔ ساڑھے تین سو برس یا زیادہ سے یہ متبرک کتاب ہندوستان میں مروج ہے اور اس کا رواج دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتا رہا ہے۔

میرے ذوق دلی اور قلمی محنت کا نتیجہ یہ کتاب ہے اسے تلسی کرت رامائن کا ترجمہ نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ میں نے والمیکی رامائن، ادھیاتم رامائن اور یوگ واشسٹ سے بھی مضامین لیے ہیں۔ ترتیب مضامین انہی کی ہے ہاں جہاں جہاں تلسی داس جی کے مضامین خاص خوبیوں کے ساتھ ہیں ان کا بعض جگہ ترجمہ دے دیا ہے اور بعض جگہ نفس مطلب۔"

مہر کی نظم میں زبان و بیان کی وہ خوبیاں نہیں ملتیں جن کا نمونہ فرحت کے منظوم ترجمے میں اوپر گزر چکا ہے۔ مثلاً "بن باس کی تیاری" کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

کہہ کے یہ کوشلیا رونے لگیں	رام کو چھاتی سے لپٹا کر دیں
جانکی آئیں اسی اثنا میں واں	اور یہ دیکھا انھوں نے بھی سماں
بیٹھیں چپکی اپنی گردن کو جھکا	سن چکی تھیں حال، دل میں ڈر تھا
رام جی جس وقت جنگل کو چلیں	دیکھیے ہمراہ مجھ کو لیں نہ لیں
ساتھ جاتے دونوں ہیں تن اور جان	یا فقط ہمراہ جاتے ہیں پران

دل میں کب اب وہ غم رہنے لگا ۔ بن کے آنسو آنکھ سے بہنے لگا

(ص ۱۲) ....

(۷) رامائن خوشتر :- از منشی جگناتھ خوشتر۔ مطبع نولکشور، لکھنؤ، سولہواں ایڈیشن سنہ ۱۹۲۴ء ص ۲۵۶۔

"اجودھیا کانڈ۔ بن باس ہونا راجہ رام چندر کا"

....

پدر کے سامنے آئے شتاباں ۔ زبس حال پدر دیکھا پریشاں

زمیں پر مضطرب ہے شکل ماہی ۔ کہیں کلغی، کہیں ہے تاج شاہی

زمیں پر اس طرح تھا شاہ کا حال ۔ ہُما علطاں ہے گویا بے پر و بال

کہا تب رام نے با اشکباری ۔ کہ ہے کس واسطے یہ سوگواری

جو ہو تقصیر میری وہ عطا ہو ۔ بجا لاؤں جو صاحب کی رضا ہو

نہیں درکار مجھ کو افسر و تخت ۔ رضائے والدین ہے حاصل بخت

وہی ہے نیک لڑکا اس سرا میں ۔ رہے مادر پدر کی جو رضا میں

خدا دل شاد ہے ایسے پسر سے ۔ نہ ہو جو منحرف حکم پدر سے

سنی جب رام کی شیریں یہ تقریر ۔ اٹھا رو کے زمیں سے شاہ دلگیر

جو آیا دیکھنے سے رام کے ہوش ۔ ہوا با گریہ و زاری ہم آغوش

زبس غم سے نہ تھا یارائے گفتار ۔ رہا مانند نرگس محو دیدار

(ص ۱۷۷) ....

(۸) رام چندر جی کی رخصت کا منظر دکھانے میں رامائن کے ہر مترجم نے حتی الامکان اپنا زورِ قلم صرف کر دیا ہے لیکن جو درد و اثر پنڈت برج نرائن چکبست کی نظم میں ہے جس میں انھوں نے رام چندر جی کا بن باس ہونے کے لئے ماں سے رخصت ہونا دکھایا ہے اس کی نظیر

نہیں ملتی چکبست نے رامائن کا ترجمہ نہیں کیا، صرف اسی ٹکڑے کو اردو نظم میں پیش کر دیا ہے اور ان کی یہ نظم اپنی لفظی اور معنوی خوبیوں کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ اس کے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندو اہلِ قلم جو اردو ادب کا صحیح ذوق رکھتے ہیں۔ زبان کے معاملے میں مذہب اور قومیت کی تفریق کو تسلیم نہیں کرتے۔ ذیل کے اقتباس میں فارسی اور عربی کے الفاظ بھی خاصی تعداد میں ملتے ہیں لیکن وہ اس خوبی کے ساتھ نظم کئے گئے ہیں کہ ایک لمحے کے لئے بھی یہ خیال نہیں پیدا ہوتا کہ ہندو خواتین کی بول چال میں یہ الفاظ کہاں تک مناسب ہیں۔ یہ نظم پنڈت برج نرائن چکبست کے مجموعہ کلام میں شامل ہے جو "صبحِ وطن" کے نام سے انڈین پریس، الہ آباد میں طبع ہوا ہے۔

رو کر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں — میں جانتی ہوں جس لئے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں — لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہوں گی ہاں

کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیج دوں
جوگی بنا کے راج دلارے کو بھیج دوں

دنیا کا ہو گیا ہے یہ کیسا لہو سفید — اندھا کئے ہوئے ہے زر و مال کی امید
انجام کیا ہو، کوئی نہیں جانتا یہ بھید — سوچے بشر تو جسم ہو لرزاں مثالِ بید

لکھی ہے کیا حیاتِ ابد ان کے واسطے
پھیلا رہے ہیں جال یہ کس دن کے واسطے

لیتی کسی فقیر کے گھر میں اگر جنم — ہوتے نہ میری جان کو سامان یہ بہم
ڈستا نہ سانپ بن کے مجھے شوکت و حشم — تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت سے کم

میں خوش ہوں پھونک دے کوئی اس تخت و تاج کو
تم ہی نہیں تو آگ لگاؤں گی راج کو!

کن کن ریاضتوں سے گزارے ہیں ماہ و سال — دیکھی تمہاری شکل جب اے میرے نونہال

لائی دلھن بیاہ کے، شادی ہوئی کمال　　آفت یہ آئی مجھ پہ ہوئے جب سفید بال

چھٹتی ہوں ان سے جوگ لیا جن کے واسطے

کیا سب کیا تھا میں نے اسی دن کے واسطے

ایسے بھی نامراد بہت آئیں گے نظر　　گھر جن کے بے چراغ رہے آہ عمر بھر

رہتا مرا بھی نخل تمنا جو بے ثمر　　یہ جائے صبر تھی کہ دعا میں نہیں اثر

لیکن یہاں تو بن کے مقدر بگڑ گیا

پھل پھول لا کے باغ تمنا اجڑ گیا

سرزد ہوئے تھے مجھ سے خدا جانے کیا گناہ　　منجدھار میں جو یوں مری کشتی ہوئی تباہ

آتی نظر نہیں کوئی امن و اماں کی راہ　　اب یاں سے کوچ ہو تو عدم میں ملے پناہ

تقصیر میری خالق عالم بحل کرے

آسان مجھ غریب کی مشکل اجل کرے

پوران ہندوؤں کی مذہبی تصنیفات میں پوران ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں قدیم کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ مہابھارت اور رامائن بھی پورانوں میں شامل ہیں مہابھارت دنیا کی سب سے طویل نظم ہے۔ اس میں کورکشیتر کے معرکہ جنگ کے علاوہ جو اس کا مرکزی موضوع ہے اور بہت سی حکایتیں ہیں جن کو ایک مسلسل نظم کی صورت میں مرتب کر دیا گیا ہے۔ اس کے متعدد حصے قدامت میں ویدک عہد سے جا ملتے ہیں۔ بعض حصے نسبتاً عہد جدید سے متعلق ہیں یہ کتاب ہندو دیومالا کے تمام ادوار پر مشتمل ہے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مہابھارت ایک نامکمل مرتبہ شکل میں حضرت عیسیٰ سے پانچ چھ سو سال قبل سے موجود ہے۔ لیکن اس کے بعد اس میں بہت کچھ اضافے بھی ہوتے رہے ہیں [1]

رامائن ہندوؤں کی دوسری طویل ترین رزمیہ نظم ہے۔ اس کی تصنیف مہابھارت

---

[1] "ہندوستان کے بڑے مذاہب" (انگریزی) مولفہ جی۔ ٹی۔ بٹانی مطبوعہ لندن ۱۸۹۲ء ص ۸۹۔
(THE GREAT INDIAN RELIGIONS BY G.T. BETTANY)

کے قدیم حصوں کے بعد عمل میں آئی۔ لیکن اپنی موجودہ شکل میں یہ مہابھارت سے شاید ایک صدی پہلے کی کتاب ہے[1]۔ مہابھارت کی طرح رامائن میں بھی الوہیت کا جز یعنی تصور اوتار کی شکل میں پیش کیا گیا ہے اور انسانی سورماؤں کو دیوتاؤں کا درجہ دیا گیا ہے چنانچہ جس طرح مہابھارت میں سری کرشن وشنو کے اوتار تھے اور حق کو باطل پر غلبہ دلانے کے لئے ظاہر ہوئے تھے، اسی طرح رامائن میں بھی رام چندرجی وشنو کے اوتار ہیں جنھوں نے راون کو نیست و نابود کرنے کے لئے انسانی شکل اختیار کی تھی۔

مہابھارت اور رامائن کے علاوہ ہندو مذہب کی اٹھارہ کتابیں پورانوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ اٹھارہ اور کتابیں ہیں جن کو اُپ پران یعنی ادنیٰ درجے کے پوران کہتے ہیں۔ اہل تحقیق کی رائے یہ ہے کہ پرانوں کے نام سے جو کتابیں مشہور ہیں وہ حقیقۃً قدیم نہیں ہیں چنانچہ پروفیسر بی۔ بی رائے اپنی کتاب "ویدک تصنیفات" میں لکھتے ہیں۔

"لفظ پوران کے لغوی معنی قدیم کے ہیں۔ یعنی قدیم تصنیفات کو پوران کہتے ہیں یا یوں کہو کہ پوران وہ تصنیفات ہیں جن میں قدیم کہانیاں مندرج ہیں۔ لیکن درحقیقت پوران نہ قدیم تصنیفات ہیں اور نہ ان کی کل کہانیاں ہی قدیم ہیں ممکن ہے قدیم زمانے میں اس قسم کے چند رسالے موجود تھے پر اب وہ معدوم ہوگئے اور ان کی جگہ پر اُنہی ناموں کے دوسرے رسالے لکھے گئے ممکن ہے کہ موجودہ نئے رسالوں میں بھی چند قدیم قصے قدیم پوران اور دیگر تصنیفات سے اقتباس ہوئے ہیں پران کا شمار بہت تھوڑا ہے اور زیادہ تر پورانک کہانیاں نو ایجاد ہیں۔"

موجودہ پوران کہاں تک نئے ہیں، اس بات کی تحقیقات کرنے کے لئے بہت دور جانے کی ضرورت نہیں۔ امرکوش نام مشہور سنسکرت لغات میں پورانوں کے پانچ لکشن یعنی خاصیات دکھلائی گئی ہیں لیکن موجودہ پورانوں

[1] "ہندوستان سکے بڑے مذاہب" ص ۶۲

میں اکثر وہ پانچ لکشن نہیں پائے جاتے۔ برعکس اس کے کتنے پوران ہیں
جن میں ملیکش یعنی محمدی وغیرہ غیر قوموں کا ذکر ہے۔ سو موجودہ پوران
عنقریب سب کے سب نئے ہیں اور بودھ مذہب کے زوال کے ایام
میں بلکہ بعض اس سے پیچھے تصنیف ہوئے۔"[1]

لالہ لاجپت رائے اپنی تالیف "مہاراج سری کرشن اور ان کی تعلیم" (مطبوعہ ہندوستانی برقی پریس، لاہور، ۱۹۰۰ء میں "پورانوں کی تاریخی منزلت" بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہر ایک تعلیم یافتہ ہندو جانتا ہے کہ پورانوں کی تعداد اٹھارہ ہے، اور ان کے علاوہ ایک کثیر تعداد پستکوں کی اُپ پرانوں کے نام سے مشہور ہے، اور یہ کتابیں اس قسم کے قصے کہانیوں اور گپا شٹک سے پُر ہیں کہ کوئی ذی ہوش معقول طور سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ جو روایات ان میں مندرج ہیں ہمیشہ صحیح ہیں، عموماً ان کا بڑا حصہ تو خلاف عقل و نقل اور خلاف قانون قدرت (نیچر) اور خلاف فہم اور خلاف قیاس تذکرات سے پُر ہے۔

انگریزی محققوں اور آزاد منش ہندوستانی فاضلوں نے بالاتفاق یہ فتویٰ دیا ہے کہ موجودہ پوران وہ پوران نہیں ہیں جن کا ذکر اُپ نشدوں وغیرہ مقدس کتابوں میں پایا جاتا ہے اور ان محققوں نے ان پورانوں کی تصنیفات کا زمانہ بھی قائم کیا ہے، اور ان کے اخذ کردہ نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ پورانوں میں سے کوئی پران بھی بکرم سمبت کے آغاز سے پہلے کا نہیں ہے بلکہ سمبت بکرمی کے بہت عرصے کے بعد کے ہیں۔ بعض پورانوں کی تصنیفات کا زمانہ تو چودھویں یا پندرھویں صدی عیسوی تک قائم کیا گیا ہے اس کے علاوہ خود پورانوں کے مندرجہ ذیل حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم پوران گم ہو گئے اور موجودہ پوران زمانہ حال میں بنائے گئے ہیں۔ . . ." (ص ۲۱)

---

[1] "ویدک تصنیفات" (اردو) مولفہ پروفیسر پی بی رائے۔ مدرسہ علم الٰہی، سہارنپور۔ شائع کردہ کرسچین لٹریچر سوسائٹی فار انڈیا۔ ص ۵۔

پورانوں میں صرف تین کے اردو ترجمے مجھے مل سکے۔ کلکی پوران، وشنو پوران، اور گنیش پوران، یہی تین زیادہ مقبول عام معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) کلکی پوران۔ مطبوعہ لکشمی نارائن پریس، مراد آباد ۱۸۹۷ء ص ۱۳۴۔ مترجم کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ سرورق پر صرف یہ عبارت درج ہے: "منشی منوہر سروپ ورمانے بھاشا سے اردو میں ترجمہ کرا کر لکشمی نارائن پریس، متھرا، میں چھپوا کر شائع کیا"۔ تیرہویں ادھیا کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے :۔

"سوت جی کہتے ہیں کہ ہے رشیو، خوش دل راجہ ششی دھوج سبھا میں موجود لوگوں کے قریب اپنا حال بیان کر کے ہاتھ جوڑ کر کلکی بھگوان سے کہنے لگا۔ (۱) راجا ششی دھوج بولا کہ ہے ہرے، تم ترلوکی کے ناتھ ہو۔ یہ سب راجے آپ ہی کے سہارے ہیں، اور ان راجاؤں کو اور مجھے اپنا فرمانبردار خیال کیجئے۔ (۲) میں اب لوگوں کا جو دل پسند ہردوار ہے وہاں عبادت کرنے کے لئے جاتا ہوں۔ یہ سب میرے بیٹے پوتے وغیرہ آپ کے بھروسے پر ہیں۔ آپ ہی ان کی پرورش کریں گے۔ (۳) ہے دیو دیو، میرا جو مقصد ہے سو آپ جانتے ہی ہیں۔ پہلے اوتار میں آپ نے جامبوان اور دویدی نامی بندروں کو قتل کیا تھا۔ وہ بھی آپ کو یاد ہی ہے ......" (ص ۱۰۸)

(۲) کلکی پوران۔ مترجمہ پنڈت ہر دیال شرما۔ مطبوعہ صادق المطابع، میرٹھ ۱۸۹۷ء ص ۱۷۸۔ "شری ویاس بھگوان رچیت سنسکرت سے بامحاورہ اردو میں ترجمہ کیا گیا"۔ ترجمے کا نمونہ یہ ہے :۔

"سوت جی نے کہا کہ زاں بعد برہما جی کے کہنے کے بموجب سب دیوتا باادب سامنے بیٹھ کر کہنے لگے کہ اے دیو، کلجگ کے پاپوں سے دھرم کو

بہت نقصان ہو رہا ہے۔ دیوتاؤں کی تکلیف کو سن کر برھما جی کو بہت رنج ہوا۔ کہا کہ چلو اُن بشنو بھگوان کو خوش کر کے جو بھگتوں کی تکلیف دور کرنے میں مشہور ہیں ہم کامیاب ہوں گے۔ اور یہ صلاح کر کے برھما جی مع دیوتاؤں کے گئو لوک میں جہاں بشنو بھگوان رہتے ہیں، جا کر سب نے اُستتی کی اور برھما جی نے دیوتاؤں کی دلی خواہش کو بشنو بھگوان سے ظاہر کیا .... " (ص ۵)

(۳) وشنو پوران، باب اول، مترجمہ پنڈت امرناتھ مدن ساحر دہلوی، مطبوعہ رام نرائن پریس، متھرا، ۱۹۱۵ء۔ بڑی تقطیع (ص ۱۱۶)

پنڈت امرناتھ ساحر شریمد بھگوت گیتا کے مشہور مترجم اور شارح پنڈت جانکی ناتھ مدن کے صاحبزادے ہیں۔ اور انھوں نے ادب و انشا کا صحیح ذوق اپنے والد سے پایا ہے۔ ترجمے کے متعلق دیباچے میں فرماتے ہیں:-

" اس ترجمے میں یہ امر مدنظر رکھا گیا ہے کہ جن سنسکرت استعارات اور اصطلاحات کے واسطے اردو زبان میں ہم پایہ الفاظ اور خیالات دستیاب نہیں ہوئے ان کو مجبوراً استعمال کرنا پڑا ہے .... "

وشنو پوران سنسکرت میں مہرشی پراشر جی کی مشہور تصنیف ہے۔ ترجمے کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے:-

" شری بشن دیو نظر ظاہری سے غائب ہو گئے۔ دہرو نے دل میں سوچا کہ میں کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ نہ جگہ کہاں ہے۔ جہاں سنت رہتے ہیں مستوں کو مجھ سے ملنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ لوگ خواہش کو نیست و نابود کر چکے ہیں۔ اسی فکر میں غلطاں و پیچاں تھا کہ ہدایت زبانی ہوئی اور اس کی سمجھ میں یہ آیا کہ سنتوں کی صحبت اس وقت نصیب ہوگی جب

میں تمام خواہشات سے بے خواہش ہو جاؤں گا۔ پس اس خیال کو دل میں
میں جگہ دی کہ سوائے پرماتما کے دوسرا کوئی نہیں ہے۔ جب کہ وہی
ذات مطلق ہے تو دنیا اور عقبیٰ کا خیال محض وہم ہے اور اس سے
کوئی مطلب نہیں رہتا۔ یہ جسم انسانی بمنزلہ ایک کشتی کے ہے جس
کے وسیلے سے دریائے معرفت سے پار اترتے ہیں۔ جب دریا سے
عبور کر گئے اور دوسرے کنارے پر جا پہونچے تو کشتی سے کوئی واسطہ
نہیں رہتا۔ پس اطمینان ہو گیا کہ جسم عدم ہے اور مجھے اس جسم سے
کوئی تعلق نہیں ہے ......،، (ص ۱۳۱) ○

(۴) فسانہ توحید :۔ یہ وشنو پوران کے باب دوم، سوم، چہارم، پنجم و ششم کا خلاصہ ہے۔ جسے پنڈت امرناتھ مدن ساحر دہلوی نے اردو میں پیش کیا ہے۔ مطبوعہ رام نراین پریس، متھرا، ۱۹۳۱ئہ ص ۱۲۸۔

(۵) گنیش پوران منظوم۔ مترجمہ منشی شنکر دیال فرحت۔ مطبع نول کشور، لکھنو، ۱۲۸۰ھ ص ۱۶۔

مترجم کو نظم اردو پر بڑی قدرت حاصل ہے ان کے ترجمہ رامائن کا ایک نمونہ اوپر گزر چکا ہے۔ گنیش پوران کے ترجمے میں بھی زبان کی سلاست و روانی کا وہی عالم ہے شروع میں اپنے بعض دوسرے ترجموں کا بھی ذکر کرتے ہیں :۔

جب چھپ گیا شیو پران اردو مطبوع ہوئی زبان اردو
فرمائش دوستاں ہوئی اور میں طابع حکم تھا بہر طور
منظوم کیا جو پریم ساگر رغبت ہوئی جانکی بجے پر
نسخے کئے جب یہ میں نے تحریر مطبع میں چھپے وہ باتصاویر
اک دوست نے پھر کیا اشارہ کیوں بحر سخن سے ہے کنارہ

منظوم گنیش کی کتھا کر ‏ ‏ حاصل ابھی نقد مدعا کر

....

اس کے بعد "آوارہ ہونا راجہ جدھشٹر حاکم ہستنا پور کا وطن سے اور تدبیر فرمانا سری کرشن جی کا واسطے حصول سلطنت کے" اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ہر دم رہے دل کو یاد گنپت ‏ ‏ ہر لحظہ ہو اعتقاد گنپت
تھا ہند میں اک شہر معمور ‏ ‏ مشہور زمانہ ہستنا پور
حاکم تھا وہاں خجستہ اختر ‏ ‏ ذی مرتبہ راجۂ جدھشٹر
شہ زور تھے شہ کے چار بھائی ‏ ‏ سرمایۂ لطف و آشنائی
جرار و جری، فہیم و بے ریو ‏ ‏ ارجن، نکل، اور بھیم، سہدیو
اقبال نے دفعتاً کمی کی ‏ ‏ ادبار نے شہ کی ہمدمی کی
آثار خزاں چمن میں آیا ‏ ‏ خورشید فلک گہن میں آیا
کھیلا جو وہ نیک بد کے چوسر ‏ ‏ دم بھر میں حریف نے لیا زر
قسمت میں بدی ہوئی تھی خواری ‏ ‏ دولت وہ تمام بد کے ہاری
ثروت گئی، شہ کا راج چھوٹا ‏ ‏ دولت گئی، تخت و تاج چھوٹا
چھکے چھوٹے ان کے ایک دم میں ‏ ‏ پانچوں پھنسے پنجۂ الم میں
ششدر رہوئے صاف آئنہ وار ‏ ‏ صحرا کو گئے وہ چار و ناچار
چکرا دئے بخت ناتواں نے ‏ ‏ گردش یہ دکھائی آسماں نے
شری کرشن سے ہو کے دل شکستہ ‏ ‏ کی شہ نے یہ عرض دست بستہ
تدبیر بتائے مہاراج ‏ ‏ لوں راج عدو کو کرکے تاراج
فرمایا کہ اے شہ جواں بخت ‏ ‏ ہو جائیں گے دور صدمۂ سخت
پوجا سے سری گنیش جی کی ‏ ‏ ہر لحظہ امید ہے خوشی کی (ص ۲)

منوسمرتی منوسمرتی۔ ہندوؤں کا نہایت مشہور اور مستند دھرم شاستر ہے۔ اس کا زمانہ تالیف بعض محققین کے نزدیک پانچویں صدی قبل مسیح ہے۔ لیکن پروفیسر بولر (BUHLER) کا خیال ہے کہ یہ کتاب اپنی موجودہ شکل میں دوسری صدی عیسوی کے اوائل سے پہلے موجود نہ تھی، اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ مضامین کے اعتبار سے یہ بہت کچھ اپنے سابق نسخوں سے ماخوذ ہے[1]۔ مجھے اس کتاب کے جو اردو ترجمے مل سکے وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) منوسمرتی۔ مترجمہ سوامی دیال۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ بار ششم ۱۸۹۰ء، ص ۴۹۲ ترجمہ سنسکرت متن کے ساتھ ہے۔ نمونہ یہ ہے:۔

"ادھیائے ۴۔ معاش و اخلاق"

"۱۔ تمام عمر کے چار حصے فرض کر کے اول حصے تک گروکل میں باس کرے دوسرے حصے تک شادی کر کے گھر میں رہے۔

۲۔ جو وجہ معاش ایسی ہے کہ حاصل کرنا اس کا بحالت عدم ایذا رسانی جانداران یا کم ایذا دہی جانداران ممکن ہے اس سے براہمن اپنی بسر اوقات کرے، بشرطیکہ وقت مصیبت نہ ہو۔

۳۔ اعمال نیک سے اور ایسے طریقے سے کہ جس سے بدن کو تکلیف نہ ہو صرف اپنے کھانے بھر کو دولت جمع کرے

. . . .

۱۱۔ واسطے حصول معاش کے دروغ گوئی و شیریں زبانی و مضحکہ نہ اختیار کرے۔ دروغ و فریب والی معاش کو ترک کر کے براہمنوں کی نیک معاش سے اپنی بسر اوقات کرے۔

۱۲۔ قناعت کر کے اوقات کو تابع اپنی لاوے، کیونکہ خوشی کی بنیاد قناعت

[1] "ہندوستان کے بڑے مذاہب" از طباطبائی۔ ص ۲۷

ہے اور ریخ کی جڑ بے صبری ہے۔

۱۳۰۔ مرد حیلہ معاش مفصلہ بالا کے کسی معاش سے اوقات گزاری کرے، اور وید پڑھنے سے فارغ ہو کر سماورتن کے واسطے اندریوں کو قابو میں لاوے اور سورگ اور عمر اور نیک نامی کے واسطے مفید برت جو آگے کہیں گے اس کو کرے۔" (ص ۱۷-۱۱۵)

(۲) جگت سمرتی:۔ مطبوعہ مطبع بھارت، سیالکوٹ۔ ص ۱۱۵۔ سنہ طباعت درج نہیں۔ مترجم کا نام بھی کتاب پر نہیں ہے۔ سرورق پر یہ عبارت درج ہے: "ترجمہ گرنتھ لاثانی منوسمرتی زبان سنسکرت جس کو شاہزادہ جگجوت سنگھ صاحب، خلف کنور بشوار سنگھ، نبیرہ مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب سرگباشی، والی ملک پنجاب نے بصرف زر کثیر بڑے بڑے عالم و فاضل پنڈتوں سے واسطے رفاہ عام کے اصل زبان سنسکرت سے زبان اردو میں ترجمہ کرایا۔"

یہ کتاب منوسمرتی کا پورا ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس کا انتخاب ہے جیسا کہ دیباچے میں تصریح کردی گئی ہے۔ دیباچہ پنڈت سندر لال دوبے، مالک اخبار بھارت و مطبع بھارت کے قلم سے ہے، اس کے مندرجہ ذیل حصے خاص توجہ کے مستحق ہیں:۔

"ناظرین والا نظر پر مخفی و محتجب نہ رہے کہ جناب شہزادہ جگجوت سنگھ صاحب نے اس کتاب مستطاب موسوم بہ جگت سمرتی کے تالیف کرانے سے تمام گروہ اہل ہنود پر ایک ایسا احسان عظیم فرمایا ہے کہ جس کے بار منت سے ہم اور ہماری آئندہ نسلیں کبھی سبکدوش نہ ہو سکیں گی، اور اہل ہنود اس لئے بھی تا بہ زندگی بار احسان نہ بھولیں گے کہ سنسکرت کے نہ جاننے والے، بھاشا سے نفرت کرنے والے اور اردو کے قدر دان اس مقدس صحیفے کو پڑھ کر اپنے دھرم و کرم میں محفوظ رہیں گے اور اس کی

کنٹھ مالا بنا کر روحانی زندگی کا سرور حاصل کریں گے اور بچے بھی اس کے سبق سے بہرہ ور ہو کر گمراہی و بربادی دھرم سے محفوظ رہیں گے۔

اس انتخاب میں یہ بھی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے کہ جو اشلوک کسی خاص فرقے کے متعلق تھے وہ بہ لحاظ رفع خصوصیت اس انتخاب میں شامل و داخل نہیں کئے گئے تاکہ تمام کافۂ اعظم اہل ہنود کے جمیع فرقے اور ہر ایک شعبہ و شاخ پیروان مذہب ہنود کے میسر اس دریائے فیض سے یکساں فیض یاب ہو سکیں ......"

مندرجہ بالا عبارت ایک ہندو پنڈت کے قلم کی ہے۔ اس مولویانہ طرز تحریر سے آج مسلمان بھی پرہیز کرتے ہیں۔ پنڈت سندر لال نے اس کتاب کی تالیف پر جن اسباب سے "اہل ہنود" کی احسان مندی کا اظہار کیا ہے۔ وہ قابل غور ہیں۔ ان کے اس خیال سے تو شاید کم لوگ متفق ہوں گے کہ ہندوؤں میں ایسے بھی ہیں جو بھاشا سے نفرت کرتے ہیں لیکن اس حقیقت سے کسی انصاف پسند کو انکار نہ ہوگا کہ اردو کے ہندو قدر دانوں کی تعداد حد شمار سے باہر ہے علاوہ سیکڑوں دوسری کتابوں کے جو ہندوؤں نے اردو میں تصنیف، تالیف، یا ترجمہ کر کے شائع کی ہیں۔ منوسمرتی جیسی مذہبی کتاب کا انتخاب اردو میں تیار کرانا تاکہ "اہل ہنود کے جمیع فرقے اور ہر ایک شعبہ و شاخ پیروان مذہب ہنود کے میسر اس دریائے فیض سے یکساں فیضیاب ہو سکیں" اور "بچے بھی اس کے سبق سے بہرہ ور ہو کر گمراہی و بربادی دھرم سے محفوظ رہیں" ہندوستان میں اردو کے مقبول عام ہونے کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔

ترجمے کا انداز یہ ہے:۔

"۱۔ منوجی سچت بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پاس بڑے بڑے رشی لوگ آئے اور بپرت پوجن کر کے یہ بات کہی کہ۔

۲۔ اے بھگوان، سب ورنوں اور دران شنکروں کے دھرم کو ٹھیک ٹھیک ہم سے کہئے۔ کیونکہ۔

۳۔ اے پربھو، اچنت وبچدوتی ریم ویدؤں بیان کئے ہوئے جو بہت طرح کے کرم ہیں اُن کے اصل مطالب کو جاننے والے ایک آپ ہی ہیں۔" (ص ۱)

(۳) منوسمرتی :۔ مترجمہ کرپارام شرما جگرانوی مطبوعہ ویدک دھرم پریس، دہلی ص ۴۹۲ سنہ درج نہیں۔

یہ ترجمہ متن کے ساتھ ہے اور کہیں کہیں نوٹ بھی دے دئے ہیں۔ عبارت میں بہ نسبت سابق دو ترجموں کے زیادہ سلاست اور شستگی ہے۔ مثلاً

"۱۔ دھرم کے مطابق چلنے والے مرد عورت کے وصل اور جدا ہونے کے قدیم طریقوں کو بیان کرتے ہیں کہ کس وقت عورت کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے

۲۔ رات دن عورت کو پتی کے ذریعے سے بے اختیار رکھنا چاہئے، اور جو عورت وشے کی خواہش رکھتی ہو اس کو بالکل آزادی نہ دینی چاہئے۔ بلکہ وہ مالک کے ساتھ رہے۔

۳۔ لڑکپن میں باپ اور جوانی میں شوہر اور بڑھاپے میں بیٹا عورتوں کی حفاظت کرے، کیونکہ عورتیں خود مختار ہونے کے لائق نہیں ہیں۔

۴۔ کنیا دان کے وقت کنیا کو نہ دیوے تو باپ اس کا پاپی ہوتا ہے، اور حیض سے فراغت ہونے پر شوہر اس سے جماع نہ کرے تو وہ پاپی ہوتا ہے اور بحالت وفات شوہر کے بیٹا اپنی ماں کی حفاظت نہ کرے تو وہ پاپی ہوتا ہے۔

۵۔ تھوڑی صحبت سے بھی عورتوں کی حفاظت کرنا چاہئے۔ عورتیں غیر محفوظ رہنے سے دونوں کُل یعنی خاندان شوہر و خاندان والدہ کو رنج پہونچاتی ہیں۔۔۔۔"

(نواں ادھیائے۔ ص ۳۲۷)

(۴) منوسمرتی۔ مترجمہ ماسٹر آتمارام۔ مطبوعہ واشنگٹن پریس، لاہور۔ ص ۲۸۸ سنہ طباعت درج نہیں۔ اس کے ابتدائی حصے کا اقتباس حسب ذیل ہے، اس سے برھماجی کی پیدائش کا حال معلوم ہوتا ہے:۔

۱۔ منوجی بخاطر جمع بیٹھے ہوئے تھے کہ اُن کے آس پاس بڑے بڑے رشی لوگ آئے اور باہم ادب آداب کے بعد یہ بات کہی کہ

۲۔ ہے بھگوان، سب ورنوں اور ورن شنکروں کا دھرم ٹھیک ٹھیک ہم سے کہئے، کیونکہ

۳۔ اے پربھو، خیال سے باہر اور لامحدود اور قدیم وید میں بیان کئے ہوئے جو بہت طرح کے کرم ہیں ان کے اصل مطلب کے جاننے والے ایک آپ ہی ہیں۔

۴۔ جب ان مہاتماؤں نے اس طرح سے اس نورانی صورت مہاتما سے پوچھا تب سری منوجی نے ان سب رشیوں کی پوجا کر کے کہا کہ سنئے:۔

(نوٹ:۔ منوجی کی رشی پوجن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مکان پر آئے ہوئے چھوٹے کا بھی پوجن ہوتا ہے)

۵۔ یہ سب جگت پہلے پرکرتی یعنی جزو لاتیجزی کی حالت میں چھپا ہوا تھا، اور اس کا کچھ علم و نشان نہ تھا اور نہ دلیل سے معلوم ہو سکتا تھا۔ خواب کی سی حالت میں تھا۔

۶۔ اس کے پوشیدہ ولازوال قوت رکھنے والے اور اندھکار کا ناش کرنے والے پرمیشور پرماتمانے عناصر اور سائکلپک یعنی ماں باپ کے بغیر پیدا ہونے والے لوگوں کو پیدا کیا۔

۷۔ جو مکت جیو اندریوں سے الگ وباریک و پوشیدہ و ہمیشہ بے فکر و سب مخلوقات کی جان ہے۔ آپ سے آپ سائکلپک شریروں میں داخل ہوئے۔

۸۔ اور اس کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ اپنے بدن سے ایک قسم کی خلقت پیدا کرنی چاہیئے۔ تو اس نے پہلے پانی یعنی رج کو پیدا کیا۔ پھر اس پانی میں بیج ڈالا۔

۹۔ تب وہ بیج مثل طلاو آفتاب کے بصورت ہیراٹ کی گولائی کے انڈا بن گیا پھر اس سے برھاجی یعنی ویدوں کے جاننے والے ابوج رشی جو تمام مخلوقات کے پیدا کرنے والے ہیں۔ آپ سے آپ پیدا ہوئے ،، (ص ۱-۲)

درشن 'درشن' یعنی کتب فلسفہ حقیقتہً مذہبی کتابوں میں شامل نہیں ہیں۔ لیکن ان کا شمار مذہب کی معقولات میں ہوتا ہے۔ ہندو مذہب کا بنیادی اصول موکش یعنی نجات ہے۔ اسی منزل تک پہنچنے کے لئے عمل (کرم) علم (گیان) اور محبت وعقیدت (بھگتی) کے تین راستے اختیار کئے گئے۔ ہندو حکماء منقولات کو اس مقصد کے لئے کافی نہ سمجھ کر معقولات کی طرف متوجہ ہوئے، اور انھوں نے مسئلہ نجات کی فلسفیانہ تشریح کر کے اس کے حصول کے طریقے بتائے۔ لیکن چونکہ عقلی مباحث میں اختلاف کی بڑی گنجائش ہوتی ہے اس لئے ہندو فلسفے کے بھی مختلف اسکول یا مذاہب قائم ہو گئے۔ ان میں سے چھ جو کھٹ درشن کہے جاتے ہیں زیادہ مشہور اور مستند ہیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ میمانسا	مرتبہ جیمنی
۲۔ ویشیشک	" کنا دو رشی
۳۔ نیائے	" گوتم
۴۔ سانکھیہ	" کپل
۵۔ یوگ	" پتنجلی رشی
۶۔ ویدانت	" ویاس

بابو شیو برت لال ورمن اپنی کتاب "سانکھیہ فلاسفی" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

دو اکثر لوگ غلطی سے ان چھ فلسفوں کو ایک دوسرے کا مخالف سمجھتے ہیں۔ یہ بالکل خام خیالی ہے، کیونکہ یہ مفرد عمارت کے متعدد و مختلف حصے ہیں اور سب کا مقصد واصل الاصول ایک ہے۔ سب موکش کے مضمون پر وچار کرتے ہیں اور اسی کی پراپتی اور حصول کو انسانی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ہر درشن نے اپنے درجے اور مقصد کو مد نظر رکھ کر دوسرے کے مضمون سے کم غرض رکھا ہے، اور حتی الامکان اپنے آپ کو ایک خاص دائرے کے اندر محدود رکھا ہے۔ ان چھٹوں میں سے اگر ایک کو خارج کر دیجئے تو ساری عمارت دھم سے نیچے آ رہتی ہے، اور اگر ان کے مخصوص مضامین پر وچار کرتے ہوئے بتدریج زینہ بہ زینہ چڑھتے جائے تو بہ آسانی مقصد کے بام تک پہونچنا ممکن معلوم ہوتا ہے۔

میمانسا نے کرم پر زور دیا ہے، کیونکہ کرم کے بغیر دنیا کا کوئی کام نہیں بنتا۔ ویشیشک میں وقت پر بحث ہے۔ بلا وقت خرچ کئے کچھ نہیں ہوتا۔ نیائے میں علت مادی پر گفتگو ہے، کیونکہ کائنات مادے سے ہے۔ سانکھیہ میں عناصر وغیرہ پر بات چیت ہے ۔۔۔۔۔۔۔
۔۔۔۔۔۔ اور اسی وجہ سے درجہ بدرجہ مقصد تک پہونچنے کی امید ہو سکتی ہے۔ یوگ کا مطلب غور و فکر، سوچ بچار ہے جس بات کو سانکھیہ نے نظری طور پر ظاہر کیا ہے اس کو عملی پہلو سے ثابت کرنا یوگ کا کام ہے۔ ویدانت کا مقصد برہم سے ہے، کیونکہ وہ خالق، مالک کل اور آفرینش کا انتظام کرنے والا ہے۔‘‘

کھٹ درشن میں یوگ اور ویدانت کی متعدد کتابوں کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ میمانسا اور ویشیشک پر کوئی کتاب مجھے نہیں ملی۔ سانکھیہ اور نیائے پر صرف ایک

ایک کتاب ملی ہے۔

(۱) سانکھ فلاسفی :۔ مولفہ بابو شیو برت لال ورمن ۔ مطبع سیتہ دھرم پرچارک جالندھر۔ ص ۹۰۔ سنہ طباعت درج نہیں۔ یہ وہی کتاب ہے جس کے دیباچے کا ایک اقتباس ابھی پیش کیا گیا ہے۔ سانکھیہ کے اصول کی توضیح کرتے ہوئے بابو شیو برت لال لکھتے ہیں :۔

"سانکھیہ کی تعلیم کے بموجب ہر سہ قسم کی تکالیف و مصائب سے نجات پانا جیوآتما کا فرض عین اور اعلیٰ مقصد ہے۔ اور سانکھیہ اس تدبیر کی اشاعت کرتا ہے جس سے یہ حالت انسان کے جیتے جی یا موت کے بعد حاصل ہو جائے۔ تین قسم کے دکھوں کے نام ادھیاتمک، ادھ دیوک، ادھ بھوتک ہیں۔ پہلی قسم میں جملہ امراض جسمانی، قلبی، وغلیات نفسانی وغیرہ شامل ہیں اور اپنی خاص ذات سے متعلق ہیں۔ باقی دو قسم کے دکھ خارجی ہیں اور خارجی اسباب سے پیدا ہوتے ہیں۔ عناصر، سورج وغیرہ کی حرارت، تمازت، رعد وغیرہ کی گرج سے جو دکھ ہوتے ہیں وہ 'ادھ دیوک' اور جانور، حشرات الارض وغیرہ سے جو تکالیف پیدا ہوتی ہیں 'ادھ بھوتک' کہلاتی ہیں۔ ان سب مصائب سے نجات پانا آنند و سرور کی حالت ہے۔ کپل اور ان کے پیرو کاروں نے تلقین کیا ہے کہ صرف سچے گیان سے نجات مل سکتی ہے۔ ان کی سمجھ میں خارجی تدابیر قابل اطمینان نہیں ہیں۔ ان شکایتوں کے دفعیے کی دو تدبیریں ہیں۔ ایک ظاہری، دوسری شرعی۔ ظاہری تدابیر میں ہر طرح کے معالجات، ضروری پرہیز اور لوازمات کا شمول ہے۔ شرعی تدابیر شریعت کے ارکین کے انجام دینے سے مراد ہے۔ یہ ہر دو طریقے غیر مکمل و ناقص ہیں۔ ممکن ہے عارضی طور پر کچھ عرصے

کے لئے ان مصائب کا دفعیہ کردیا جائے۔ مگر اس سے کبھی اطمینان نہیں ہوتا اوّل تو وہ شکایتیں ہمیشہ کے لئے دور نہیں ہو سکتیں، دوسرے ان کے پھر بار بار ہو جانے کا احتمال ہوا کرتا ہے۔ ان سے قطعی نجات پانا صرف گیان سے ممکن ہے، اور وہ گیان پورش، پرکرتی، مادّہ، عناصر وغیرہ کا سچا علم ہے"

(۲) نیائے درشن :۔ مترجمہ سوامی درشنانند۔ مطبوعہ رہبر پریس، مراد آباد ص ۴۸۴ سنہ درج نہیں۔

اردو ترجمہ سوال و جواب کے پیرائے میں ہے۔ اصل کتاب کا یہ طرز نہیں سنسکرت عبارتیں جو ترجمے کے ساتھ دی ہوئی ہیں بہت مختصر ہیں۔ دیباچے میں مترجم نے 'نیائے درشن' کی غرض و غایت اس طرح سمجھائی ہے :۔

"ہر ایک آدمی جو دنیا میں موجود ہے ہمیشہ دکھ اور سکھ محسوس کرتا ہے، اور سب کی کوشش یہ ہے کہ وہ دکھ سے چھوٹ کر سکھ حاصل کرے۔ لیکن باوجود سکھ کی خواہش اور دکھ سے نفرت کے نہ تو ہر ایک کو سکھ حاصل ہے اور نہ ہی دکھ سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے۔ اس عجیب حالت کو دیکھ کر کہ سکھ کو حاصل کرنے اور دکھ سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے ناکامیابی کیوں ہوئی۔ جب اس کے اسباب کی تحقیق کی جاتی ہے تو پتہ لگتا ہے کہ انسان کی ساری طاقتیں محدود ہیں۔ اس واسطے اس کا علم بھی محدود ہے اس کا تعلق جو اشیاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ بذریعہ حواس یا من کے ہوتا ہے، اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ان اوزاروں سے معلوم نہیں ہوتیں اس واسطے تیسری چیز معلوم کرنے والی عقل ہے۔ اگر ان تینوں چیزوں میں سے کسی میں فرق آجاوے تو گیان میں ضرور فرق آجاوے گا اور جہاں گیان میں فرق ہوگا۔ وہاں عمل بھی غلط ہوگا۔ اور جہاں عمل میں غلطی ہوئی

تو نتیجہ برعکس ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس لئے ہر ایک کام کے نتیجے کو ٹھیک طور پر حاصل کرنے کے واسطے ہر ایک چیز کے عمل کو صحیح طور پر کرنا ہی اور عمل کو صحیح طور پر کرنے کے واسطے علم کا صحیح ہونا لازمی ہے۔ جہاں علم میں غلطی ہوگی۔ وہاں سب نتائج غلط ہوں گے۔ اس واسطے انسان کا فرض اعلیٰ یہ ہے کہ وہ ہر ایک عمل سے پہلے صحیح علم کے وسائل مہیا کرے۔ کیوں کہ جس صراف نے سونے کے امتحان کے واسطے محک یعنی کسوٹی کو حاصل نہیں کیا اور وہ اس کو عمل میں لانے کے طریق سے ناواقف ہے، وہ صراف نہ تو اپنے بیوپار میں فائدہ اٹھا سکتا ہے اور نہ وہ صراف کہلانے کا مستحق ہے ...... اس طرح پر انسان اپنے آتمک فرائض کو پورا کرنے کے واسطے اگر بغیر تحقیقات کے کام کرے گا تو ضرور اُسے تکالیف کا سامنا ہوگا اور اگر تحقیقات کر کے کام کرے گا تو مکتی حاصل کر سکتا ہے۔ اور انسان کو تحقیقات کے سامان بہم پہونچانے کے واسطے یہ نیائے شاستر، سب سے ضروری سادھن ہے۔ جو شخص نیائے شاستر سے ناواقف ہے وہ کسی چیز کی بھی ماہیت کو ٹھیک طور پر نہیں جان سکتا۔ اور جو شخص اس نیائے شاستر کو پورے طور پر سمجھ جاوے تو کوئی انسان خواہ کتنا ہی چالاک ہو اس کو دھوکا نہیں دے سکتا، اور مذہبی اور علمی مباحثوں میں جو باتیں عوام کی نظر میں بہت مشکل معلوم ہوتی ہیں۔ وہ اس علم کی ماہیت جاننے والے کے واسطے بہت ہی آسان معلوم ہوتی ہیں، اور جن سوالوں کا عقلی جواب دینے میں دنیا کے بڑے بڑے مذہب گھبراتے ہیں اس فلاسفی کا جاننے والا آسانی سے اس کو بتلا سکتا ہے۔"

ہندو مذہب کی متفرق کتابیں

ہندو مذہب کی اہم ترین کتابوں کے علاوہ جن کی اردو عبارتوں کے اقتباسات پیش کئے جا چکے ہیں اور کتابیں بھی نظر سے گزریں۔ ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) شری مدبھاگوت :۔ مترجمہ منشی سوامی دیال کایستھ۔ مطبع نول کشور، لکھنو۔ بار دہم ۱۹۲۳ء۔ بڑی تقطیع۔ ص ۴۸۸۔ اس ترجمے کا پہلا ایڈیشن ۱۸۷۲ء میں نکلا تھا عبارت میں بھاشا کا عنصر غالب ہے۔

(۲) ٹیکا سری مدبھاگوت اور کنجی موکش :۔ مرتبہ لالہ نین سکھ رائے۔ امپریل بکڈپو پریس، دہلی۔ ص ۱۱۴۔ اس کتاب کے شروع کے بتیس صفحے "کنجی موکش" کے ہیں جس میں ہندو مذہب کی تعلیمات سوال و جواب کے طرز میں بیان کی گئی ہیں۔ اس کے بعد "سری مد بھاگوت" کی شرح ہے۔

(۳) دسم اسکندھ :۔ سری مدبھاگوت منظوم، از منشی سردار سنگھ نسیم۔ مطبع نول کشور لکھنو ۱۸۸۶ء۔ بڑی تقطیع۔ ص ۳۷۴

(۴) بھگوتی اتہاس بہ ترجمہ دیبی بھاگوت۔ از پنڈت پیارے لال کشمیری۔ مطبع نولکشور لکھنو ۱۸۷۷ء بڑی تقطیع۔ ص ۸۰۵۔

(۵) بشن سہسر نام سٹیک :۔ مصنفہ بیاس جی۔ مترجم کا نام درج نہیں۔ مطبع نولکشور لکھنو ۱۸۸۳ء۔ ص ۱۴۰۔

اس کتاب میں ایشور کی وحدانیت اور اس کی ذات و صفات سے متعلق سنسکرت اشلوک درج کر کے اردو میں ان کی شرح کی گئی ہے۔

(۶) بیدا ستت :۔ "جو سری مدبھاگوت کے ادھیائے ۸۸ میں درج ہے" مترجمہ لالہ بلدیو سنگھ۔ مطبع نول کشور، لکھنو ۱۸۸۱ء۔ ص ۳۲۔

اس مختصر رسالے میں سنسکرت عبارتوں کے ساتھ ان کی شرح اردو میں لکھی ہے۔

(۷) گیتا مہاتم منظوم :- از منشی رام سہائے تمنا۔ مطبع نول کشور، لکھنو۔ بار دوم ۱۸۷۵ء ص ۲۶۔

اس میں "بھگوت گیتا" کے پڑھنے کا اثر مختلف کہانیوں میں بیان کیا ہے۔ یعنی گیتا کے پڑھنے سے لوگوں کو دنیا میں کیسے کیسے فائدے پہنچے اور کس طرح بڑی بڑی مصیبتوں سے نجات ملی۔

(۸) گیا مہاتم۔ مترجمہ منشی لال جی۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ، بار دوم ۱۸۸۶ء۔ ص ۴۸۔

اس میں گیا کے تیرتھ کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

(۹) لودھیاشر مہاتم :- مترجمہ منشی کنور بہادر۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۱ء ص ۱۴۱۔

عبارت میں بھاشا کے الفاظ زیادہ ہیں۔

(۱۰) شری وگیان کرشنائن :- مولفہ بابو شیو برت لال ورمن۔ آریہ اسٹیم پریس، لاہور ص ۲۳۴۔ سنہ درج نہیں۔

اس کتاب میں شری کرشن جی کے حالات زندگی اور ان کی تعلیمات کا بیان ہے۔ جگیاسو، سوال کرتا ہے اور شیو، اس کا جواب دیتے ہیں۔ یہاں شیو سے مراد خود مولف کتاب یعنی شیو برت لال ورمن ہیں۔

(۱۱) پورن دھرم :- مولفہ پنڈت نرمل چندر۔ پرکاش اسٹیم پریس، لاہور، ص ۱۹۰۔ سنہ طباعت درج نہیں۔

اس کتاب کے تین حصے ہیں، گیان یوگ، بھگتی یوگ، کرم یوگ۔ یہ جلد گیان یوگ پر ہے۔ اس کی عبارت بہت شستہ ہے۔ نمونہ مندرجہ ذیل ہے :-

" آتم سادھن

مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

" ابتک آتم گیان (ویدانت) کے صرف علمی یا نظری پہلو پر بحث کی گئی ہے۔

ebooks.i360.pk

جگیاسو کو اس کے سوالات، میں کون ہوں، یہ کیا ہے اور کیوں ہے، زندگی کے کیا معنی ہیں، کا جواب دیا گیا ہے۔ جگیاسو نے جان لیا ہے کہ وہ خود جسم، طاقت یا خیال نہیں، بلکہ آتما (ذات) ہے۔ اس کا اپنا آپ عین ہستی، عین علم اور عین سرور ہے۔ اس کا ہونا ہی اور سب کچھ ہونے کی شرط ہے، اور اس کا جاننا ہی سب کچھ جاننے کی شرط ہے، اور اس کا جاننا ہی اور سب کچھ جاننے کی شہادت ہے۔ اس کی ذات میں غیر محدود ارادت، طاقت، زندگی، حکمت، حسن، محبت، پاکیزگی اور سرور کے خزانے موجود ہیں۔ ....

یہ سارے بھید کھل جانے پر جگیاسو کے وجود کا عملی پہلو سوال کرتا ہے کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ کیا صرف اتنا جان کر چھٹی ہوئی کہ میں آتما ہوں، سارا جگت میرا سوبھاوک چمتکار ہے، اور جگت میں ہر ایک جزو اپنے کُل کے لئے جیتا ہے۔ جو روشنی طاقت میں تبدیل نہیں ہو سکتی وہ سراسر دھوکا ہی ہے، اور جو علم اپنا عملی پہلو نہیں رکھتا وہ بھی بے سود دل لگی کے سوا کچھ نہیں۔ واقعی روشنی میں رنگ اور طاقت دونوں موجود رہتے ہیں۔ اسی طرح وہی گرہن سچا گیان ہے جو بھاؤ (جذبے) اور کرم (عمل) میں ظاہر ہو۔ ورنہ وہ زندہ گیان نہیں بلکہ اس کی بے جان اور پھیکی سی تصویر ہے، آتم گیان صرف دماغی شے نہیں بلکہ وہ زندہ روشنی ہے جو دماغ سے گزر کر دل کو آباد کرتی ہے، اسے عالمگیر محبت، کامل پاکیزگی، بے حد نیکی، انتہا بردباری اور غیر فانی مسرّت کے رنگوں سے رنگ دیتی ہے، اور پٹھوں کے اندر عملی طاقت کی وہ بجلی بھر دیتی ہے جس کی طرف آسمانی بجلی بھی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتی"۔ (ص ۲۲-۲۰)

(۱۲) پوتھی گیان پرکاش۔ مولفہ منشی گلزاری لال۔ مطبع نول کشور لکھنؤ۔ بار دوم ۱۹۲۸ء ص ۷۰۔ یہ رسالہ تین ابواب پر مشتمل ہے:-

باب اول :۔ اوصاف اچار دبچار ونیم ودھرم وغیرہ "
باب اول :۔ اوصاف چاروں ویدوں وغیرہ اور چاروں برن اور چاروں آسرم وغیرہ"
باب سوم :۔ اوصاف گیان ودھیان وغیرہ۔"

(۱۳) جیون چرتر سوامی رام کرشن پرمہنس :۔ جس کو کار پردازان پستک بھنڈار، لاہور نے پروفیسر میکس مولر کی انگریزی تصنیف (LIFE AND TEACHINGS OF SWAMI RAM KRISHNA PARMAHANS) اور چند مستند بنگالی تصانیف سے اقتباس کر کے گردھر اسٹیم پریس، لاہور میں چھپوایا۔ ۱۹۲۵ء ص ۱۴۹۔

سری رام کرشن کی تعلیمات زیادہ تر ان کے اقوال میں پیش کی گئی ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں :۔

"جب تک شہد کی مکھی کنول کے باہر پھرتی ہے اور شہد کا مزہ چکھا نہیں ہوتا تب تک وہ ہوں ہوں کرتی رہتی ہے۔ لیکن جب وہ کنول کے اندر بیٹھ کر امرت پینا شروع کر دیتی ہے تو بالکل خاموش ہو جاتی ہے اسی طرح آدمی جب تک مسئلہ مسائل کے بحث مباحثہ میں الجھا رہتا ہے تب تک اس نے حقیقی ایمان کا امرت (آب کوثر) چکھا نہیں ہوتا۔ لیکن جب وہ آب کوثر کو منھ لگا لیتا ہے تو پھر خاموش ہو جاتا ہے" (ص ۷۰)

"جس عورت کا ایک بادشاہ عاشق ہو وہ ایک ٹکڑا گدا کی محبت قبول نہیں کرتی۔ اسی طرح جس روح نے خدا کی نظر عنایت حاصل کر لی ہے اسے دنیا کی خفیف چیزوں کی حاجت نہیں رہتی۔" (ص ۷۱)

" عابد کی طاقت کیا ہوتی ہے؟ وہ خدا کا بچہ ہوتا ہے اور آنسو اس کی زبردست طاقت ہوتے ہیں" (ص ۷۳)

(۱۴۱) مہاراج سری کرشن اور ان کی تعلیم :- از لالہ لاجپت رائے۔ مطبوعہ ہندوستانی برقی پریس، لاہور، ۱۹۰۰ء۔ ص ۲۲۳۔

اس کتاب کا حوالہ دو بار پہلے گزر چکا ہے۔ اس میں سری کرشن کی تعلیم کو بیان کرتے ہوئے مولف نے "کرشنا ازم" کی اصطلاح پر اعتراض کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ سری کرشن نے کسی مذہب کی بنیاد نہیں رکھی۔ وہ لکھتے ہیں :-

"یہ لفظ ان انگریزی خواں ہندوؤں کی ایجاد ہے جو باوجود اپنی انگریزی تعلیم کے پورانک ہندومت کے اس حصے کے قائل ہیں جس کو ہندوؤں کی بول چال میں وشنو دھرم کہا جاتا ہے۔ شاید ساری سنسکرت لٹریچر میں کوئی لفظ ایسا نہیں ملے گا جو مذہب عیسوی، مذہب محمدی اور بودھ دھرم کی طرح کرشن کے نام کے ساتھ کسی مذہب یا دھرم کا سمبندھ ظاہر کرتا ہو۔ کرشن کے انگریزی خواں مداحوں نے سنسکرت لٹریچر کی اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش میں کرشن کے نام پر ایک مذہب کی بنیاد ڈالی ہے جس کو وہ "کرشنا ازم" کہہ کر پکارتے ہیں، ورنہ سنسکرت لٹریچر کے مطالعے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن نے نہ تو کسی مذہب کی بنیاد ڈالنے کا دعویٰ کیا اور نہ اس نے کسی ایسے مذہب کی تعلیم دی جو مناسب طور پر اس نام سے منسوب کیا جا سکے ...... پراچین ہندومت میں اعلیٰ ترین خوبی یہی ہے کہ اس کی بنیاد کسی انسان کی تعلیم پر نہیں۔" (ص ۲۰۳)

"خلاصۂ کلام یہ کہ ہماری رائے میں کرشن مہاراج نے کوئی دھرم نہیں چلایا جس کو ہم ان کے نام سے منسوب کریں، اور اس لئے لفظ "کرشنا ازم" کا اطلاق ان اپدیشوں پر ہے جو کرشن مہاراج نے وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ارجن اور دیگر سمبندھیوں کو دیئے اور جن پراچین ویدک گرنتھوں کی نشکام

فلاسفی پر زور دیا گیا ہے، تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ گو "کرشنا ازم" کسی خاص مذہب کا نام نہیں جس کو کرشن مہاراج نے چلایا، مگر اس میں کلام نہیں کہ نشکام دھرم کا جس قدر پرجوش اُپدیش کرشن مہاراج کے کلام میں ملتا ہے اسی قدر زور وشور سے اس کی تلقین دیگر رشیوں اور مُنیوں کے کلام میں نہیں ملتی۔ بھگوت گیتا کے مختلف ادھیائے گو مختلف مضامین پر حاوی ہیں، لیکن سب کا خاتمہ نشکام دھرم کی تعلیم پر ہوتا ہے۔ مہابھارت میں بھی کرشن مہاراج کے مختلف اقوال میں نشکام دھرم سب پر دھان ہے۔ ان کی ہر ایک تقریر کا لب لباب یہی ہے ......" (ص ۲۰۷)

(۱۵) پریم ساگر منظوم :- از شنکر دیال فرحت۔ مطبع ثمر ہند (مقام درج نہیں) ۱۲۸۰ھ ص ۵۹۔

(۱۶) پوتھی موکش گیان :- مولفہ جے گوپال۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۲۸۴ھ۔ ص ۲۰۔
اس مختصر رسالے میں موکش یعنی نجات حاصل کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ پیرایہ سوال وجواب کا ہے۔

اخلاقی کتابیں

خالص مذہبی کتابوں کے علاوہ ہندوؤں نے اپنے مذہبی اخلاق پر بھی بہت سی کتابیں اردو میں لکھی ہیں۔ ذیل میں صرف ان کتابوں کا ذکر ہے جو مجھے دستیاب ہو سکیں۔

(۱) بھرتری شتک :- مترجمہ بابو جگ بنس رائے۔ ودیا ساگر پریس، علی گڑھ ۱۹۰۱ء ص ۵۹۔

اس کتاب میں تین باب ہیں۔ پہلا اخلاقی مضامین پر مشتمل ہے اور اس میں بھرتری ہری کے ایک سو گیارہ اقوال درج ہیں۔ دوسرے باب میں عاشقانہ مضامین پر ننانوے کبِت ہیں، اور تیسرے میں جو زہد سے متعلق ہے ایک سو گیارہ مقولے ہیں۔ ترجمہ بھرتری ہری کی

اصل سنسکرت کتاب "بھرتری شتک" سے کیا گیا ہے۔

بھرتری ہری، اُجین کے راجہ تھے۔ ایک خاص واقعے کا اثر ان کے دل پر اتنا شدید ہوا کہ وہ تخت و تاج سے دست بردار ہو کر فقیر ہو گئے۔ مترجم لکھتا ہے کہ:-

"وہ واقعہ یہ تھا کہ ان کو ایک فقیر نے ایک پھل دیا اور یہ کہا کہ اس کے کھانے سے ساری بیماریاں دور ہوں گی۔ راجہ نے محبت کے مارے وہ پھل اپنی رانی کو دے دیا۔ رانی کی آشنائی کوتوال سے تھی۔ اس نے اس کو وہ پھل دے دیا۔ پھر اس کی بھی ایک رنڈی سے آشنائی تھی۔ اس نے اس کو دیدیا۔ رنڈی نے اس خیال سے کہ ہمارا راجہ بڑا نیک ہے پھر لا کر وہی پھل راجہ کی نذر کیا۔ اس کو دیکھ کر راجہ کو گیان ہوا اور اس نے یہ فقرہ جو اگلے صفحہ پر ہے کہتے ہوئے دنیا ترک کر دی۔ (ص ۱)

جس فقرے کا حوالہ دیا گیا ہے وہ پہلے باب کا دوسرا مقولہ ہے، اور یہ ہے:-

"لعنت ہے اس جورو پر جس کی عصمت اور پاکدامنی پر اعتماد کلی رکھ کر اپنا دل و جان و مال سب نثار کر دیا تو بھی اغیار سے ملنے کی تمنا رکھی اور لعنت ہے اس بدبخت پر کہ جس پر ایک مہارانی خود فدا اور عاشق ہے، وہ نامطمئن رہ کر ایک زن بازاری کے عشق میں ہے۔ اور نفرین ہے اُس ارباب نشاط پر جس نے اپنے ایسے طالب کو چھوڑ مجھے چاہا۔ اور ہزار ہزار لعنت ہے خود مجھ اندھے بدبخت پر کہ پھر بھی ایسی دم باز جورو کے پھندے میں پھنسا رہ کر خوش رہتا ہوں۔ اور بہتر لاحول ہے اس مردود نفس شیطان پر کہ جو یہ سب فعل مذموم کراتا ہے" (ص ۲)

بھرتری ہری۔ کے حکیمانہ اقوال میں سے چند نمونے کے طور پر یہاں درج کئے جاتے ہیں:-

"کوشش و تدابیر سے ریگ میں سے روغن برآمد کرنا، سراب سے آب نوش

کرنا، جستجو سے شاخ خرما دستیاب ہو جانا ممکنات سے ہیں۔ ولےکم عقل دنیا پرست کے دل کو جو کمند حرص و ہوا میں گرفتار ہے آزاد کرانا محال ہے۔"

"جو کوئی بد دل میں قطرات پند و نصائح کہ مثل آب حیات ہیں ٹپکا کر ان کو راہ راست اور نکوئی کی طرف رجوع کرنے کی امید کرتا ہے۔ وہ ناصح گویا فیل دماں کو ریسمان خام سے باندھنا، اور لعل بدخشاں اور یاقوت رمانی میں سرس کے پھول کی نازک پنکھڑی سے روزن کرنا، اور بحر شور کو ایک قطرۂ شہد سے شیریں کرنا چاہتا ہے" (ص ۳)

"لایق اور شریف بزرگوں کی مثل گل دو صورتیں ہوتی ہیں۔ یا تو بنی آدم کے سر پہ تاج بن کر خوشنما معلوم ہوں، یا گلبن ہی میں خشک ہو کر غائب ہو جاویں" (ص ۷)

"صیقل سے سڈول اور خراد کیا ہوا لعل و جواہر، جنگ میں فتح یاب سپاہی جو جفاکشی سے لاغر ہو گیا ہو، مدہوشی کے بعد ہوش میں آیا ہوا فیل، موسم سرما میں جس کا پاٹ کم رہ گیا ہو وہ دریا، ماہ ہلال، نازک بدن نوخیز محبوبہ، اور کرم و خیرات سے مفلس ہوا سخی، ان سب کی زیبائش لاغری ہے" (ص ۹)

"خواہ ذی علم اور ہنر مند ہی کیوں نہ ہو بد سرشت کی صحبت سے بچنا ہی درست ہے۔ غور کرو کیا بیش قیمت مہرہ رکھنے والا افعی خوفناک نہیں ہوتا" (ص ۱۰)

"صاحب دلوں کا دل آسودگی کے زمانے میں تو یاسمن سے بھی نازک تر ہوتا ہے، ولے ایام مصیبت میں سنگلاخ سے بھی سخت تر ہو جاتا ہے" (ص ۱۰)

علہ اقبال نے اسی قول کا مفہوم اس شعر میں ادا کیا ہے جو بال جبریل کے شروع میں درج ہے ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر ؎ مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

"قطرۂ آب آہن گرم پر پڑ کر اک دم میں خشک ہو جاتا ہے، اور برگ نیلوفر پر دانۂ دُر کی طرح خوشنا نظر آتا ہے، اور دہن صدف میں قطرۂ ابر نیساں گر کر شاہوار دُرِ یتیم بن جاتا ہے۔ حاصل آنکہ ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ ہر ثمرہ درجہ صحبت سے حاصل ہوتے ہیں۔ (ص ۱۲)

"خواہ بحر عمیق میں غوطہ زن ہو، خواہ کسی کوہ بلند کی چوٹی پر جا بیٹھو، خواہ کسی جنگ عظیم میں دشمن پر فتح یاب ہو، اور خواہ کاروبار زراعت و دیگر شے مثل تجارت و ملازمت وغیرہ میں مبتلا رہو، خواہ ہوا میں مثل پرندوں کے باحتیاط و ہوشیاری کمال پرواز کرتے پھرو، امر شدنی کہیں بھی ٹل نہیں سکتا، اور جو ناشدنی ہے وہ کہیں ہو نہیں سکتا۔" (ص ۱۸)

(۲) **بھرتری ہری شتک**:۔ مترجمہ بابو راجیشور ناتھ زیبا۔ امرت الکٹرک پریس، لاہور سنہ درج نہیں۔ ص ۸۰۔

یہ بھرتری ہری کی مذکورہ بالا کتاب کا دوسرا اردو ترجمہ ہے۔

(۳) **گلدستۂ تہذیب**:۔ مولفہ بابو کالی چرن۔ روہیلکھنڈ لٹریری سوسائٹی پریس بریلی، ۱۸۶۹ء۔ ص ۸۰۔

اس میں تہذیب اخلاق پر متعدد اسباق ہیں۔

(۴) **جوہر تہذیب**:۔ مصنفہ رائے جواہر سنگھ صاحب جوہر وکٹوریہ پیپر پریس، سیالکوٹ سنہ درج نہیں۔ ص ۱۶۔

یہ ایک منظوم رسالہ ہے جس میں اچھے اخلاق کے حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نظم میں کوئی خاص خوبی نہیں۔

(۵) **طلسم اخلاق**:۔ مولفہ پنڈت سری کرشن۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۶ء۔ ص ۹۲۔

اس کتاب میں مولف نے ہندوؤں کے مذہبی اخلاق کے علاوہ اسلامی اور مسیحی اخلاق

کے مضامین بھی نقل کئے ہیں۔ اس کا مقدمہ ہندوستان کی موجودہ صورت حال کے لحاظ سے قابل غور ہے۔ پنڈت سری کرشن لکھتے ہیں :۔

"راقم نے کتب شرعی اہل ہنود و اسلام و عیسائی و دیگر کتب علماء سے چند مسائل اس غرض سے اس کتاب میں یکجا کئے ہیں تاکہ دوستوں کو ان امور مذہبی کی آگاہی بلا دقت ہو سکے جو واسطے درستی اخلاق کے ہر انسان کو جاننے لازم ہیں جس وقت کہ ان مسائل کو مختلف مذہبوں کی کتب سے یکجا کر کے ایک مقام پر دیکھا جاتا ہے اس وقت باہم کا نفاق جو مختلف فرقوں میں اہل ہند کے واقع ہے بے بنیاد محض پایا جاتا ہے۔ اس کتاب کی سیر کرنے سے ہر شخص صاحب فہم کہہ سکتا ہے کہ اصل میں کوئی وجہ نا اتفاقی نہیں ہے۔ ہر طریقے میں مسائل درستی اخلاق ایسے عمدہ طور پر لکھے گئے ہیں کہ کوئی اس میں اختلاف نہیں کر سکتا ہے، حتیٰ کہ بعض مقام پر لفظ بہ لفظ مسائل مطابق ہوتے ہیں خیرات کرنا، نیکی کرنا، کسی سے بدی نہ کرنا، غصہ نہ کرنا، دنیا کی لذات میں گرفتار نہ ہونا، تحصیل علم کرنا، حیات کو بے ثبات تصور کرنا، خدا کو برحق سمجھنا، فرائض مذہبی کو انجام دینا، راست بازی ہر مذہب میں لکھا ہے۔ اگر ان اوراق چند سے جو واسطے ملاحظہ اپنے دوستوں کے میں پیش کرتا ہوں، بنیاد اس اتفاق باہمی کی قائم ہو جس کی ہندوستان میں نہایت درجہ ضرورت ہے، اور باہمی تفرقہ و نفسانیت رفع ہو تو راقم کو مسرت بے انتہا حاصل ہو گی۔"

باب چہارم میں برہمنوں کے اخلاق بیان کرتے ہیں :۔

"۱۔ کسی کو ضرر نہ پہونچانا۔ جہاں تک ممکن ہو کم سے کم جانداروں کو ضرر پہونچانا۔ طریقہ معینہ شرع کے ذریعہ سخت سے رزق بہم کرنا سوائے

ایام قحط سالی کے برہمن پر واجب ہے۔

۲۔ رزق کے واسطے قصہ و کہانی نہ کہنا، مثل عالم کے بسر کرنا، مکاری اور ریا اور رذالت سے محفوظ رہنا، یہ فرائض برہمن ہیں۔

۳۔ اگر وہ خوشی چاہے تو قناعت میں مضبوط رہے۔ جو اُس کے پاس ہے۔ اس پر کفایت کرے، کیونکہ جڑ خوشی کی قناعت ہے و جڑ تکلیف کی حرص ہے" ص ۱۱)

(۶) مشعل زندگی یعنی المعروف بہ جیبی سکھشا۔ ارتھات دکھی، مایوس اور ناکامیابیوں سے گھبرائے ہوئے آدمیوں کو دلاسا دینے، ان کو کامیابی کا راستہ دکھانے، اور نوجوانوں کی مستقبل زندگی کو روشن اور مفید بنانے اور زندگی کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے مفید ترین ہدایات کا مجموعہ" مولفہ پروفیسر جگدیش متر ورما۔ مطبوعہ مرکنٹائل پریس، لاہور ۱۹۱۷ء ص ۱۹۲۔

(۷) معدن اخلاق:۔ حصہ اول و دوم۔ مولفہ منشی چیتر بھوج سہائے بھارگو۔ مطبوعہ گیان پریس، گوجرانوالہ۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۲۷۷۔ نسخہ قدیم معلوم ہوتا ہے۔ بادامی بانسی کاغذ پر چھپا ہے۔

مولف کو اردو زبان پر اچھی قدرت معلوم ہوتی ہے۔ عبارت مندرجہ ذیل سے اس کا اندازہ ہوگا:۔

"عقلمندوں کی رائے میں مردم ناسپاس سے سگ حق شناس بہتر ہے۔ پس انسان کو کبھی اپنی اصلیت پہچان کر ہمیشہ شکر گزاری کرنا چاہئے نفس پروری سے ہنر پروری دشوار ہے۔ خلاصہ یہ کہ نفس امارہ کی اطاعت قبول کرنا انسانیت سے گزر جانا ہے۔ جو شخص گرفتار دام محبت اشیائے فانی ہے۔ اس کی یہ حالت رہتی ہے کہ کبھی تو دنیا کی نعمتیں پا کر مغرور اور غافل ہو جاتا اور کبھی بہ سبب تنگ دستی کے افسوس اور ارمان کر کے غم کھاتا ہے۔ ان دونوں حالتوں میں عمر پوری ہو جاتی ہے۔ اخیر میں جب

موت اپنے پنجے میں پھنساتی ہے وہ نادان اپنی بے وقوفی پر پچھتا کر کف
افسوس ملتا اور گئے وقت کو یاد کرتا ہوا اس جہاں فانی سے کوچ کرتا ہے
پس علم پڑھنے اور داناؤں کی صحبت میں بیٹھنے کا یہ پھل ہے کہ ابتدا سے
موت کو یاد کر کے زاد راہ کی فکر رہے اور یاد الٰہی سے غافل نہ رہے....." (ص ۱۴۷)

(۹) سادھو کی صدا :۔ "مذہب، اخلاق و طرز تمدن کے متعلق چند مفید سبق"، مولفہ بابو شیو برت لال ورمن، راجپوت پرنٹنگ ورکس، لاہور۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۱۰۴۔ آخر کے چند صفحات غائب۔

(۹) گلدستۂ ہدایت :۔ مولفہ لالہ شنکر داس۔ میکی پریس، گوجرانوالہ ۱۹۰۱ء ص ۲۳۲
اس کتاب میں قصے کہانیوں کے ذریعے سے مختلف اخلاق کی تعلیم دی ہے۔

(۱۰) اخلاق برج باشی :۔ حصہ اول۔ مولفہ رائے برج باسی لال۔ گیان پریس، گوجرانوالہ ۱۸۷۵ء بڑی تقطیع۔ ص ۵۹۔ دیباچے کی مقفی و مسجع عبارت قابل ملاحظہ ہے:

"ہو الغنی"

"شکر اور احسان ہے اس بادشاہ کا جس کا حکم کل زمین و آسمان اور
جہان و جہانیاں پر ظاہر ہے، اور جس کی سلطنت کی حد و انتہا کا بیان
زبان انسان اور قلم دو زبان سے باہر ہے۔ آبادی بایں تمادی کہ تمام
خلایق جن و ملائک اور انسان و حیوان کا شمار نہیں، اور جانوران
درند و گزند اور چرند و پرند کا کچھ حصار نہیں۔ انتظام بایں خوبی انتظام
بحر و بر اور کوہ و شجر سب اپنی اپنی جگہ پر برقرار ہیں، اور شمس و قمر
اور کواکب و اختر سب زیر و زبر روشنی کے آثار ہیں۔ عدل و انصاف
نہایت صاف کہ گوناگوں صورت اور سیرت آدمیوں کے دیدار اور
کردار سے دکھلائی دیتی ہیں، اور بوقلموں شکل اور شمائل جانوروں کی

گفتار اور رفتار سے علیحدہ علیحدہ معلوم ہوتی ہیں۔ قدرت بایں ندرت کہ کوئی حاکم کوئی محکوم، کوئی خادم کوئی مخدوم، کوئی ادنیٰ کوئی اعلیٰ ہے، اور بعض پاک بعض مذموم، بعض فیاض بعض شوم، بعض پست ہمت اور بعض بلند ہمت ۔۔۔۔۔۔۔"

تیسرے باب میں والدین کی خدمت گزاری کا حق بیان کرتے ہیں :۔

"چونکہ ماں باپ کے فرائض تمام عمر اُن کی خدمت کرنے سے کبھی ادا نہیں ہو سکتے لہذا اولاد پر فرض ہے کہ ماں باپ کی خدمت تمام عمر کیا کرے اور یہی عمدہ عبادت سمجھا کرے، کیونکہ ماں باپ کی خدمت جملہ عبادات سے افضل تر عبادت ہے، اور ان کی رضا جوئی سے سعادت اور خدمت گزاری سے جنت ہے۔ مناسب ہے کہ والدین کو اپنی خوش گفتار اور نیک کردار سے خوش کرد اور مال و متاع و زر و نقد جو کچھ ان کو ضرورت ہو بے طلب موجود اور مہیا کرو۔۔۔۔۔۔۔" (ص ۲۵)

(۱۱) مثنوی اخلاق ہندی :۔ از منشی کنھیا لال ہندی۔ مطبوعہ لاہور ۱۸۷۴ء۔ سرورق کچھ پھٹا ہوا تھا اس لئے مطبع کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ ص ۲۲۴۔

یہ مثنوی اپنی زبان کی سلاست و روانی کی بنا پر خاص توجہ اور داد کی مستحق ہے شروع میں حمد کے اکتیس شعر ہیں۔ حمد کا آغاز "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھ کر کرتے ہیں نمونہ یہ ہے:۔

بنام خداوند ملک جہاں	خبر گیر احوال خُرد و کلاں
بنا نور سے جس کے شام و پگاہ	ہوا جلوہ گر جلوۂ مہر و ماہ
اسی سے ہوا ارض و سما کا ظہور	اسی سے ہے صبح و مسا کا ظہور
اکیلا ہے وہ وحدہ لا شریک	نہیں دوسرا کوئی جس کا شریک
وہ خالق کہ ہے جس کی خلقت تمام	وہ حاکم کہ محکوم ہیں خاص و عام

وہ ستّار جو ساتر عیب ہے	وہ علّام جو عالم الغیب ہے
وہ فتاح، مشکل کشائے جہاں	وہ مشکل کشا، حامی بندگاں
یہ وحدت کہ ثانی نہیں دوسرا	یہ کثرت کہ ہے سب میں جلوہ نما

حمد کے بعد رام چندر جی اور سری کرشن جی کی مدح ہے۔ پھر نعتیہ اشعار اس عنوان سے لکھے ہیں:۔

"در نعت سرور کائنات، خلاصہ موجودات، جناب محمدؐ علیہ السلام"

شفیع جہاں رہبر خاص و عام	جناب محمّد علیہ السّلام
جناب محمد رسول امیں!	عیاں جس سے ہے علم عین الیقیں
نبی الورٰی، شاہ شاہنشہاں	امین الہدیٰ، رہبر گمرہاں
ہوئی پست فرماں جس کی زمیں	نگوں ہو اطاعت میں چرخ بریں
سراپا عرب جس کے فرماں گزار	عجم سربسر بندۂ جاں نثار

....

تیرہویں باب میں تواضع کا بیان ہے :۔

تواضع کرے جو کوئی آدمی	ہے انساں میں انساں وہی آدمی
تواضع سے عزت ہی تکریم ہے	تواضع سے حرمت ہی تکریم ہے
تواضع سے ملک دل آباد ہو	تواضع سے اندوہگیں شاد ہو
تواضع سے بدخواہ ہو نیک خواہ	تواضع سے گمراہ ہو اہل راہ
تواضع سے ہو سرد نار غضب	فرو اس سے ہووے شرار غضب
تواضع سے حاصل ہے حق کی رضا	تواضع سے ہو دور رنج و بلا

.... (ص ۱۰۵)

مجموعہ صفات انسانی :۔ جس کو لالہ لعل جی صاحب ...... نے سری بید بیاس جی

کے پورانوں سے انسان کی صفات کے باب میں ..... ترجمہ فرمایا اور واسطے استفادہ عام کے شائع کیا۔" مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۶ء ص ۴۴۔

اس مختصر کتاب میں چالیس ابواب قائم کرکے مختلف صفات انسانی کو بیان کیا ہے مثلاً راستی، پاکیزگی، رحم، حلم، سخاوت، قناعت، تسلیم الطبعی، تزکیہ نفس، مہمان نوازی وغیرہ اور عموماً ہر صفت کی تشریح کے بعد اس کی مثال میں پورانوں سے کوئی حکایت نقل کی ہے:۔

(۱۳۱) تالیف ہرگوبند:۔ مولفہ بابو ہرگوبند سہائے۔ مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۸۸۱ء ص ۱۲۹

اس کتاب میں مختلف اخلاق حسنہ کی شرح چالیس بابوں میں کی گئی ہے اور آخری باب میں متفرق پند و نصائح درج کر دئے ہیں۔ فضائل اخلاق کی تلقین کے ساتھ مختلف ممالک کی مشہور شخصیتوں کی حکایات بھی تمثیلاً شامل کردی ہیں۔ مثلاً:۔

"باب ساتواں۔ توکل میں"

"اور یہ دل اٹھانا ہے اسباب دنیا سے، اور توجہ کرنا ہے اور مدد چاہنا ہے کاموں میں مسبب الاسباب سے۔ واضح ہو کہ جس کام کو خدا کے سپرد کردیا جائے یا جو پیش آوے اس کے کرم پر اعتماد رکھا جائے وہ حسب دلخواہ ساختہ و پرداختہ ہو جاتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ کسی حالت میں رسم توکل ہاتھ سے نہ چھوڑے تاکہ بعون الٰہی اس کے کام بنتے رہیں۔

تمثیل:۔ دارالسلطنت اُجین میں ایک راجہ تھا۔ بھرتری ہری نام، دادگستر رعیت پرور، نہایت رحیم اور بدرجہ غایت کریم۔ جب کسی سائل کی صدا اس کے کان میں در آئی، اُمید بولی میں بھر آئی۔ ایک روز ایک فقیر آیا اور سلطنت کی درخواست کی۔ اُس کو بخش دی اور توکل پر بھروسا کرکے ایک سمت کی راہ لی۔ دن بھر چلا اور شام کو گوشہ صحرا میں بیٹھ رہا۔ قدرت آفریدگار سے متعدد آدمی صحرا میں نمودار ہوئے۔ انھوں نے اولاً صحن کو

صاف کرکر طرح طرح کے بچھونوں سے آراستہ کیا اور خیمے ڈیرے استادہ
کرکر مسند شاہانہ بچھادی اور جملہ سامان طرب مہیا کردیا۔ پھر راجہ کو
نہایت ادب کے ساتھ لے جاکر مسند پر بٹھایا اور دسترخوان چن کر
عرض کیا کہ یہ سب سامان آپ کے واسطے رزاق حقیقی نے سوچا ہے
راجہ نے اس کو قبول کیا اور بہت سے آدمیوں کو گرد و پیش سے بلوا کر
ان کے شامل کھانا کھایا، اور صبح کو وہ سب سامان فقرا کو دے کر اپنی
راہ لی۔ اب یہ معمول ہوگیا کہ اسی طرح ہر شام ایسا ہی سامان موجود
ہوتا اور صبح کو راجہ فقیروں کو دے دیتا کہ یہی عمل مدت العمر رہا۔ اب
خیال کرنا چاہئے کہ ایک ذرہ توکل سے کتنا رتبہ راجہ کو حاصل ہوا''۔ (ص ۱۴-۱۵)

(۱۴) گلدستہ مسرت :۔ مصنفہ برج موہن لال۔ مطبع سلیمانی، بنارس ۱۹۰۷ء ص ۲۴۔
اس چھوٹے سے رسالے میں مسرت کی حقیقت اور اس کے اسباب سے بحث کی ہے۔

(۱۵) ذخیرہ سعادت :۔ مولفہ لالہ جی۔ مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۸۷۶ء۔ ص ۴۵۔

(۱۶) روحانی کہانیاں :۔ حصہ اول۔ از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی
۱۹۱۳ء ص ۱۰۸۔

کتاب کا مضمون اس کے نام سے ظاہر ہے۔ مولف نے ہندو مذہب کی بنیادی
تعلیمات کو حکایتوں میں بیان کیا ہے۔ پہلے سادھو کی کہانی میں نجات حاصل کرنے کا طریقہ بتایا
ہے۔ سادھو کہتا ہے :۔

"مہاراج، آپ نے مجھے آگیا دی ہے کہ کام یعنی خواہش پر پہلے میں
کہانی شروع کروں۔ کام بڑی زبردست چیز ہے۔ یہ دنیا تمام کام ہی کا
پھیلاؤ ہے۔ نشکام پرش مکت کہلاتا ہے۔ سکام بندھن میں گرفتار ہے جس
نے کام کو جیت لیا اس نے بڑے زبردست دشمن پر فتح پائی۔ خواہشیں

دل میں اٹھنے نہ پائیں گی تو خوش خوش زندگی بسر ہوگی، آوا گون چھوٹ جائے گی، اور آدمی موکش پد کو پہونچے گا۔ پس سب سے مقدم کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہم کام کے سروپ کو سمجھیں۔ کام کی اہمیت ذہن نشیں ہوگئی تو اس پر فتح پانے کی تجاویز پر آسانی سے عمل درآمد ہو سکتا ہے اس سروپ کو سمجھانے کے واسطے میں مہابھارت کی پرانی کتھا آپ کو سناتا ہوں ...."

(۱۷) گیان گیتا: "المعروف بہ راہ نجات"، از پوکرداس، حصہ دوم۔ مطبع روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی، بریلی۔ ص ۴۸۔ سنہ درج نہیں۔ نسخہ بظاہر قدیم الطبع معلوم ہوتا ہے:۔

یہ ایک ترکیب بند ہے جس میں کریما (سعدی) کے اشعار کی تضمین کی گئی ہے ابتدا میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"، کے اوپر یہ عبارت درج ہے:۔ "لا الہ الا اللہ، جپت گیت ہے اسم اللہ" نظم کا نمونہ حسب ذیل ہے:۔

صد افسوس انسان دنیا میں آ پریشاں گناہوں سے اپنے ہوا
وگرنہ یہ تھا اشرف انبیاء نہ ہوتا نظر سے خدا کی جدا
پھر اب بھی جو ویسا ہی چاہے ہوا تو یہ شعر سعدی پڑھے برملا
کریما بہ بخشائے برحال ما
کہ ہستم اسیر کمند ہوا (ص ۱)

یہ لازم ہے تجھکو یہاں آن کر خدا کی عبادت سے مت پھیر سر
جو آتا ہے تجھ کو یہاں پر نظر اسی کا ہی جلوہ ہے سب سربسر
رہ عدل سے آپ کو پاک کر دروزی کو محنت سے لا اپنے گھر

تیاتے نہ دار د جہاں اے پسر
بغفلت مبہر عمر درد ے بسر

کہا مان کہتا ہوں کیا بار بار | نہ ملنے گا کہنا، بہت ہوگا خوار
نہ مغرور ہو ہونے پہ مال دار | یہ مال ہی کہے گا تجھے زہر مار
نہ کیا تو گناہوں سے رکھتا ہی عار | جو ہیں بے عدد تیرے اوپر سوار

منھ دل برین دیر نا پائدار
ز سعدی دلو کرتہیں یاد دار (ص ۴۸)

(۱۸) سادھارن دھرم:۔ جلد دوم۔ مصنفہ سوامی شیو گن جی یوگی۔ شائع کردہ شانتی آشرم، گجرات۔ ص ۱۱۲۔ سرورق کے موجود نہ ہونے سے مطبع کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

اس کتاب میں مذہب اور اخلاق کے بعض مضامین بیان کئے گئے ہیں، مثلاً تزکیہ نفس صحت جسمانی، برہمچریہ کے فوائد، مکتی حاصل کرنے کا طریقہ، صبر و استقلال، وقت کی قدر اور زندگی، مذہبی تعصبات اور روحانی غرور کی خرابیاں، وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں بعض بڑے آدمیوں کے اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں ہر زمانے اور مختلف ملکوں کے لوگ شامل ہیں۔

(۱۹) کلام مہر۔ جلد ثانی۔ از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ مفید عام پریس، لاہور ۱۹۱۰ء ص ۲۷۲۔

اس مجموعہ نظم میں جو تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے۔ مذہبی اور اخلاقی مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔

(۲۰) مہر بھجناولی۔ جلد اول۔ از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی۔ ۱۹۱۵ء ص ۲۴۸۔

یہ موبھگتی اور بیراگ کے رسیلے بھجنوں کا مجموعہ مع اردو ترجمہ" ہے۔

ہندو مذہب کے اصلاحی فرقے

(۱) کبیر پنتھ

کبیر جن کے نام سے یہ پنتھ منسوب ہے۔ بنارس میں ایک بیوہ برہمنی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اس نے لوک لاج کے ڈر سے بچے کو ایک تالاب کے کنارے ڈال دیا تھا۔ اتفاق سے نیرو نام ایک جولاہا اور اس کی بیوی نعیمہ کا گزر ادھر سے ہوا وہ رحم کھا کر بچے کو اپنے گھر اٹھا لائے اور اولاد کی طرح اس کی پرورش کی۔

کبیر کی زندگی کے حالات مستند اور معتبر طریقے سے نہیں ملتے۔ چنانچہ ان کی پیدائش اور موت کی تاریخوں میں بھی اختلاف ہے۔ پنڈت منوہر لال زتشی اپنی کتاب "کبیر صاحب" میں لکھتے ہیں۔

> "کبیر داس کی پیدائش اور موت کی تاریخوں میں اختلاف ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ زمانہ جدید کے وقائع نگاروں کا اتفاق اس پر معلوم ہوتا ہے کہ سمبت ۱۴۵۵ میں پیدا ہوئے اور سمبت ۱۵۷۵ میں وفات پائی۔ اس حساب سے ان کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوتی ہے ویسکٹ صاحب نے غالباً اسی بنا پر کبیر صاحب کی پیدائش ۱۳۹۸ء میں اور موت ۱۵۱۸ء میں بیان کی ہے"[1]

---

[1] "کبیر صاحب"، مولفہ پنڈت منوہر لال زتشی۔ شائع کردہ ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد ۱۹۳۰ء ص ۲۵

البتہ خود کبیر کے کلام میں اُن کی زندگی کے بعض مستند واقعات مل جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ جولاہے تھے، بنارس میں رہتے تھے، آخر عمر میں مگہر چلے آئے تھے، پڑھے لکھے نہ تھے اور رامانند کے چیلے تھے۔ پنڈت ترتشی نے حوالے بھی نقل کئے ہیں۔

جات جولاہا کیا کرے، ہردے بسے گوپال

(ذات کا جولاہا ہے تو کیا ہوا، دل میں گوپال بسا ہوا ہے)

تو باہمن، میں کاشی کا جولہا، بوجھو مور گیان

(تو برہمن یعنی پنڈت ہے۔ میں کاشی کا جولاہا ہوں۔ میرے گیان کو تو سمجھ)

سکل جنم شوپوری گنوایا مرتی بار مگہر اُٹھ آیا

(ساری زندگی تو کاشی میں بیتی۔ مرتے وقت مگہر چلا گیا)

کاشی میں ہم پرگھٹ بھئے ہیں رامانند چیتائے

(کاشی میں ہم پیدا ہوئے ہیں، اور رامانند نے ہم کو رموز معرفت سے آگاہ کیا ہے)

مسی کاگد چھویو نہیں، کلم گہیو نہیں ہاتھ

چار یو جگ کا مہاتم مکھہ ہیں جنائی بات

(روشنائی اور کاغذ کبھی نہیں چھوا، قلم کبھی ہاتھ میں نہیں لیا۔ لیکن چاروں جگوں کے حالات میں نے زبان سے بیان کر دئے)[1]

رامانند کے چیلے ہونے کا اشارہ محسن فانی نے بھی "دبستان مذاہب" میں کیا ہے۔ بیراگیوں کے حال میں کبیر کا ذکر یوں شروع کرتے ہیں:-

"کبیر جولاہہ نژاد کہ از موحدان مشہور ہندست بیراگی بودہ۔ گویند کبیر در ہنگام مرشد جوئی پیش کاملان مسلمان و ہندو رفت۔ آنچہ می جست نہ یافت۔ سرانجام کسے او را دلالت بہ پیر روشن رواں رامانند برہمن نمود۔"[2]

---

[1] "کبیر صاحب"، مولفہ پنڈت منوہر لال ترتشی، شائع کردہ ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء ص ۵۲

[2] " " " " " " " " ص ۱۵

راما نند نے کبیر کو ہندو فلسفے اور مذہب کی تعلیم دی۔ لیکن چیلے ہونے کے بعد بھی کبیر نے رسمی طور پر ترک دنیا نہیں کیا بلکہ بدستور جولاہے کا پیشہ کرتے رہے۔ کچھ دنوں گرو کی صحبت میں رہنے کے بعد وہ دور دراز مقامات کی سیاحت کو نکل گئے اور بہت سے ہندو سادھوؤں اور مسلمانوں صوفیوں سے ملے۔ اُن کے عقائد کے متعلق پنڈت زتشی کا بیان ہے :-

"کبیر صاحب کا کلام ظاہر کرتا ہے کہ اُن کے دل و دماغ پر اسلام کا اثر کافی تھا۔ جہاں وہ اسلام کے بعض رسم و رواج کا مذاق اڑاتے تھے وہیں اسلام کے بعض عقائد سے وہ ضرور متفق تھے۔ توحید کی تلقین، بت پرستی کی مذمت ذات پات اور چھوت چھات سے انکار جس طرح کبیر صاحب کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مروجہ ہندو مذہب سے اختلاف کرنے کی ضرور ایک وجہ یہ تھی کہ ان باتوں میں انھوں نے اسلام کا اثر قبول کیا تھا۔۔۔ ۔۔۔۔۔اور کبیر صاحب پر کیا موقوف ہے، اسلام کے عقائد اور اسلام کی مثال کا اثر ہندوؤں پر شمالی ہندوستان میں عالم گیر تھا۔ مسٹر مہادیو گوبند رانا ڈے کی رائے ہے کہ شمالی اور جنوبی ہندوستان میں ہندوؤں کے بعض رسم و رواج میں جو بیّن فرق نظر آتا ہے خصوصاً شودروں اور اچھوتوں کے ساتھ شمالی ہندوستان میں جو کم سختی برتی جاتی ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ شمالی ہندوستان میں اسلام کا اثر گہرا اور دیرپا تھا"[۱]

کبیر کے مذہب کی نسبت ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں :-

"کبیر کا مشن مذہب محبت کی تبلیغ کرنا تھا۔ جو تمام ذاتوں اور فرقوں کو متحد کردے۔ انھوں نے ہندو مذہب اور اسلام کی ان خصوصیات کو مسترد کردیا جو مذہب کی اس روح کے خلاف تھیں اور جو فرد کی حقیقی روحانی فلاح کے

[۱] "کبیر صاحب" (ص ۶۷-۶۸)

لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ انھوں نے دونوں مذہبوں کے مشترک
اور مماثل عناصر کا انتخاب کرلیا تھا۔ اُن کو ہندو مسلمانوں کے فلسفیانہ افکار
اور مذہبی عقائد و رسوم میں مماثلت معلوم ہوئی۔ وہ سنسکرت اور فارسی
دونوں زبانوں کے الفاظ استعمال کرتے تھے، اور ان کا کلام دیسی
زبان کی دونوں شکلوں یعنی ریختہ اور ہندی بھاشا میں ہے۔ وہ مذہب کی
داخلیت پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے، اور بے لاگ طریقے سے
ہندو مسلمان دونوں کی رواج و دستور کی پابندی کو بُرا بھلا کہتے تھے
انھوں نے دونوں مذہبوں کی تفریق کو سوچ سمجھ کر ترک کردیا تھا
اور ایک درمیانی راہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے"[1]

"انھوں نے ہندوؤں سے اُن چیزوں کے چھوڑ دینے کو کہا جن کے ترک
پر بودھ کے زمانے سے ہر مصلح زور دیتا آیا تھا۔ یعنی رسمی قربانی،
ساحرانہ طاقتوں کی خواہش، زبانی پرستش، مروجہ عقائد کو زبان
سے دہراتے رہنا، تیرتھ یاترا، برت، بتوں اور دیوی دیوتاؤں
کی پوجا، براہمنوں کا اقتدار اعلیٰ، ذات پات کی تفریق، چھوت
چھات اور کھانے پینے کے معاملے میں تعصب۔ وہ علانیہ اوتاروں
کے عقیدے کی مذمت کرتے تھے ....

مسلمانوں سے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ اپنا الگ تھلگ رہنا
ایک پیغمبر اور اس کی کتاب پر آنکھ بند کرکے ایمان رکھنا، مذہبی
رسوم کے ظواہر کا پابند ہونا، مثلاً مکہ کا حج کرنا، روزے رکھنا اور
باضابطہ نماز پڑھنا ترک کردیں، نیز اولیاء اور پیر پیغمبروں کی پرستش

---

[1] "ہندوستانی تہذیب پر اسلام کا اثر" (انگریزی) ص ۱۵۰۔

سے باز آئیں ۔۔۔۔۔۔۔"[1]

قطع نظر اس غلط خیال کے کہ مسلمان پیر، اولیا اور پیغمبروں کی پرستش کرتے ہیں۔ اس آخری بیان سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مسلمانوں کا سا نام رکھنے اور ایک مسلمان جولاہے کے گھر میں پرورش پانے کے باوجود کبیر حقیقتہً مسلمان نہ تھے بلکہ صرف موحد تھے۔ مسلمان ہونے کے لئے خدا کی وحدانیت پر ایمان لانا ہی کافی نہیں، بلکہ محمدؐ رسول اللہ صلعم کی رسالت کا اقرار بھی لازمی ہے۔ کبیر کا ایمان بالرسالت کہیں ظاہر نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے وہ مسلمانوں کو آنحضرت صلعم اور قرآن مجید کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے روکتے ہیں، اور ان کو نماز، روزہ اور حج سے جو اسلام کے اہم ترین ارکان ہیں باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان فرائض کو وہ مذہب کی ظاہری رسمیں سمجھتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ کبیر موحد تھے اور خدا کی محبت میں اپنے آپ کو فنا کردینا ہی ان کا اصلی مذہب تھا۔ اسی کی تلقین وہ ہندو اور مسلمان دونوں کو کرتے تھے۔ مگر جس سلسلے کے وہ مرید تھے، یعنی رامانند اور ان سے پانچ پشت اوپر رامانج تک، اس کے تمام مرشدوں کا یہی مذہب تھا اور وہ سب بھگوت بھگتی ہی کے مبلغ تھے۔ ان ہندو موحدوں کے بہرحال ہندو ہونے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ برہمو سماج، آریہ سماج، رادھا سوامی مت، ان سب کے پیرو بھی ہندو ہی ہیں، حالانکہ خدا کی وحدانیت کے سب قائل ہیں اور بت پرستی کی مخالفت میں سب متفق۔

کبیر کی زبان کبیر کے زمانے یعنی پندرہویں صدی عیسوی میں وہ زبان جو آج ہندستانی یا اردو کے نام سے مشہور ہے اپنے عہد طفولیت میں تھی اور اس میں پراکرت یعنی مقامی بولیوں کے الفاظ بکثرت پائے جاتے تھے۔ مسلمانوں کی آمد سے عربی، فارسی الفاظ کی آمیزش ہوتی جارہی تھی، لیکن غلبہ ہندی لفظوں کا تھا چنانچہ اس

---

[1] "ہندوستانی تہذیب پر اسلام کا اثر" (انگریزی) ص ۱۶۴-۱۶۳۔

زمانے کے صوفیائے کرام بھی اپنے ملفوظات اور تصنیفات میں جو عوام کے لئے ہوتیں۔ ہندی ہی زبان استعمال کرتے تھے۔ ڈاکٹر تاراچند نے کبیر کے کلام کا ذکر کرتے ہوئے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ ریختہ اور ہندی بھاشا دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ تو ریختہ سے اس عہد کی وہی زبان مراد ہے جس میں عربی فارسی کے الفاظ نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ کبیر کی زبان کے متعلق پنڈت زتشی لکھتے ہیں:۔

"بھاشا کے ماہروں کی رائے ہے کہ کبیر صاحب کی زبان پچ میل مٹھائی ہے اس میں برج بھاشا، کھڑی بولی، پنجابی، راجستھانی، سبھی کے الفاظ ملتے ہیں۔ انھوں نے خود کئی جگہ کہا ہے کہ میری بولی پوربی ہے، گو یہ کہنا مشکل ہے کہ پوربی سے ان کی مراد کیا تھی۔ مگر یہ بات تو ان کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے کہ بہاری محاوروں اور بہاری لہجے کا ان پر کافی اثر تھا۔ اس پچ میل مٹھائی کے غالباً دو سبب ہیں۔ اول یہ کہ کبیر صاحب پڑھے لکھے نہ تھے، اس واسطے اُن کی زبان اور دیاکرن (صرف و نحو) میں استقلال نہ تھا۔ اپنی طویل سیر و سیاحت میں وہ ملکوں ملکوں پھرے تھے اور ہر جگہ کے سنتوں اور درویشوں سے اُن کی صحبت رہی تھی، اس واسطے مختلف صوبوں اور ملکوں کی زبان اور لہجے کا اثر انھوں نے قبول کر لیا تھا۔ دوسری بات یہ کہ وہ زبان کی صحت اور دیاکرن اور پنگل کے قواعد کی پروا نہیں کرتے تھے جس موقع پر جس لفظ سے ان کا مطلب عمدہ طور سے ادا ہوتا تھا، جہاں پر جو لفظ جس شکل میں ان کی شاعری میں کھپ جاتا تھا، وہاں اس کو بے تکلف استعمال کر جاتے تھے۔ ان کو اپنے خیالات کے اظہار سے مطلب تھا، نہ عروض کے قاعدوں سے، نہ گرامر کے ضبط سے۔ ع

شعر می گویم بہ از آب حیات   من نہ دانم فاعلاتن فاعلات

فارسی عربی کے الفاظ تو چند کوی کے یہاں بھی ملتے ہیں۔ کبیر کے زمانے میں مسلمانوں کو ہندوستان میں آئے ہوئے کئی صدیاں گزر چکی تھیں اور روزمرہ کے کاروبار میں سیکڑوں الفاظ فارسی عربی کے رائج تھے۔ کبیر صاحب ان الفاظ کو بے دھڑک استعمال کرتے ہیں۔

(۱) اوگن کئے تو بہو کئے کرت نہ مانی ہار
بھاوے بندہ بکسئے، بھاوے گردن مار
(گناہ تو بہت کئے اور کرتے ہوئے ہار نہ مانی۔ چاہے بندے کو بخشئے چاہے گردن ماریئے)

(۲) چلن چلن سب کوئی کہیں، مو ہے اندیسا اور
صاحب سے پری چے نہیں پہنچیں گے کوہی ٹھور
(چلنے کو سب لوگ کہتے ہیں، مجھے اور ہی اندیشہ ہے۔ صاحب سے جان پہچان تو ہے نہیں کیسے پہونچیں گے)

(۳) پد جوڑے، ساکھی کہے، سادھن پری گئی رووس (روش)
کاڑھا جل پیوے نہیں، کاڑھ پین کی ہوس
(پد جوڑتا ہے، ساکھی کہتا ہے، اس کی عادت پڑ گئی ہے۔ بھرا ہوا پانی نہیں پیتا۔ بھر کر پانی پینے کی ہوس ہے)

(۴) آب (آبرو) گئی، آدر گیا، نین گیا سنیہ
یہ تینوں تب ہی گئے جب ہی کہا کچھ دیہہ
(آبرو گئی، عزت گئی، آنکھوں سے مروت گئی۔ جب کسی سے کچھ مانگا تو یہ تینوں چیزیں جاتی رہیں)

(۵) اکل (عقل) ارس (عرش) سے اوتری بدھنا دینہی بانٹ
(عقل عرش سے اتری۔ خدا نے بانٹ دی)[1]

مندرجہ بالا مثالوں کے علاوہ ذیل میں کبیر کے چند اور دوہے بھی پنڈت زتشی کی کتاب

---

[1] کبیر صاحب"، ص ۳۳-۱۳۰

سے ترجمے کے ساتھ) نقل کئے جاتے ہیں۔ اِن سے اُس زمانے کے "ریختہ" کی کیفیت بھی معلوم ہوتی ہے۔ اور کبیر کی تعلیمات پر بھی روشنی پڑتی ہے:۔

توحید توحید اور بھگتی، یہی دو خاص موضوع کبیر کی تلقینات کے ہیں۔ ان کو طرح طرح سے بیان کیا ہے۔ توحید کی تعلیم دیتے ہوئے کہتے ہیں :۔

صاحب میرا ایک ہے، دوجا کہا نہ جائے
دوجا صاحب جو کہوں، صاحب کھرا رسائے

(میرا مالک ایک ہے، دوسرا نہیں کہہ سکتا۔ اگر دوسرا مالک کہوں تو میرا مالک مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔)

جیوں تل ماہیں تیل ہے، جیوں چکماپ میں آگ
تیرا سائیں تجھ میں بسے، جاگ سکے تو جاگ

(تیرا مالک تجھ میں اس طرح ہے جس طرح تل میں تیل اور چقماق میں آگ۔ اگر تو جان سکے تو جان)

جیوں نینن میں پوتری، تیوں کھالک گھٹ ماہیہ
مورکھ لوگ نہ جانہیں، باہر ڈھوڈھن جاہیہ

(خالق دل میں اسی طرح ہے جس طرح آنکھ میں پتلی۔ بیوقوف لوگ جانتے نہیں، باہر ڈھونڈتے پھرتے ہیں)

کھالک کھلک، کھلک میں کھالک — سب گھٹ رہو سمائے

(خالق ہے خلق میں اور خلق ہے خالق میں سبھوں میں وہ سمایا ہوا ہے)

موکو کہاں ڈھونڈھے بندے میں تو تیرے پاس میں
نا میں دیول، نا میں مسجد، نا کعبے کیلاس میں

(اے بندے مجھے کہاں ڈھونڈتا ہے، میں تو تیرے پاس ہوں۔ نہ میں مندر میں ہوں نہ مسجد میں، نہ کعبہ میں نہ کیلاش میں)

پاہن پوجے ہری ملیں، تو میں پوجوں پہار
تا تے یہ چاکی بھلی، پیس کھائے سنسار

(اگر پتھر پوجنے سے خدا ملتا تو میں پہاڑ کو پوجتا۔ اس سے تو چکّی اچھی ہے جس سے لوگ پیس کر کھاتے ہیں)

کرتا ایک اور سب باجی (بازی)
نا کوئی پیر، مسایکھ (مشائخ)، کاجی (قاضی)

(کرنے والا ایک ہے، اور سب کھیل ہے۔ نہ کوئی پیر ہے نہ مشائخ نہ قاضی)

کبرا سوئی پیر ہے جو جانے پر پیر
جو پر پیر نہ جانئے سو کا پھر بے پیر

(کبیر وہی پیر ہے جو دوسروں کی تکلیف کو جانے۔ جو دوسروں کی تکلیف نہیں جانتا وہ کافر بے پیر ہے)

لوٹ سکے تو لوٹ لے ست نام کی لوٹ
پیچھے پھر پچھتاوگے، پران جائیں گے چھوٹ

(ست نام کی لوٹ جہاں تک بنے لوٹ لو، ورنہ مر جاؤگے تو پچھتاؤگے)

بھگتی

بھگتی اور پریم کبیرؔ کا دوسرا محبوب موضوع ہے۔ خدا تک رسائی صرف عقیدت اور محبت کے ذریعے سے ممکن ہے۔ لیکن بھگتی کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ نشکام اور بے لوث ہو۔ کہتے ہیں:۔

جب لگ ہی بیکنٹھ کی آسا
تب لگ نہ ہری چرن نواسا

(جب تک بہشت کی امید ہے تب تک ہری کے قدموں کے نیچے نہیں رہ سکتے)

جب لگ ناتا جگت کا تب لگ بھگت نہ ہوئے
ناتا توڑے ہری بھجے بھگت کہاوے سوئے

(جب تک دنیا سے تعلق ہے۔ اس وقت تک بھگت نہیں ہو سکتا۔ جو دنیا سے قطع تعلق کر کے

خدا کو یاد کرے وہ بھگت کہلائے گا)

جل جیوں پیارا ماچھری ، لوبھی پیارا دام
ماتا پیارا بالکا ، بھگت پیارا نام

(مچھلی کو جس طرح پانی پیارا ہوتا ہے اور لالچی کو روپیہ ، جس طرح ماں کو بچہ پیارا ہے اسی طرح بھگت کو ایشور کا نام)

اور کرم سب کرم ہے ، بھگتی کرم نش کرم
کہے کبیر پکار کے بھگتی کرو تج دھرم

(اور سب کرم مطلب کے ہیں ، بھگتی کا کرم بے غرض ہے۔ کبیر پکار کر کہتا ہے۔ دھرم کو چھوڑ کر بھگتی کرو)

کبیر بھاٹی کلال کی ، بہوتک بیٹھے آئے
سر سونپے سوئی پیوے نہیں تو پیا نہ جائے

(کبیر ، کلوار کی ایک بھٹی ہے۔ بہت لوگ آ کر بیٹھے۔ جو اپنا سر دے وہ پیئے ورنہ پی نہیں سکتا)

جب میں تھا تب گورو نہیں ، جب گورو ہے ہم نا نہہ
پریم گلی ات سانکری تا میں دو نہ سمانہہ

(جب میں تھا تب گرو نہ تھا ، جب گرو ہے میں نہیں ہوں۔ یعنی جب تک مجھ میں خودی تھی ، اُس وقت تک گرو کا پریم حاصل نہیں ہوا تھا۔ جب گورو کا پریم حاصل ہوا تو خودی جاتی رہی۔ پریم کی گلی اتنی تنگ ہے کہ اس میں دو نہیں سما سکتے)

پیا چاہے پریم رس ، رکھا چاہے مان
ایک میان میں دو کھڑگ دیکھا سنا نہ کان

(تو پریم رس پینا چاہتا ہے اور خودی کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ ایک میان میں دو تلواریں نہ دیکھیں نہ کان سے سنیں)

راتا ماتا نام کا پیا پریم اگھائے
متوالا دیدار کا مانگے مکت بلائے

(نام میں محو ہے، نام میں مست ہے، پریم کا پیالہ سیر ہو کر پی لیا ہے۔ وہ دیدار کا متوالا ہے۔ اس کی بلا مکتی مانگے۔ یعنی عاشقانِ الٰہی مکتی یا نجات سے بھی بے نیاز ہیں)

پریتم کو پتیاں لکھوں جو کہوں ہوئے بدیس
تن میں، من میں، نین میں تا کو کہاں سندیس

(اگر محبوب پردیس میں ہو تو اس کو خط لکھوں۔ وہ تو میرے بدن میں، من میں، آنکھوں میں سمایا ہوا ہے۔ اس کو سندیسا کیا بھیجوں)

میرا مجھ میں کچھ نہیں، جو کچھ ہے سو تور
تیرا تجھ کو سونپتے کیا لاگت ہے مور

(میرے پاس کوئی شے میری نہیں۔ جو کچھ ہے تیرا ہی ہے۔ تیری چیز تجھ کو دیتے میرا کیا لگتا ہے)

ظاہری رسوم سے بیزاری کبیرؔ کی نظر میں مذہب کی ظاہری رسوم کوئی وقعت نہیں رکھتی تھیں۔ ان کے نزدیک اعلیٰ چیز پریم اور بھگتی تھی۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اپنے ان خیالات کو انھوں نے مختلف مقامات پر بہت دل نشیں انداز سے بیان کیا ہے:۔

مالا پھیرت جُگ بھیا، پھرا نہ من کا پھیر
کر کا منکا ڈار دے، من کا منکا پھیر

(مالا پھیرتے جُگ بیت گئے، من کا پھیر دور نہ ہوا، ہاتھ کا دانہ چھوڑ دے، من کا دانہ پھیر)

ہم تو جوگی من ہی کے، تن کے ہیں تے اور
من کا جوگ لگاوتے دسا بھئی کچھ اور

(ہم تو من کے جوگی ہیں۔ تن کے جوگی اور ہوتے ہیں۔ من کا جوگ کرتے ہماری تو اور حالت ہو گئی)

پڑھ پڑھ کے پتھر بھئے ، لکھ لکھ بھئے جو اینٹ
کبیرا انتر پریم کی لاگی نیک۔ نہ چھینٹ

(پڑھ پڑھ کے پتھر ہوئے اور لکھ لکھ کے اینٹ ہوئے۔ پریم کی ذرا سی چھینٹ بھی نہیں پڑی)

پنڈت اور مشالچی دونوں سوجھے ناہنہ
اورن کو کر چاندنا آپ اندھیرے ماہنہ

(پنڈت اور مشعلچی دونوں کو نہیں سوجھتا۔ اوروں کو روشنی دکھاتے ہیں، آپ اندھیرے میں رہتے ہیں۔)

نہائے دھوئے کیا بھیا جو من میل نہ جائے
مین سدا جل میں رہے دھوئے باس نہ جائے

(نہانے دھونے سے کیا ہوتا ہے۔ اگر من کا میل دور نہ ہو۔ مچھلی ہمیشہ پانی میں رہتی ہے مگر پانی سے دھونے سے بھی اُس کی بو نہیں جاتی)

متھرا بھاویں، دوارکا بھاویں، جائیں جگن ناتھ
سادھ سنگت، ہر بھجن بن کچھو نہ آوے ہاتھ

(چاہے متھرا جاویں، چاہے دوارکا جاویں، چاہے جگن ناتھ جاویں، سادھو کی سنگت اور ایشور کے بھجن کے بغیر کچھ ہاتھ نہیں آتا)

سیّد، شیخ کتاب نرکھے، پنڈت شاستر بچارے
ست گرو کے اُپدیش بنا تم جان کے جیو ہیں مارے

(سید، شیخ کتاب پڑھتے ہیں، پنڈت شاستر بچارتے ہیں۔ ست گرو کی اپدیش کے بغیر تم جان بوجھ کے جان مارتے ہو)

آواگون کبیر کے ہندو ہونے کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ وہ آواگون کے قائل تھے۔ پنڈت ترتشی لکھتے ہیں:-

"آواگون ہندوستانی مذاہب کا مرکزی اصول ہے، اور کبیر صاحب اس کو پوری طرح قبول کرتے ہیں۔ بار بار پیدا ہونا اور مرنا ہر ذی روح کے واسطے لازمی ہے جبتک کہ اُس کو اِس آمدورفت سے نجات نہ ملے اور وہ ایشور کے پریم میں مگن ہوکر ایشور کی دیا سے اس سیاست سے آزاد نہ ہو جائے۔"[1]

کبیر کہتے ہیں :-

پنڈت سودھن کہو سمجھائی   جاتے آواگون نسائی

(اے پنڈت اچھی طرح غور کر کے ہم کو سمجھا کے وہ بات بتاؤ جس سے آواگون مٹ جائے)

کہہ کبیر چیت چیت کے آواگون نوار

(اے کبیر، دل کو ہوشیار کر کے آواگون سے آزاد ہوئے کا حال کہو)

جیوں جل چھاڑ باہر بھیو مینا   پورب جنم ہوں تپ کا ہینا

(مچھلی کی طرح پانی کو چھوڑ کر باہر نکل آیا ہوں۔ پچھلے جنم میں میرے تپ میں کچھ کمی تھی)

عارفانہ اور اخلاقی مضامین عارفانہ اور اخلاقی تعلیمات کے لئے بھی کبیر نے بہت دلکش پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

ست نام کڑوا لگے، میٹھا لاگے دام   دُبدھا میں دونوں گئے، مایا ملی نہ رام

(ست نام کڑوا لگتا ہے، دولت میٹھی لگتی ہے، شک و شبہ میں دونوں گئے، مایا ملی نہ رام)۔ دوسرا مصرعہ ضرب المثل بن گیا ہے۔

کبیرا رسی پاؤں میں، کہہ سووے سکھ چین

سانس نکارا کوچ کا باجت ہے دن رین

(رسی پاؤں میں پڑی ہے کبیر چین سے کس طرح سووے؟ سانس جو آتی جاتی ہے گویا

[1] "کبیر صاحب"، ص ۱۱۴۔

کوچ کا نقارہ ہے کہ دن رات بجا کرتا ہے)

مالی آوت دیکھ کے کلیاں کرت پکار — پھولی پھولی چُن لیے کالھ ہماری بار

(مالی کو آتا دیکھ کر کلیاں غل مچاتی ہیں۔ پھولی پھولی تو آج چُن لیں، کل ہماری باری ہے)

چلتی چکی دیکھ کے دیا کبیرا روئے — دوئی پٹ بھیتر آئی کے ثابت گیا نہ کوئے

(چلتی چکی دیکھ کے کبیر رو دیا۔ دو پاٹوں یعنی آسمان و زمین کے بیچ میں آکے کوئی ثابت نہیں بچا)

جو توکو کانٹا بووے تاہی بوے تو پھول — توں ہی پھول کے پھول ہیں، واکو ہیں ترسول

(جو تیرے لئے کانٹے بوئے اس کے لئے تو پھول بو۔ تجھے تو پھول کے پھول رہیں گے اور اس کے کانٹے اُسے ترسول ہو جائیں گے)

مانگے مرن سمان ہے، مت کوئی مانگو بھیکھ
مانگن سے مرنا بھلا، یہ ست گورو کی سیکھ

(مانگنا مرنے کے برابر ہے، کوئی بھیک مت مانگو۔ مانگنے سے مرنا بھلا، یہ ست گورو کی نصیحت ہے)

بُرا جو دیکھن میں چلا، بُرا نہ ملیا کوئے
جو دل کھوجوں آپنا، مجھ سے بُرا نہ کوئے

(میں بُرا ڈھونڈنے چلا، کوئی بُرا نہ ملا۔ اپنا دل جو دیکھا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں)

بہادر شاہ ظفرؔ نے اسی مضمون کو اپنے اس شعر میں ادا کیا ہے :-

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

(۲) برہمو سماج

خدا پرستی کا عقیدہ ہندو مذہب میں شروع سے موجود ہے۔ چنانچہ رگ وید میں جو سب سے پرانا وید ہے موحدانہ شلوک بھی ملتے ہیں۔ قدیم ہندو مفکروں کی تعلیم یہ تھی کہ وجود صرف ایک ہی ذات کا ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں یہ کوئی شے حقیقی وجود نہیں رکھتی بجز ایک ازلی و ابدی اور حاضر و ناظر روح کے"[1] بارہویں، تیرہویں، پندرہویں اور سولہویں صدی کے وشنو مصلحین مذہب راما نج، مادھو، ولبھ، اور چیتنیا، سب ایک قادر مطلق خدا کے وجود کی تعلیم دیتے تھے۔ جو تمام اشیاء کا خالق، اور قائم رکھنے والا ہے۔ اس خدا کو وہ وشنو کہتے تھے۔ لیکن یہ مصلحین بھی اوتاروں کے قائل تھے اور ان کے خیال میں وشنو، جنگجو سپاہیوں، زبردست معلموں، اور کبھی جانوروں کی شکل میں بھی، خاص خطروں کے اوقات میں۔ اپنی مخلوقات کو بچانے کے لئے ظاہر ہوا کرتا تھا۔ اسی لئے راما نج، مادھو، ولبھ اور چیتنیا کی اصلاحات کے باوجود بت پرستی کا وجود مٹ نہ سکا۔ بلکہ یہ پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ ہونے لگی کبیر اور اُن کے بعد نانک نے اس کا موحدانہ ردعمل شروع کیا۔ بقول مونیر ولیمس ان کی "یہ تحریکیں بڑی حد تک اسلامی اثرات کا نتیجہ تھیں" دونوں نے ہندو عقائد

---

[1] ہندوستان کی مذہبی فکر اور زندگی" (انگریزی)۔ از مونیر ولیمس مطبوعہ لندن ۱۸۸۳ء ص ۴۵

RELIGIOUS THOUGHT AND LIFE IN INDIA, BY MONIER WILLIAMS.

کو پاک و صاف کرنے کی حتی الامکان پوری کوشش کی، مگر ان کو صرف جزوی کامیابی حاصل ہوئی۔

ابتداً، مسلمانوں نے تو ہندوستان میں انگریزی حکومت اور مغربی تعلیم کی مخالفت کی، مگر ہندوؤں نے ان دونوں چیزوں کا خیر مقدم کیا، اور جو ہندو مغربی تعلیم سے بہرہ مند ہوئے ان کے اندر اپنے آباو اجداد کے مذہب کی اصلاح کا جذبہ بھی پیدا ہونے لگا۔ رام موہن رائے اس جماعت کے پہلے رہنما تھے اور جس مذہبی اصلاح کا انھوں نے آغاز کیا وہ پہلی اصلاحی تحریک تھی جو مسیحی اثرات اور انگریزی تعلیم کے ذریعے مغربی خیالات سے جاری ہوئی۔

رام موہن رائے رام موہن رائے مئی ۲۲ ۱۷۷۲ء میں موضع رادھانگر، ضلع مرشد آباد میں ایک اونچی ذات کے برہمن کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام راما کانت رائے تھا، اور اُن کے دادا مغل شہنشاہ کی ملازمت میں مختلف عہدوں پر مامور رہ چکے تھے۔ اوائل عمر میں رام موہن رائے فارسی اور عربی کی تعلیم کے لئے جس میں قرآن مجید کی تعلیم بھی شامل تھی، پٹنہ بھیج دئے گئے۔ جو اس وقت اسلامی تعلیم کا ایک بڑا مرکز تھا۔ انھوں نے سنسکرت اور اپنے آبائی مذہب کی تعلیم سے بھی غفلت نہیں برتی۔ ان کے والد وشنو کے پرستاروں میں تھے۔ چنانچہ روز صبح کو رام موہن رائے بھگوت پوران کا جو وشنو مذہب کا مقدس صحیفہ ہے ایک باب پڑھا کرتے تھے۔ وہ فطرتاً ذہین اور غور و فکر کے عادی تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ ہندو مذہب کے دیومالا سے برداشتہ خاطر ہو گئے، اور اب انھوں نے ویدا اور ویدانت کی تعلیمات پر، جیسے کہ وہ اُپ نشدوں میں بیان کی گئی ہیں۔ خاص طور پر توجہ کرنی شروع کی۔ اس مطالعے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سولہ سال کی عمر میں انگریزی تعلیم شروع کرنے سے پہلے ہی انھوں نے بت پرستی کے خلاف بنگالی زبان میں ایک رسالہ لکھا جس سے نہ صرف اُن کے خاندان والوں بلکہ تمام اعزہ و اقربا میں

ان کے خلاف سخت برہمی پیدا ہوئی، اور انھوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اپنے باپ کے گھر سے کہیں چلے جائیں۔ چنانچہ وہ پہلے بنارس گئے جو برہمنیت کا مرکز تھا، اور پھر وہاں سے تبت پہونچے جہاں انھوں نے بڑی سرگرمی کے ساتھ بدھ مذہب کا مطالعہ کیا اور بدھ پجاریوں کے ساتھ مناظرے کئے۔ رام موہن رائے کو شروع ہی سے تمام مذاہب کے تقابلی مطالعے کا شوق تھا۔ وہ حق کے متلاشی تھے۔ اسی غرض سے انھوں نے دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کی مقدس کتابوں کی زبانیں سیکھنے کی امکانی کوشش کی۔ انھوں نے وید کو سنسکرت زبان میں پڑھا اور بدھ مت کی مقدس کتاب تریپیٹکا کا پالی زبان میں مطالعہ کی۔ عربی زبان پر بھی اتنا عبور حاصل کرلیا تھا کہ قرآن مجید سمجھ سکتے تھے۔ پھر اپنی زندگی کے پچھلے دور میں عبرانی زبان بھی سیکھی تاکہ توریت کے متعلق صحیح رائے قائم کر سکیں، اور آخر میں انجیل سے پوری واقفیت حاصل کرنے کے لئے انھوں نے یونانی زبان بھی سیکھنی شروع کردی تھی[1]

۱۷۹۶ء کے قریب رام موہن رائے گھر واپس آئے اور باپ سے صلح ہوگئی۔ اب انھوں نے سنسکرت ادب اور ہندو مذہب کا مطالعہ زیادہ انہماک سے شروع کیا۔ اسی زمانے میں انگریزوں سے میل جول اور انگریزی سوسائٹی میں اُن کی آمد و رفت بھی شروع ہوئی۔ ۱۸۰۳ء میں اُن کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اب وہ برہمنوں سے زیادہ بے باکی کے ساتھ مباحثے کرنے لگے، اور انھوں نے متعدد چھوٹے چھوٹے رسالے لکھ کر یہ دکھانے کی کوشش کی کہ ہندوؤں کی بت پرستی اُن کے اسلاف کے دستور اور جن کتابوں کا وہ احترام اور جن پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اپنے والد کے وفات کے چند روز بعد انھوں نے ایک کتاب "تمام مذاہب کی بت پرستی کے خلاف"، فارسی زبان میں لکھی نیز اسی موضوع پر چھوٹے چھوٹے رسالے اور بعض اُپ نشدوں کے ترجمے بھی شائع کئے۔ سب سے اہم چیز جس کی طرف انھوں نے لوگوں کو توجہ دلائی وہ یہ تھی کہ ہستی کے لئے ویدوں میں

[1] "ہندوستان کی مذہبی فکر اور زندگی"، ص ۷۹۔۸۰۔

ebooks.i360.pk

کوئی سند موجود نہیں۔ یہ خاص طور پر اُنہی کی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ ستی کی رسم ۱۸۲۹ء میں تمام برطانوی ہند میں قانوناً ممنوع قرار دی گئی[۱۵]

اس واقعے سے بہت پہلے رام موہن رائے یہ دیکھ کر کہ وطن میں ان کی مخالفت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے کلکتہ چلے آئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ انھوں نے سرکاری دفتر کی ملازمت بھی ترک کر دی تھی اور ہمہ تن مذہبی اور معاشرتی اصلاحات میں مصروف ہو گئے تھے۔ کلکتہ میں ان کو دولت مند اور با اثر ہندوؤں اور جینیوں میں کچھ ہم خیال افراد مل گئے جو اصلاح مذہب کی تجویزوں میں ان سے متفق تھے۔ یہ لوگ ایک متحد جماعت کی شکل میں ان کے ساتھ ہو گئے۔ اور ۱۸۱۵ء میں ایک انجمن "آتمیا سبھا" (روحانی سوسائٹی) کے نام سے قائم کی گئی اس سوسائٹی کے ممبر زیادہ تر رام موہن رائے کے ذاتی احباب تھے۔ من جملہ ان کے دوارکا ناتھ ٹیگور بھی تھے۔ سوسائٹی کے جلسے رام موہن رائے کے مکان پر چند دنوں کے وقفے سے ہوا کرتے تھے۔ لیکن برہمنوں اور پنڈتوں کی مخالفت کی وجہ سے جو بعض اوقات ان جلسوں میں شریک ہوتے تھے انجمن کا قیام زیادہ دنوں تک نہ رہ سکا اور اس کے ارکان ایک ایک کر کے علیحدہ ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ انجمن کا وجود ہی ختم ہو گیا۔ اس کے باوجود رام موہن رائے کے جوش اصلاح میں کوئی کمی ظاہر نہ ہوئی۔ انھوں نے پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی کے ساتھ اپنی جدوجہد جاری رکھی، اور کتابوں، مختصر رسالوں اور خطبوں کے ذریعے سے اپنے خیالات کی اشاعت کرتے رہے۔

انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے اقوال کے مطالعے کا اثر رام موہن رائے پر یہ ہوا کہ وہ ایک حد تک مسیحیت کے معتقد ہو گئے۔ چنانچہ ۱۸۲۰ء میں انھوں نے بنگالی اور انگریزی زبان میں ایک کتاب بعنوان "احکام مسیح، رہنمائے امن و راحت" لکھی۔ اس کتاب کو دیکھ کر بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ رام موہن رائے دل سے عیسائیت کے معتقد ہو گئے ہیں۔ سر مونیر ولیمس لکھتے ہیں کہ اگر یہ خیال کسی حد تک صحیح بھی ہو تو بھی اس میں کچھ شبہ نہیں کہ وہ تثلیثی عیسائیت

---

[۱۵] "ہندوستان کی مذہبی فکر اور زندگی"، ص ۴۸۲

کے قائل نہ تھے۔ موصوف کی رائے یہ ہے کہ رام موہن رائے کا اصلی میلان طبع یہ تھا کہ مختلف مذاہب کی تعلیمات کو سمو کر ایک مرکب تیار کریں۔ وہ اس بات سے مطمئن معلوم ہوتے تھے کہ ہندو انھیں ویدانتی کہیں، موحد خدا پرست سمجھیں، عیسائی مسیحی خیال کریں، اور مسلمان ان کو مسلمانوں میں شمار کریں۔ الہام کے متعلق ان کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ کسی خاص زمانے یا کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ نوعِ انسانی کے لئے خدا کا عام عطیہ ہے۔ وہ اِسے ایک قسم کی خدائی روشنی یا وجدانی ادراکِ حقیقت سمجھتے تھے۔ جو ہر ملک کے ہر نیک آدمی کو کم و بیش ودیعت ہوتا ہے۔ اسی بنا پر ان کا خیال تھا کہ ویدوں، عیسائیوں کے مقدس صحیفوں، قرآن مجید، ژند اوستا، یا دنیا کی کسی قوم کی کسی کتاب میں جو اچھی باتیں ہوں ان کو "سچائی کے خدا" کی طرف سے سمجھ کر قبول کرنا چاہئیے۔ کسی عقیدے کی صحت کا تنہا معیار ان کے نزدیک یہ تھا کہ وہ انسان کی عقلِ سلیم اور قلبِ انسانی کے وجدان کے مطابق ہو۔[1]

۱۸۲۸ء میں رام موہن رائے نے دوارکا ناتھ ٹیگور، پرسنو کمار ٹیگور، اور بعض دوسرے اشخاص کی مالی مدد سے اپنی جماعت کے جلسوں کے لئے کچھ کمرے کرائے پر لئے اور وہاں ہر شام کو عبادت کے جلسے ہونے لگے۔ مراسمِ عبادت چار حصوں میں منقسم تھے۔ ویدوں کا کوئی تن خوش الحانی سے پڑھنا، اُپ نشدوں میں سے کچھ پڑھنا، خطبہ اور بھجن۔ اس طرح کلکتہ میں توحید پرستوں کی پہلی انجمن کی بنا ۱۸۲۸ء میں ڈالی گئی۔ چندوں کی آمدنی میں جب ترقی ہوئی تو رام موہن رائے نے چیت پور روڈ پر ایک بڑا مکان انجمن کے لئے خرید لیا اور ایک سرمایہ اس کے لئے وقف کر دیا۔ اس کے لئے امین بھی مقرر کر دئے گئے۔ تقریباً دو سال بعد خدا پرست ہندوؤں کی پہلی مذہبی انجمن کا باضابطہ افتتاح ۲۳ جنوری ۱۸۳۰ء کو ہوا۔ رام موہن رائے نے اس مذہبی جماعت کا نام "برہمو سماج" رکھا، یعنی خدا پر عقیدہ رکھنے والوں کی جماعت تولیت نامے میں تحریر کیا گیا کہ یہ عمارت اس ازلی و ابدی، ناقابلِ جستجو اور قدیم ہستی کے

---

[1] "ہندوستان کی مذہبی فکر اور زندگی"، ص ۴۴۸

پرستاروں کے اجتماع کے لئے استعمال کی جائے گی جو کائنات کی بانی اور محافظ ہے، اور اس جماعت کا مقصد پاکیزگی، نیکی اور انسانی ہمدردی کو فروغ دینا، نیز تمام مذہبی فرقوں کے درمیان رشتۂ اتحاد کو مضبوط کرنا ہوگا۔ عمارت کے اندر کسی شبیہہ یا تصویر کے لانے کی اجازت نہ ہوگی، اور نہ کوئی قربانی وہاں کی جائے گی۔ اس میں جمع ہونے والے کسی ایسی چیز کا ذکر جس کی دوسرے لوگ پرستش کرتے ہوں حقارت کے ساتھ نہ کریں گے[1]

ان باتوں کے باوجود رام موہن رائے نے اپنی نئی جماعت کے ارکان پر یہ واضح کردیا تھا کہ ان کے ذہن میں کسی نئے فرقے کی بنیاد رکھنے کا خیال نہیں ہے۔ وہ بس اتنا دعویٰ کرتے تھے کہ انھوں نے پہلی مرتبہ موحدانہ پرستش کی بنا ایک عمارت میں قائم کر دی ہے، جس میں تمام ذاتوں، طبقوں اور فرقوں کے لوگوں، ہندوؤں، مسلمانوں اور عیسائیوں کو اکٹھا ہو کر خدا کی عبادت کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، اور ان سب لوگوں سے جس وحدت عقیدہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہ اسی قدر ہے کہ خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھیں۔ خود رام موہن رائے کا رویّہ اپنے قومی مذہب کے ساتھ ایک ہمدرد مصلح کا تھا جو ان کی زندگی کے آخر دم تک قائم رہا۔ وہ ایک ایسے مصلح تھے۔ جو برہمنیت کی تمام خوبیوں اور سچائیوں کو باقی رکھنا چاہتے تھے اور صرف اس کے باطل اور فاسد اجزا کو ختم کر دینے کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ مذکورہ بالا عمارت میں بھی ایک کمرہ برہمنوں کے لئے مخصوص تھا جس میں ویدوں کی باقاعدہ کتھا ہوتی تھی، اور اس میں برہمنوں کے علاوہ کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا تھا۔ رام موہن رائے نے اپنا جنیئو بھی قائم رکھا تھا۔

۱۸۳۰ء میں شہنشاہ دہلی نے رام موہن رائے کو راجہ کا خطاب دے کر اپنے مالی حقوق کی نسبت کمپنی کی بدعنوانیوں کے خلاف اپیل کرنے کے لئے انگلستان بھیجا۔ ۱۸۳۱ء میں وہاں پہونچنے کے بعد ان کی صحت خراب ہونے لگی، اور دو سال بعد ستمبر ۱۸۳۳ء میں

---

[1] "ہندوستان کی مذہبی فکر اور زندگی" ص ۸۷، ۴۸۶۔

ان کا انتقال برسٹل میں ہو گیا، اور وہیں مدفون ہوئے۔ ان کے برہمن ملازم نے وہ تمام ہندوانہ رسمیں ادا کیں جو ایک برہمن کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ مرنے کے وقت بھی رام موہن رائے کے جسم پر جنیو موجود تھا۔[1]

رام موہن رائے کے انگلستان جانے کے بعد ان کی نئی جماعت روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ بارہ برس کے بعد ان کے دوست دوارکا ناتھ ٹگور کے فرزند، مہارشی دیونددر ناتھ ٹگور (رابندر ناتھ ٹگور کے والد) نے سماج میں داخل ہو کر اس میں نئی جان ڈالی اور اس کو از سر نو منظم کیا۔ برہمو سماج میں داخل ہونے سے پہلے دیوندر ناتھ ٹگور نے مذہبی اصلاح کے لئے ایک انجمن "تتوابودھنی سبھا" کے نام سے ۱۸۳۹ء میں قائم کی تھی، اور اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے وہ بنگالی زبان میں ایک رسالہ "تتوابودھنی پترکا" نکالتے تھے جس کی ادارت کے فرائض اکھے کمار دت انجام دیتے تھے۔ وہ پکے خدا پرست بن گئے تھے۔ انھوں نے انگریزی تعلیم ہندو کالج میں پائی تھی۔ اور روحانی اوصاف سے بھی پوری طرح متصف تھے۔ مسٹر عبداللہ یوسف علی لکھتے ہیں کہ تتوابودھنی سبھا کی دوسری سالگرہ کے موقع پر انھوں نے فرمایا:-

"انگریزی تعلیم کی اشاعت کے باعث اب ہم جاہلوں کے مانند لکڑی اور پتھر کو خدا سمجھ کر ان کی پرستش نہیں کر سکتے۔"

وہ ہندو مذہب کے عقائد کی اصلاح چاہتے تھے، اسے ترک کر دینے پر راضی نہ تھے۔ خدا کی پرستش پر زور دیتے تھے۔ لیکن طریق پرستش کا فیصلہ انسان کی مذہبی حس پر چھوڑ دیا تھا۔ فرماتے تھے:-

"میری خواہش ہے کہ تمام انسان جن میں ادنیٰ طبقے کے لوگ بھی شامل ہیں برہم کی پرستش کریں۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ جو لوگ گایتری کی مدد سے پرستش کر سکتے ہیں وہ اسی طرح کرتے رہیں۔ لیکن جو یہ نہیں کر سکتے ان کو

---

[1] "ہندوستان کی مذہبی فکر اور زندگی"، ص ۹۰ھ

اس امر کی آزادی ہو کہ وہ کوئی آسان طریقہ اختیار کر لیں جس کے مطابق
وہ خدا کے گیان میں مگن ہو سکیں"۔[1]

سماج کی حالت پر غور و خوض کرنے کے بعد مہارشی دیوندر ناتھ ٹگور اس نتیجے پر پہونچے کہ اس کی بقا اور استواری کی صرف یہی صورت ہے کہ اس کا ایک باقاعدہ صدر مقرر کیا جائے، اس کے لئے ایک مستقل خادم دین (منسٹر) ہو، عبادت کا ایک مقرر طریق اور عقائد و اعمال کا ایک معین معیار ہو۔ چنانچہ ۱۸۴۳ء کے آخر میں انھوں نے برہمو سماج کا ایک عہد نامہ خود مرتب کیا۔ جو سات دفعات پر مشتمل تھا۔ سماج کا ممبر بننے کے لئے ہر شخص کو عہد کرنا پڑتا تھا کہ وہ بت پرستی سے پرہیز کرے گا، کسی مخلوق شے کی پوجا نہ کرے گا۔ بلکہ صرف خدا کی پرستش کرے گا جو تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا، ان کی حفاظت کرنے والا اور ان کو فنا کرنے والا ہے، اور جو وحدہ لاشریک ہے۔ یہ عہد بھی کرنا پڑتا تھا کہ زندگی پاکیزگی سے بسر کرے گا۔ اور خدا کی مغفرت ترک گناہ کے ذریعے سے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس طرح رام موہن رائے کی مذہبی انجمن ۱۸۴۴ء میں از سر نو منظم ہو کر گویا دوبارہ قائم ہوئی، اور اب اس کا نام "آدی برہمو سماج" رکھا گیا۔ ۱۸۵۰ء تک بنگال میں برہمو سماج کے نمونے کی کئی سماجیں اور قائم ہو گئیں، مثلاً مدنا پور، کرشن نگر، اور ڈھاکہ کی سماجیں۔ عقائد کی اصلاح کے باوجود ہندوؤں کے مذہبی رسم و رواج کی اصلاح دیوندر ناتھ ٹگور زیادہ زور نہیں دیتے تھے۔ مثلاً انھوں نے خود تو جینو پہننا چھوڑ دیا تھا۔ مگر دوسروں کو اس سے منع نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سماج کا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ جس کے سرگروہ کیشب چندر سین تھے دیوندر ناتھ کی میانہ روی سے بیزار ہو گیا۔

کیشب چندر سین ۱۸۵۸ء میں برہمو سماج میں داخل ہوئے تھے۔ انھوں نے پریزیڈنسی کالج، کلکتہ، میں تعلیم پائی تھی۔ انگریزی تعلیم اور مسیحی خیالات کے اثر سے ان کو ہندو مذہب کے

---

[1] "انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ" از عبداللہ یوسف علی۔ شائع کردہ ہندوستانی اکیڈیمی الہ آباد ۱۹۳۹ء ص ۸۷ - ۱۸۶۔

اکثر رسم ورواج قابل ترک معلوم ہونے لگے۔ لیکن اپنی نوعمری کے خیال سے انھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ دیویندر ناتھ ٹھگور کے ساتھ ان کی ماتحتی میں کام کریں چنانچہ پانچ برس تک دونوں کا ساتھ رہا اور ان کے اتحاد سے سماج کے نوجوانوں کی تربیت ہوتی رہی۔ مگر آخر کار دیویندر ناتھ کی اعتدال پسندی سے کیشب گھبرا گئے۔ ان کے نزدیک صرف اسی قدر کافی نہ تھا کہ بت پرستی کا انسداد کر دیا جائے، بلکہ وہ ہندو مذہب کے رسم ورواج کو بھی جو ان کے خیال میں باطل تھے مٹا دینا چاہتے تھے۔ پہلی نزاع اُن کے اور دیویندر ناتھ کے درمیان جنیو کے مسئلے پر ہوئی۔ کیشب چندر نے اس بات پر زور دیا کہ جو لوگ سماج کے مندر میں عبادت کرنے آئیں وہ جنیو اتار کر آئیں تاکہ اونچی اور نیچی ذات کی تفریق جو جنیو سے ظاہر ہوتی ہے۔ باقی نہ رہے۔ وہ ذات پات کے سخت مخالف تھے۔ دیویندر ناتھ ٹھگور نے اس تحریک پر خود تو جنیو اتار دیا لیکن دوسروں کو اس کے لئے مجبور کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ اس کے بعد شرادھ (یعنی متوفی آبا و اجداد کی پوجا) کا مسئلہ دونوں کے درمیان اختلاف کا باعث ہوا۔ اسی طرح بچے کی پیدائش، اس کے نام رکھنے کی رسم، اور مردے کو جلانے کی رسم پر اختلاف ہوا۔ زیادہ اہم مسئلہ شادی بیاہ کا تھا۔ کیشب اور ان کی جماعت کے لوگوں نے بچپن کی شادی کی سخت مخالفت کی۔ اس کے بعد بیواؤں کی شادی اور تعدد ازدواج پر شدید اختلاف ہوا۔ پھر اگست ۱۸۶۲ء میں کیشب نے دو مختلف ذات کے ہندوؤں کے درمیان شادی کرا دی۔ یہ بدعت دیویندر ناتھ ٹھگور کو بہت ناگوار ہوئی۔ کیشب نے دیکھا کہ وہ کلکتہ کی برھمو سماج میں رہ کر آزادی کے ساتھ اپنا اصلاحی کام جاری نہیں رکھ سکتے۔ انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ سماج کے ممبروں کی بڑی تعداد اب بھی ذات پات کے جھگڑوں اور اوہام پرستی میں مبتلا ہے۔ ان کے لئے یہ صورت حال ناقابل برداشت تھی۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اُن کا مشن دیویندر ناتھ ٹھگور کے مشن سے مختلف ہے۔ آخر کار فروری ۱۸۶۵ء میں کیشب چندر سین اور اُن کے ساتھ سماج کے نوجوان ممبروں کی ایک کثیر تعداد نے "آدی برھمو سماج" سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کر کے اپنی جماعت

الگ قائم کر لی۔ لیکن یہ جماعت ایک منظم انجمن کی شکل نومبر ۱۸۶۶ء تک نہ حاصل کر سکی۔ اب جو انجمن قائم ہوئی اس کا نام ان لوگوں نے "ہندوستان کی برہمو سماج" (بھارت ورشیہ برہمہ سماج) رکھا۔ اس انجمن کا دعویٰ تھا کہ اس نے برہمنیت سے اپنا تعلق بالکل منقطع کر لیا ہے[1] "ہندوستان کی برہمو سماج" کے نئے مندر کا سنگ بنیاد ۲۳ جنوری ۱۸۶۸ء کو رکھا گیا، لیکن عمارت کا باقاعدہ افتتاح اگست ۱۸۶۹ء میں ہوا۔ اس نئی سماج کے اہم ترین عقائد مختصراً حسب ذیل قرار پائے :-

خدا کائنات کا مسبب الاسباب ہے۔ وہ اپنی مشیت سے تمام اشیا کو عدم سے وجود میں لایا اور وہی ان کو مسلسل قائم رکھتا ہے۔ وہ روح ہے مادہ نہیں ہے۔ وہ کامل غیر محدود، قادر مطلق، رحمٰن و رحیم اور قدوس ہے۔ وہ ہمارا باپ، محافظ، مالک، بادشاہ اور نجات دینے والا ہے۔

روح غیر فانی ہے۔ موت صرف جسم کی تحلیل و تجزیہ کا نام ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ نئی زندگی نہیں ہوتی۔ آئندہ زندگی ایک سلسلہ اور ترقی یافتہ ہے۔ موجودہ زندگی کی جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ گویا آئندہ لوگوں کے جنین کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حقیقی مقدس صحیفے دو ہیں۔ صحیفہ فطرت، اور وہ فطری خیالات جو ذہن میں مرتسم ہیں۔ خالق کائنات کی حکمت، قدرت، اور رحمت کائنات کے صفحے پر لکھی ہوئی ہے۔ حیات جاودانی کا عقیدہ اور اخلاقی تصورات ایسے معتقدات ہیں جن کی جڑیں انسان کی سرشت میں پیوست ہیں۔

خدا کبھی انسانی جسم میں ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کی الوہیت ہر انسان میں موجود ہے اور بعض آدمیوں میں زیادہ نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔ موسیٰ، عیسیٰ، محمدؐ، نانک، چیتنیا اور دنیا کے دوسرے بڑے معلم خاص وقتوں میں ظاہر ہوئے اور انھوں نے دنیا کو بے شمار

---

[1] "ہندوستان کی مذہبی فکر اور زندگی"، ص ۵۰۲۔

فائدے پہونچائے وہ عالمگیر احسان مندی اور محبت کے مستحق ہیں۔

برھم مذہب دوسرے تمام مذہبی نظاموں سے مختلف ہے۔ پھر بھی یہ سب کا جوہر یا ست ہے۔ یہ دوسرے فرقوں سے مخاصمانہ برتاؤ نہیں کرتا، بلکہ جو باتیں ان فرقوں میں حق ہیں اُن کو قبول کرتا ہے۔ یہ انسانی فطرت پر مبنی ہے، اس لئے دائمی اور عالمگیر ہے۔ یہ کسی زمانے یا ملک میں محدود نہیں۔

تمام نوع انسانی کی حیثیت ایک برادری کی ہے۔ برھم مذہب اونچی اور نیچی ذات کی تفریق کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس مذہب کا مقصد یہ ہے کہ تمام انسانوں کو متحد کر کے ایک خاندان بنا دے۔

فرائض کی چار قسمیں ہیں:۔

(۱) وہ فرائض جو خدا سے متعلق ہیں، مثلاً اس پر ایمان رکھنا، اس سے محبت کرنا اس کی پرستش اور پوجا پاٹ کرنا۔

(۲) وہ فرائض جو اپنی ذات سے وابستہ ہیں، مثلاً جسمانی صحت کو قائم رکھنا، علم حاصل کرنا، اور اپنا تزکیۂ نفس کرنا۔

(۳) وہ فرائض جن کا تعلق دوسرے انسانوں کے ساتھ ہے، مثلاً راست گوئی، انصاف پسندی، احسانمندی، اور سب کی فلاح و بہبود کو فروغ دینا۔

(۴) وہ فرائض جو جانوروں اور ادنیٰ مخلوقات سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرنا۔

ہر گنہگار کو کبھی نہ کبھی اپنے گناہوں کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا، خواہ اسی دنیا میں خواہ دوسری دنیا میں۔ انسان کو لازم ہے کہ پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے خدا کی پرستش کرے، اپنے نفسانی جذبات کو مغلوب رکھے۔ گناہوں پر نادم ہو، فطرت اور اچھی کتابوں کا مطالعہ کرے، نیک آدمیوں کی صحبت اختیار کرے، اور تنہائی میں بیٹھ کر غور و فکر کرے۔ یہی چیزیں خدا کے فضل و کرم سے

نجات تک اس کی رہنمائی کریں گی۔

نجات یا مکتی نام ہے روح کے بداخلاقی کی جڑ سے رہائی پانے اور پاکیزگی میں ہمیشہ ترقی کرتے رہنے کا۔ اس ترقی کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے، اور روح اس ذات میں جو غیر محدود تقدس اور مسرت کا سرچشمہ ہے۔ روز بروز زیادہ متقی اور مسرور ہوتی جاتی ہے۔ خدا کی رفاقت ہندوستان کے خداپرستوں کی جنت ہے۔[1]

۱۸۷۰ء میں کیشب چندر سین نے انگلستان کا سفر کیا، اور اس کا مقصد یہ بیان کیا کہ وہ اپنے ہم وطنوں کی مذہبی، معاشرتی اور سیاسی ترقی میں انگریزوں کی دلچسپی کو ابھارنا چاہتے ہیں۔ اسی سال ولایت سے واپس آکر وہ معاشرتی اصلاح کی کوشش میں سرگرمی کے ساتھ منہمک ہو گئے اور عورتوں کی اصلاح، مردوں اور عورتوں کی تعلیمی ترقی، شراب خواری کے انسداد، اور اہل ہند کی عام معاشرتی اصلاح کے لئے ایک سوسائٹی "انڈین ریفارم ایسوسی ایشن" (ہندوستان کی انجمن اصلاح) کے نام سے قائم کی۔ یہ سوسائٹی جس میں ہر طبقے اور فرقے کے لوگ شامل ہو سکتے تھے۔ ۲ نومبر ۱۸۷۰ء کو قائم کی گئی، اور ۱۸۷۱ء میں بالغوں کا اسکول اور ایک نارمل اسکول عورتوں کے لئے کھولا گیا۔

سب سے اہم اصلاح جس کی طرف کیشب اور اُن کے ساتھیوں نے پہلے سے کہیں زیادہ جوش و خروش کے ساتھ اپنی توجہ مبذول کی شادی بیاہ کے رسوم کی اصلاح تھی اوپر بیان ہو چکا ہے کہ کیشب بچپن کی شادی کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ اب انھوں نے بہترین طبی مشورے حاصل کر کے شادی کے لئے مناسب عمر کا تعین کیا۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ حکومت سے ایک نئے قانون ازدواج کی درخواست کی گئی جس کی رو سے برہمو سماج کے ممبروں کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ اپنے طریقے پر قانونی شادیاں کر سکیں چنانچہ اس تحریک پر حکومت کی طرف سے ایک مسودہ قانون تیار کیا گیا۔ لیکن اس مسودے کی

[1] "ہندوستان کی مذہبی فکر اور زندگی"، ص ۵۰۳-۵۰۴۔

شدید مخالفت نہ صرف پرانے خیال کے برہمنوں بلکہ خود سماج کے زیادہ قدامت پسند
ممبروں نے بھی کی۔ مزید کوشش کے بعد بالآخر ۲۲ مارچ ۱۸۷۲ء کو "دیسی شادی کا قانون"
(NATIVE MARRIAGE ACT) پاس ہو گیا۔ اس قانون نے پہلی مرتبہ ہندو
سوسائٹی میں قانونی شادی (سیول میرج) کا دستور جاری کیا۔ اس کی رو سے شادی بغیر
کسی مذہبی رسم کے ہو سکتی تھی۔ مختلف ذاتوں کے درمیان بھی شادی جائز قرار دی گئی لڑکے
کی عمر کم سے کم اٹھارہ سال اور لڑکی کی چودہ سال معین کی گئی۔ لیکن فریقین میں سے اگر کوئی
اکیس سال سے کم کا ہو تو اس صورت میں والدین یا سرپرستوں کی تحریری منظوری حاصل کرنا
لازمی ٹھہرایا گیا۔ قرابت کے چند معیّن درجوں تک باہمی شادیاں نہیں ہو سکتی تھیں۔ اسی
طرح بیک وقت دو شوہروں یا دو بیویوں کا رکھنا بھی ممنوع قرار پایا، لیکن بیوہ عورتوں
کو شادی کرنے کی اجازت دی گئی۔[1]

اس کے بعد کچھ عرصے تک "آدی برہمو سماج" جس کے لیڈر دیویندر ناتھ ٹیگور تھے اور
"ہندوستان کی برہمو سماج" جو کیشب چندر سین کی سرکردگی میں تھی، دونوں اپنے اپنے دائرے
میں اچھا کام کرتی رہیں۔ اُن کی سرگرمیوں کا ثبوت ان کے تبلیغی کارناموں سے ملتا ہے ۱۸۷۸ء
تک تمام ہندوستان کی، جس میں آسام بھی شامل تھا، برہمو سماجوں کی تعداد ایک سو سات
تک پہونچ گئی تھی۔ ان میں سے بعض قدیم سماج کی پیرو تھیں اور بعض ترقی پسند سماج کی۔[2]

اس درمیان میں ترقی پسند سماج میں اختلال و انتشار کے آثار ظاہر ہونے لگے جو
چیز اس سماج میں برہمی پیدا کرنے کا باعث ہوئی وہ کیشب چندر سین کے اقتدار کا مسئلہ
تھا۔ سر مونیر ولیمس لکھتے ہیں کہ کیشب کی ذہانت اور طباعی ایسی نمایاں تھی کہ تھوڑے ہی
دنوں میں ان کا احترام ایک قسم کی پرستش کی حد تک پہونچ گیا۔ بعض لوگوں نے ان پر یہ الزام

---

[1] ہندوستان کی مذہبی فکر اور زندگی ص ۵۰۸۔

[2] " " " " ص ۵۱۱۔

لگایا کہ وہ الوہیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کا انھوں نے انکار کیا، اور اُن کے متبعین نے بھی اس الزام کی ہمیشہ سختی سے تردید کی ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ کشف اور الہام کے مدعی تھے۔ علاوہ بریں وہ اپنی جماعت کے مذہب اور عقائد ہی میں خود مختار اور مطلق العنان نہ تھے بلکہ اس کے تمام معاملات کے تنہا منتظم اور مہتمم بھی تھے، اور ایک غیر ذمہ دار آمر (ڈکٹیٹر) کی طرح حکومت کرتے تھے۔ لوگوں نے یہ شکایت کرنی بھی شروع کی کہ ترقی پسند سماج کسی دستور کی پابند نہیں، اور نہ اُسے اپنے معاملات میں بحث و مباحثہ کی آزادی حاصل ہے۔

اختلاف اور بے اطمینانی کے عناصر اپنا کام کر ہی رہے تھے کہ ایک نہایت غیر متوقع واقعہ پیش آیا جس نے سماج کو بہت جلد درہم برہم کر دیا۔ ۱۸۷۷ء میں یہ افواہ اُڑی کہ کیشب جیسا زبردست مصلح اپنے عزیز اصولوں کو جاہ و ثروت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دینا چاہتا ہے، یعنی جو شخص بچپن کی شادی کو ہندوستان کے لئے ایک لعنت سمجھتا تھا۔ وہ خود اپنی لڑکی کا بیاہ، جس کی عمر چودہ سال سے کم تھی، کوچ بہار کے نوجوان مہاراجہ سے، جو ابھی اٹھارہ سال کا بھی نہیں تھا، کر دینے پر آمادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس افواہ کی تصدیق جب ترقی پسند سماج کے اخبار "انڈین مرر"، مورخہ ۹ر فروری ۱۸۷۸ء سے ہوئی، جس میں اس شادی کے طے پا جانے کا اعلان شائع ہوا تھا، تو ہر طرف سے اعتراضات ہونے لگے، لیکن اُن کی مطلق پروا نہیں کی گئی، اور ۶ر مارچ ۱۸۷۸ء کو شادی کی رسم ادا ہو گئی۔ اس شادی میں عروس کی طرف سے بت پرستانہ رسوم بھی ادا کی گئیں۔ اگرچہ کیشب چندر سین خود وہاں موجود نہ تھے۔ سر مونیر ولیمس لکھتے ہیں کہ شادی کے جائز قرار پانے کے لئے بعض رسوم مثلاً ہوم وغیرہ کا ادا کیا جانا ایک دیسی ریاست میں ضروری تھا جو انگریزی حکومت کی حمایت میں ہونے کے باوجود برطانوی ہند کے

قانون نکاح سے مستثنیٰ تھی۔ شادی کے بعد فوراً ہی مہاراجہ انگلستان کو روانہ ہوگیا، اور زن و شوہر کے درمیان ازدواجی تعلقات ۲۰ر اکتوبر ۱۸۸۱ء تک شروع نہیں ہوئے جب کہ شادی کی آخری رسمیں ادا کی گئیں۔[1]

چند روز کے بعد اس شادی کی مخالفت کرنے والوں نے اپنے آئندہ طرزِ عمل پر غور کرنے کے لئے ایک جلسہ کیا۔ انھوں نے اس امر کی بھی ناکام کوشش کی کہ کیشب چندر سین کو خادمِ دین کے عہدے سے معزول کر دیا جائے۔ نیز سماج کے مندر پر قبضہ کرنے کی کوشش میں بعض نامناسب باتیں ظہور میں آئیں۔ بالآخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک نئی جماعت دستوری اور عالمگیر بنیاد پر قائم کی جائے۔ چنانچہ تمام صوبہ جاتی سماجوں سے مشورہ کیا گیا اور اکثریت کی رائے کے مطابق ۱۵ر مئی ۱۸۷۸ء کو کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں مندرجہ ذیل قرارداد منظور ہوئی۔

> "یہ جلسہ برہم سماج میں کسی دستوری نظام کے نہ ہونے پر نہایت افسوس کا اظہار کرتا ہے، اور ایک دوسری سماج "سادھارن (عام) برہم سماج" کے نام سے قائم کرتا ہے تاکہ وہ سنگین اور گوناگوں برائیاں دور کر دی جائیں جو موجودہ صورتِ حال کا نتیجہ ہیں، اور اُن تمام باتوں میں جو ہندوستان میں خداپرستی کے مسئلے اور خداپرستی کے کام پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ عام برہم جماعتوں کی نمائندگی اور ان کا متحد تعاون حاصل کیا جائے"۔[2]

اس نئی برہم سماج کے پہلے صدر آنند موہن بوس تھے۔ عبادت کے جلسے شروع شروع میں کرایہ کے کمروں میں ہوا کرتے تھے، لیکن جنوری ۱۸۷۹ء میں ایک جدید عبادت

---

[1] "ہندوستان کی مذہبی فکر اور زندگی"، ص ۱۳-۵۱۲۔

[2] " " " " ۵۱۶۔

خانے کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ ساتھ ہی ساتھ اس جماعت کی طرف سے ایک اخبار "برھم پبلک اوپی نین" (BRAHMA PUBLIC OPINION) اور ایک پندرہ روزہ رسالہ "تتو اکمودی" یعنی "سچائی کی چاندنی" جاری کیا گیا۔

مسٹر عبداللہ یوسف علی لکھتے ہیں:۔

"۱۸۷۸ء کی مذہبی پھوٹ سے سادھارن برھمو سماج پیدا ہوئی جس کی عام جماعت نے مغرب کے آزاد کلیساؤں کے اصول پر کام کرنا شروع کر دیا۔ کیشب نے اس وقت (جنوری ۱۸۸۱ء میں) واضح طور پر اپنے جدید مذہبی عقیدے (نوا ودھان) کا اعلان کیا اور دعویٰ کیا کہ اُن کو خود وحی آتی ہے اور وہ اپنے مذہب کے نبی ہیں۔ جنوری ۱۸۸۴ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت برھمو سماج کے جھنڈے کے نیچے تین جماعتیں ہیں:۔ (۱) قدیم جماعت یا آدی سماج، جو کم تعداد میں ہے۔ لیکن اپنے آئین میں خاص طبقے کے اراکین کو اختیار دیتی ہے۔ اس جماعت پر ۱۸۷۲ء کے سیول میرج ایکٹ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ وہ شادی کے معاملے میں خود اپنی رسموں کی پابند ہے۔ (۲) مجلس عامہ یا سادھارن جماعت، جو عام عملی یا دنیاوی تنظیم پر مبنی ہے، اور (۳) "جدید عقیدہ" کی جماعت جس میں مذہبی اسرار اور طریقت کو جگہ دی جاتی ہے۔ آخر الذکر جماعت اپنے عقائد کی عالمگیر نوعیت کے متعلق یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ہندو رسم و رواج کی پابندی سے آزاد کر لیا ہے۔ لیکن عملی پہلو سے یہ بات مشکل ہے۔ سماج کا زیادہ تر اثر موجودہ زمانے میں بنگال میں پایا جاتا ہے[1]"

---

[1] "انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ" ص ۲۶۶۔

بنگال کے باہر برہمو سماج کی تحریک کو بمبئی اور مدراس کے صوبوں میں زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ بمبئی میں پرارتھنا سماج کے نام سے مغربی ہند کی پہلی خدا پرست انجمن ۱۸۶۷ء میں قائم ہو گئی تھی۔ پرارتھنا سماج کے مشہور لیڈر ایم۔ جی۔ راناڈے (۱۸۴۲ء تا ۱۹۰۱ء) اور ان۔ جی۔ چنداور کر (۱۸۵۵ء تا ۱۹۲۳ء) تھے۔ ان دونوں کی توجہ زیادہ تر اصلاح معاشرت پر مرکوز رہی۔ اور اس شعبے میں انھوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ پرارتھنا سماج کے مرہٹی مرکز پونا اور بمبئی میں ہیں، اور ایک گجراتی مرکز احمد آباد میں ہے۔ مدراس کی برہم سماج جو ۱۸۷۱ء میں قائم ہوئی تھی، ایک سابق انجمن وید سماج کی ترقی یافتہ شکل تھی رفتہ رفتہ مدراس کی سماج کی اٹھارہ دراوڑی شاخیں صوبے میں اور قائم ہو گئیں۔ لاہور میں سردار دیال سنگھ مجیٹھیہ کی وصیت کے مطابق ۱۹۱۰ء میں دیال سنگھ کالج کی بنیاد پنجاب میں برہمو سماج کے اصول کی تبلیغ کے لئے ڈالی گئی تھی۔ لیکن آریہ سماج کی مخالفانہ سرگرمیوں کی وجہ سے اس تحریک کو خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی۔

برہمو سماج کی اردو کتابیں

برہمو سماج کی طرف سے اردو میں متعدد کتابیں شائع کی گئی ہیں۔ مندرجہ ذیل وہ ہیں جو مجھے دستیاب ہو سکیں:۔

(۱) **بنیاد الایمان براہمہ دھرم**:۔ مصنفہ ستیانند اگنی ہوتری۔ حصہ اول۔ مطبوعہ نیو امپریل پریس، لاہور ۱۸۸۳ء ص ۲۷۔ ذیل کے اقتباس میں "ل" سے سائل اور "ب" سے مجیب مراد ہے۔

"ل۔ کیوں جناب، برہمو مذہب کیا چیز ہے؟

ب۔ برہمو مذہب سے آپ کی مراد کیا براہمہ دھرم کے عقائد سے ہے؟

ل۔ جی ہاں۔

ب۔ برمھ اُسے کہتے ہیں جو سب سے بڑا اور لاثانی ہو کہ جس کو عام بول

چال میں پرمیشیر یا خدا کہتے ہیں، اور دھرم اُس فطرت الہٰی یعنی الوہیت یا دیو بھاؤ سے مراد ہے جس کا تخم ہر ایک انسانی روح میں خالق نے بو رکھا ہے۔ پس سنسکرت زبان کی ترکیب کے موافق بر جھ دھرم پرمیشیر کے قائم یا ظاہر کئے ہوئے دھرم کو کہتے ہیں، اور یہ دھرم جن اصولوں پر مبنی ہے وہ اس کے عقائد کہلاتے ہیں۔

ا۔ کیا دھرم کوئی فطری چیز ہے اور اس کو پرمیشر نے انسان کی سرشت میں قائم کر دیا ہے؟

ب۔ بیشک دھرم فطری چیز ہے اور اس کا بیج خالق نے ہی انسان کی سرشت میں بو دیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کے پہچاننے کا مادّہ اور اس کی ترقی کی خواہش بھی انسان میں طبعی ہے۔

ا۔ یہ کیونکر معلوم ہو؟

ب۔ انسان کی فطرت پر نگاہ ڈالنے سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ آپ کس طور سے جانتے ہیں کہ انسان میں کھانے پینے کی خواہش طبعی ہے کیونکہ علاوہ بھوک کی خواہش محسوس کرنے کے آپ یہ بھی صاف دیکھتے ہیں کہ وہ اس خواہش کے پورا ہونے کی غرض سے ہزاروں قسم کی کھانے کی چیزوں کے پیدا کرنے اور بہم پہنچانے میں مصروف دیکھا جاتا ہے۔ دھرم کی خواہش کی بھی اسی طور پر تصدیق کر سکتے ہو۔ دیکھو گے کہ انسان کی تاریخ میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں انسان نے دھرم کی بھوک اور پیاس کا اظہار نہ کیا ہو۔ صرف معمولی اظہار ہی نہیں، بلکہ اس کے حصول کے لئے اس نے وہ کچھ کیا ہے کہ جو کسی دنیوی چیز کے لئے نہیں کیا۔ بستی چھوڑ جنگل میں یہ گیا ہے۔ بادشاہت چھوڑ فقیر یہ ہوا ہے۔ پاک دامن،

نیک، وفادار اور حسین بیوی اور لخت جگر بچوں کی نہایت زور دار محبت اور موہ سے ایک لخت کنارہ اس نے کیا ہے۔ دنیا کے ہزاروں لذائذ اور جسمی آرام اور آسائش کے سامانوں سے منہ اس نے موڑا ہے۔ دن کو دن اور رات کو رات اس نے نہیں سمجھا گرمیوں کی جلتی ہوئی دھوپ میں اپنے چاروں طرف آگ کی دھونی جلا کر یہ بیٹھا ہے۔ سخت سے سخت سردی اور پانی کے دنوں میں دریا کے برفانی پانی میں برسوں یہ کھڑا رہا ہے۔ سیکڑوں اقسام کے لذیذ کھانوں کو چھوڑ جنگلی درختوں کے پھل پھول پر اس نے گزران کی ہے۔ بیش قیمت پوشاک اور لباس چھوڑ بھگوے بستر اس نے پہنے ہیں بھبھوت مل ہاتھ اس نے سکھائے ہیں۔ کان پھڑوائے اور زبانیں کاٹی ہیں، اور برف میں جسم کو اس نے گلایا ہے۔ پیڑ کے تلے اور پہاڑ کی کھو میں سادھی لگا کر دھیان اور تصور میں عمر اس نے کاٹی ہے۔ غرض کہ یہ کل باتیں یوں ہی عمل میں نہیں آئیں، بلکہ یہ سب اسی طبعی خواہش کے جوش میں آنے کا نتیجہ ہے کہ جس کا بیج اس کی سرشت میں موجود ہے۔" (ص ۶-۸)

"براہمو دھرم کے بنیادی اصول"، مصنف کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں:۔

"اول۔ ایک بے ہمتا خدا تمام کائنات کا خالق اور قائم رکھنے والا ہے۔ وہ علیم، راحت کل (آنندمے)، عادل، پاک، اور رحیم ہے۔ وہی تمام خوبیوں کا لاانتہا چشمہ ہے۔ اس کے سوا کوئی شے اپنی خوبی میں کامل نہیں۔

دوم۔ روح انسانی غیر فانی ہے۔

سوم۔ روح انسانی ایک بے ہمتا خدا کی سچی پرستش یعنی روحانی جوگ اور اس کے پسندیدہ عمل سے پاپ سے مکتی اور دھرم جیون حاصل کر سکتی ہے۔" (ص ۲)

(۲) کتاب طریقت عبادت مجلسی براہمو سماج :۔ شائع کردہ اودھ براہمو سماج مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۸۷۶ء۔ ص ۲۳۔

اس کتاب میں برہمو سماج کی مجلسی عبادت کا طریقہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ابتدائی حصہ ملاحظہ ہو:۔

"طریقت عبادت مجلسی براہمو سماج

شروع عبادت کا ایک سماع کے ساتھ ہوگا۔

تنبیہ

جو ہمارا خالق و رب و نجات دہندہ ہے اس کی عبادت کے لئے ہم اس جگہ جمع ہوئے۔ بھائیو تفکر و ہوس دنیوی کو چھوڑ دو۔ دلوں کو سکون کرو، اور نجات کے واسطے کمال راغب ہو کر اس کے تخت کے روبرو ہو۔ یہ عبادت خانہ اُس کے جلوۂ کمال و جلال سے بھرا ہوا ہے اعتقاد و محبت کی آنکھوں سے اُس کو دیکھو۔ اس لاانتہا و حق و حسین و محسن پروردگار کے چاروں جوانب بیٹھ کر ہم سب عاجزی کے ساتھ اس کی پرستش کریں و اس کا مراقبہ کریں اور نجات کے واسطے اس سے دعائیں مانگیں۔ خدائے رحیم ہمارے دلوں کو آمادہ کرے۔

سماع

حمد

اللہ حقٌ و علیمٌ ولامحدودٌ و واحدٌ و رحیمٌ و مُقدّسٌ و مُنعمٌ

الٰہی تو حق ہے۔ سب جگہ تیری موجودی محیط و مجید ہے۔ تو ساری کائنات

کی پناہ، تو سارے موالید ثلاثہ کا اصل ہے۔ تجھ سے ہم زندہ و قائم ہیں۔
تیرے بغیر سب کچھ باطل و بے اصل۔ الٰہی تو ہماری جانوں کی جان ہے۔
تو علیم ہے۔ تیرے علم بے پایاں سے آسمان و زمین نے جلوہ پایا ہے۔
چاروں طرف تیری کیسی عجیب حکمتیں و کیسے عجیب قوانین ہیں۔ تیری بیشمار
چشم دانش ہم پر قائم ہے اور ہمارے گناہوں، درونی و بیرونی کو دیکھ
رہی ہے۔ تیری نظر نور سے ہم کچھ پوشیدہ نہیں رکھ سکتے ہیں۔ تو ہمہ بیں،
تو شاہد دروں، تو سب کا شاہد ہے ...."

(۳) کلمات الدین :۔ شائع کردہ اودھ براہم سماج۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۸۷۷ء ص ۲۰۔

اس مختصر کتاب میں بعض بنگالی رسالوں کے مضامین اردو میں پیش کئے گئے ہیں۔
پہلا باب "کلمات اسرار" پر ہے جس کا ایک ٹکڑا "نمونتہً" یہاں نقل کیا جاتا ہے۔
"کیوں میرا دل مدام خوش نہیں رہتا ہے۔ غیب سے حق تعالیٰ نے جواب
دیا۔ میرے پاس بار بار نہ آنے سے ایسی خرابی ضرور ہوگی۔ میں نے چند
مرتبے کہا کہ گاہ بگاہ خلوت میں میرے نزدیک بیٹھا کر۔ جو کہنے کے ہیں
سو اس وقت میں کہوں گا و تجھکو چنگا کروں گا تو فقط ایک عبادت
کے وقت میرے پاس آتا ہے۔ دن بھر مجھ سے غافل رہتا ہے ..."، (ص ۲)

(۴) روحانی زندگی :۔ حصہ اول۔ مصنفہ سیتا نند اگنی ہوتری۔ برامھ پرچارک پریس
لاہور، ۱۸۸۰ء۔ ص ۲۸۰۔

(۵) روحانی زندگی :۔ حصہ دوم۔ مصنفہ سیتا نند اگنی ہوتری۔ برامھ پرچارک پریس
لاہور، ۱۸۸۶ء۔ ص ۱۵۲۔

اس کتاب کے دونوں حصے مصنف کے مذہبی اور اخلاقی مضامین کا مجموعہ ہیں۔ دوسرے

حصے کے دیباچے میں مضامین کے ماخذ کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"مثل پہلے حصے کے اس حصے میں بھی جس قدر اُپدیش درج ہیں وہ میرے فکر یا سوچ بچار کا نتیجہ نہیں ہیں ، بلکہ اُن روحانی نظاروں کا عکس ہیں کہ جو میں نے اپنی سینکچو ائری (دیوتر اسلے) میں عبادت کے وقت اپنے دل کے اندر دیکھے ہیں، اور جن کو دیکھ کر میں نے انھیں الفاظ کے لباس میں ملبوس کر دیا ہے تاکہ وہ محفوظ ہو جائیں اور میرے دل سے نکل کر اوروں کے دل تک بھی پہونچ سکیں۔"

کتاب کی عبارت نہایت صاف اور سلیس ہے۔ پہلے حصے کے ایک مضمون میں "نیکی اور بدی کا اصول اس طرح بیان کرتے ہیں :۔

"دنیا کے لوگ نیکی اور بدی کا جو پیمانہ رکھتے ہیں وہ اور ہے، اور بھگت لوگ جو پیمانہ رکھتے ہیں وہ اور ہے۔ دنیا پرست لوگ نیک اور بد کاموں میں جس قسم کی تمیز رکھتے ہیں وہ بھگت لوگوں کی تمیز سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ دنیا دار جن کاموں کو کرتے ہیں وہ خواہ نیک سمجھے جائیں یا بد سمجھے جائیں۔ اُن کا خیال اس بات پر نہیں ہوتا ہے، بلکہ ہر کام کے کرنے میں، ہر بات کے بولنے میں ان کا مقصد صرف اسی قدر رہتا ہے کہ اس سے ان کی نفسانی خواہش پوری ہوگی یا نہیں۔ نفسانی خواہش کو مدنظر رکھنا، جسمانی آرام، دولت اور عزت وغیرہ کو مقصود رکھنا، اور پھر ان کے حصول کے لئے حسب موقع زبان کھولنا یا عمل کرنا، وہ اپنی زندگی کی علت غائی سمجھتے ہیں۔ یا ایک لفظ میں، خودی اور نفسانیت کو پورا کرنا ان کا اصل مطلب ہوتا ہے، اور اسی مطلب کو برلانے کے لئے وہ اپنی کل حرکات کو وسیلہ بناتے ہیں۔۔

"........ پس ان لوگوں کے افعال گو بظاہر نیکی اور بدی سے معمور ہوتے ہیں، لیکن بالمعنی وہ کل نفس کی خدمت کے لئے ہوتے ہیں۔ ان افعال میں وہ افعال بھی جو بظاہر نیک کہلاتے ہیں۔ اپنی تاثیر کے لحاظ سے ان کی روحوں کو کچھ خدا کے نزدیک نہیں لے جاتے، بلکہ اُلٹا نفس کی قرابت میں مدد کرتے ہیں۔ دنیا داروں یا نفس پرستوں کے نیک افعال بھی کچھ پاکیزگی یا مُکتی کے حصول میں مددگار نہیں ہوتے بلکہ روحانی بندھنوں کو ہی زیادہ مضبوط کرتے ہیں۔ اس لئے بھگتوں کے نزدیک سچے خدا پرستوں کے نزدیک، ان کی نیکی نیکی نہیں، نہ ان کی نیکی بدی کا پیمانہ اصل پیمانہ ہے۔ بھگتوں کے نزدیک ہر ایک فکر، ہر ایک عمل وہیں تک نیک اور پاک ہے، وہیں تک بد نہیں، جہاں تک اس کے ذریعے پرماتما کی مرضی پوری ہوتی ہے اور پرماتما کی بزرگی قائم ہوتی ہے۔ بھگت اس فکر، کلام اور عمل کو مکتی کا موجب نہیں جانتا جو پرماتما کے لئے نہ ہو بلکہ نفس کے لئے ہو اور جس سے روح بجائے پرماتما کی طرف جانے کے نفس کی ہی طرف کھسکتی ہو۔ وہ دنیوی مصلحت یا موقع دیکھ کر کسی اپنے کام کو نفسانی اغراض کا ذریعہ نہیں سمجھتا، بلکہ ہر موقع اور ہر حالت میں خدا کی مرضی کو پورا کرنا، سچے انصاف، بے ریا پن، اور پریم و محبت کو قائم کرنا، ان کے قائم رکھنے میں پرماتما کا وفادار رہنا، اور ہر ایک بات اور کام کو انھیں کی خوشی اور رضا کے لئے پورا کرنا، اس کی زندگی کا مقصود ہوتا ہے.........." (ص ۱۵۱ - ۱۴۸)

(۶) دھرم جیون :۔ حصہ اول و دوم۔ سرورق غائب، اس لئے مصنف اور مطبع کا

نام معلوم نہ ہو سکا۔ نسخہ بظاہر قدیم معلوم ہوتا ہے۔ ص ۳۳۔

اس کتاب میں مختلف مذہبی اور اخلاقی موضوعوں پر اٹھائیس چھوٹے مضامین ہیں۔

(۷) مرأۃ الدین، حصہ دوم۔ مطبوعہ پنجابی پریس، لاہور ۱۸۸۴ء۔ ص ۵۰۔

یہ کتاب بھی سیتا نند اگنی ہوتری کے چند مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس حصے میں حسب ذیل مضامین شامل ہیں:۔ بھگتی کیا چیز ہے۔ گیان اور بھگتی۔ گناہ اور اُس سے مُکتی۔ روحانی پوجا۔ ابدی زندگی اور اس کے ساتھ روحانی ترقی کا لا انتہا سلسلہ۔

(۸) ہندو دھرم کی پر تشٹھتا (فضیلت)۔ از بابو راج نرائن بوس۔ صدر آدی برھمو سماج، کلکتہ۔ مترجمہ بابو بیجناتھ۔ مطبع ودیا درپن، میرٹھ۔ سنہ طباعت درج نہیں ص ۳۴۔

یہ وہ خطبہ ہے جو بابو راج نرائن بوس نے کلکتہ کی نیشنل سوسائٹی میں پڑھا تھا۔ اس میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ شاستروں سے بت پرستی کا جواز ثابت نہیں ہوتا بتوں کی پوجا محض جہلا اور عوام میں رائج ہے۔ جو لوگ مذہب کا صحیح علم رکھتے ہیں وہ اس سے بری ہیں۔ اس کے علاوہ مصنف نے بعض اور غلط فہمیوں کو جو ہندو دھرم سے متعلق پھیلی ہوئی ہیں، دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ چند اقتباسات حسب ذیل ہیں:۔

"ہندو دھرم کی پر تشٹھتا یعنی فضیلت ثابت کرنے سے پہلے یہ بتلانا ضرور ہے کہ ہندو دھرم کیا چیز ہے۔ شاستروں کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ برھم گیان اور برھم سیوا ہی ہندوؤں کا پرم دھرم ہے، اور جملہ شاستروں میں اسی کی ہدایت ہے، اور بغیر اس کے موکش (نجات) نہیں ہو سکتی۔ برھم سب شاستروں کی جڑ ہے۔ گیانی لوگ برھم کو گیان کی آنکھ سے دیکھتے اور دھیان اور سمادھی سے اس کو پہونچنے کی کوشش کرتے ہیں.... شُرتی سمرتی، یعنی وید اور دھرم شاستر منو وغیرہ میں بھی برھم گیان ہی کا چرچا ہے، اور پورانوں اور شاستروں کا بھی یہی مقولہ ہے کہ بلا برھم گیان کے

موکش نہیں ہو سکتی۔

جتنے دیوی دیوتا ان شاستروں میں مانے گئے ہیں وہ پرمیشور کی ظاہری
سامرتھ ہیں۔ مثلاً پرمیشور کی پیدا کرنے والی شکتی کا نام برھما، اور پالن
کرنے والی شکتی کا نام بشنو، اور ناش کرنے والی شکتی کا نام مہیش ہے
جیسا کہ شریمد بھاگوت میں لکھا ہے (سنسکرت عبارت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔)
پیدا کرنے، پالن کرنے، ناش کرنے، کی مختلف سامرتھوں کے سبب
سے پرمیشور کے مختلف نام ہیں۔ شاستروں سے پایا جاتا ہے کہ بڑے بڑے
دیوتا بھی پرمیشور کا دھیان کیا کرتے تھے .... ۔ ۔ ۔ ۔ بس ظاہر ہے
کہ پرمیشور کی پوجا ہی اس دھرم کی بنا ہے اور اس کا ماننا ہی ہندو
دھرم ہے۔" (ص ۳)

"شاستروں میں بت پرستی کی تمام تر برائی لکھی ہے، چنانچہ اس بارے میں چند شلوک
لکھے جاتے ہیں:۔

"سوگیہ پرمیشر کی جس کا کوئی ثانی یا شریر یا نام نہیں ہے۔ واسطے فائدہ یوگیوں
کے مختلف قسم کی خیالی صورتیں منسوب کی جاتی ہیں۔ ایسی خیالی صورتوں کو
منسوب کرنے سے مرد اور عورت کی صورتوں کا خیال پیدا ہوتا ہے"

"پرمیشور ایسی خاصیتوں سے کہ جیسے نام اور صورت مبرا ہے، اور نہ وہ
پیدا ہوتا ہے اور نہ اس پر زمانے کا اثر ہوتا ہے، نہ وہ بدلتا ہے
صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ پرمیشور موجود ہے۔"

"عام آدمی جل یعنی پانی کو، اور اُن سے زیادہ تر علمند ستاروں وغیرہ کو
اور محض جاہل لکڑی اور پتھر کی مورتوں کو پرمیشور مانتے ہیں۔ مگر پرم بھگت
لوگ اپنے ہی میں پرمیشور کو سمجھتے ہیں۔"

"جو لوگ پرمیشور کو جانتے ہیں ان کو ہوم کرنے یا مورتی پوجن کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جب ٹھنڈی ہوا چلتی ہے تو پنکھے کی کیا ضرورت ہے۔" (ص ۱۱)

"عیسائیوں کو اس مسئلے پر کہ اور لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کرو جیسا تم اُن سے اپنی نسبت کرانا چاہتے ہو، بڑا ناز ہے، اور لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ایسے عالی خیالات ہندو دھرم میں نہیں ہیں۔ مگر یہ خیال غلط ہے:۔

"سب دھرموں کا سار یہ ہے اور اس کوشش کر خیال رکھو کہ تم کو اوروں کے ساتھ وہ کام جو تم کو خود بُرا معلوم ہو نہیں کرنا چاہئے۔" مہابھارت میں لکھا ہے: "سا کھا وہی ہے جو اپنے موافق اوروں کو دیکھتا ہے۔" "جو شخص تمام سرشٹی کو اپنے موافق سکھ اور دکھ کے معاملے میں سمجھتا ہے وہی یوگی ہے۔" (ص ۲۱)

(۹) دھرم رکشا سٹیک: مصنفہ بابو نوین چندر رائے، مطبوعہ آگرہ پریس، آگرہ، ۱۸۷۷ء ص ۲۶۴۔

یہ کتاب برہمو سماج کے اصولوں کی توضیح اور بت پرستی کی مخالفت کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ویدوں اور مختلف شاستروں کی عبارتیں اردو ترجمے کے ساتھ درج کی گئی ہیں۔ بعض مضامین حسب ذیل ہیں:۔

بت پرستی جاہلوں کی پوجا ہے۔ بت پرست لوگوں کی نجات نہیں ہوتی بت پرستی اور مخلوق پرستی کی ویدوں اور شاستروں میں سخت ممانعت ہے۔ روحانی تیرتھ کے بغیر نجات حاصل نہیں ہوتی۔ بیرونی تیرتھوں میں گھومنا جاہلوں کا کام ہے۔ ذات کی تفریق اعمال یا پیشوں کی تفریق کے سبب سے ہے، اصلی نہیں۔ برہمن شودر ہو سکتا ہے اور شودر اپنے اعمال سے برہمن بن سکتا ہے۔ ملیچھ لوگ اگر پرمیشور کے بھگت ہوں تو وہ بھی پاک ہیں۔ عقل کے خلاف برھما کا قول بھی قبول نہ کرنا چاہئے۔ وید اور پوران غلطی سے مبرا نہیں ہیں۔ ویدوں

میں ایسی شرتیاں بہت ہیں جو باہم مختلف ہیں۔ دھرم شاستروں میں بھی ایسے اقوال بہت ہیں جن میں باہم اختلاف ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۱۰) میری زندگی کا مشن۔ مطبوعہ نیو امپریل، پریس، لاہور ۱۸۸۴ء۔ ص ۳۲۔
یہ وہ لکچر ہے جو پنڈت ستیانند اگنی ہوتری نے ۱۵ر جنوری ۱۸۸۲ء کو برہم مندر لاہور میں دیا تھا اور جس میں انھوں نے برہمو سماج کے مقاصد کی نشر و اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دینے کا اعلان کیا تھا۔

(۱۱) دھرم پرکاش:۔ از شیو نرائن اگنی ہوتری۔ مطبوعہ گیان پریس، سیالکوٹ ۱۸۸۶ء۔ ص ۸۴۔
اس کتاب میں پنڈت شیو نرائن نے روحانی اسرار کے متعلق اپنے خیالات بیان کئے ہیں۔

(۱۲) برہم پرکاش یا شعاع الحق:۔ مصنفہ منشی دیوان چند۔ مطبوعہ گیان پریس گوجرانوالہ۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۸۰۔
اس میں برہمو سماج کے اصول کی تشریح ہے۔

(۱۳) دنیا کا ایک عالمگیر اور روحانی مذہب:۔ مطبع کا نام پڑھا نہ جا سکا ۱۸۸۰ء۔ ص ۲۶
یہ اس لکچر کا خلاصہ ہے جو ستیانند اگنی ہوتری نے برہم مندر، لاہور میں دیا تھا

(۳) آریہ سماج

برھمو سماج کے بعد ہندو مذہب کا سب سے اہم اصلاحی فرقہ آریہ سماج ہے۔ اِس کے بانی سوامی دیانند سرسوتی ۱۸۲۴ء میں کاٹھیاوار کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اپنی زندگی میں انھوں نے اپنے نام اور مقام پیدائش کو مخفی رکھا۔ ۱۸۸۳ء میں ان کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ ان کا اصلی نام مول شنکر تھا اور وہ ایک برہمن امبا شنکر کے بیٹے تھے جو شیو جی کے پجاریوں میں تھے اور ساہوکاری کا پیشہ کرتے تھے۔ سوامی دیانند کی زندگی تقریباً تین برابر حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔ ۱۸۲۴ء سے ۱۸۴۵ء تک وہ گھر پر مقیم رہے اس کے بعد ۱۸۴۵ء سے ۱۸۶۳ء تک انھوں نے اپنا وقت سیر وسیاحت اور حصول تعلیم میں صرف کیا۔ ۱۸۶۳ء سے ۱۸۸۳ء تک کا زمانہ اُن کی تبلیغی سرگرمیوں کا دور ہے۔

چودہ سال کی عمر میں ہی مول شنکر بت پرستی سے بیزار ہو گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک رات جب وہ شیوجی کے مندر میں پوجا کرنے گئے تو انھوں نے دیکھا کہ چوہے بت پر دوڑ رہے ہیں۔ اپنے معبود کی اس بے بسی کا ان کے دل پر اتنا اثر پڑا کہ انھوں نے بت پرستی چھوڑ دینے کا عزم کرلیا۔ گھر پر قیام کے زمانے میں دوسرا واقعہ جس نے ان کو بہت زیادہ متاثر کیا ان کی بہن کی موت کا سانحہ تھا۔ بہن سے ان کو بڑی محبت تھی۔ اس کی موت نے دنیا کی بے ثباتی کا نقش دل پر بٹھا دیا اور انھوں نے دنیا سے

منھ موڑکر مکتی کی تلاش میں نکل جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس ارادے کو اس وجہ سے اور بھی تقویت ہوئی کہ ان کے والدین اب ان کی شادی کر دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ ازدواج کی زنجیروں میں جکڑے جانے سے پہلے ہی اکیس سال کی عمر میں وہ گھر سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

گھر سے نکلنے کے بعد ایک سنیاسی کی حیثیت سے تقریباً اٹھارہ سال انھوں نے متعدد مقامات کی سیاحت اور مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے میں گزار دئے۔ سب سے پہلے وہ ویدانتی عقائد کے قائل ہوئے، اور ایک عرصے تک انفرادی روح اور روح اعلیٰ کو ایک سمجھتے رہے۔ اسی زمانے میں وہ برھم چاری سلسلے میں داخل ہوئے اور انھیں ایک نیا نام سدھا چتینیا دیا گیا۔ اس کے بعد وہ سنیاسیوں کے چوتھے طبقے میں داخل کئے گئے اور ان کو وہ لقب عطا ہوا جس سے وہ بعد کو مشہور ہوئے، یعنی دیانند سرسوتی۔ لیکن اس لقب کے علاوہ اور تمام چیزیں جو ان کو اپنے ویدانتی اساتذہ سے ملی تھیں انھوں نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد ترک کر دیں، اور ویدانت کے مذہب سے الگ ہو کر یوگ کا مسلک اختیار کر لیا۔ ان کی زندگی پر سب سے زیادہ مذہبی اثر متھرا کے نابینا فاضل ویدسوامی ورجانند کی تعلیم کا پڑا۔ ورجانند جدید سنسکرت ادب کے سخت مخالف تھے، انھوں نے دیانند کو اس شرط پر تعلیم دینا منظور کیا تھا کہ وہ جدید سنسکرت ادب کی اپنی تمام کتابیں پھینک دیں گے۔ دیانند نے یہ شرط منظور کرلی اور نابینا سوامی نے انھیں وید کی تعلیم دے کر ان الفاظ کے ساتھ رخصت کیا: "میں چاہتا ہوں کہ تم دنیا میں جا کر انسانوں میں روشنی پھیلاؤ۔" اس طرح سوامی دیانند کی زندگی کا دوسرا دور ختم ہوا۔

اپنی زندگی کے آخری بیس سال (۱۸۶۳ء تا ۱۸۸۳ء) میں سوامی دیانند تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ وہ ہندوستان کے طول و عرض میں گھوم گھوم کر ویدک تعلیمات کی اشاعت کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں انھوں نے پنڈتوں، مولویوں اور

عیسائی مشنریوں سے بھی مناظرے کئے اور کتابیں لکھیں۔ تبلیغی سیاحت کے ابتدائی چار سال کے بعد وہ "مزید غور و فکر اور تہذیب اخلاق" کے لئے دریائے گنگا کے کنارے جاکر مقیم ہو گئے۔ تقریباً ڈھائی سال وہاں قیام کرنے کے بعد وہ پھر مذہبی مباحثے کے لئے نکلے۔ بت پرستی کے بڑے بڑے مرکزوں میں جاکر وہ ہمیشہ یہ سوال کرتے: "کیا ویدوں میں مورتی پوجا ملتی ہے؟" اور بت پرستی کے خلاف نہایت پرجوش تقریریں کرتے اور اپنے مخالفین کو شکست دیتے۔

۱۰ اپریل ۱۸۷۵ء کو سوامی دیانند نے بمبئی میں آریہ سماج کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۷۷ء میں دربار کے موقع پر وہ دہلی گئے اور وہاں پنجاب کے بعض اصحاب سے ان کی ملاقات ہوئی جنھوں نے اپنے صوبے میں آنے کی انکو دعوت دی۔ چنانچہ اس تقریب سے وہ پنجاب گئے۔ جہاں بعد میں ان کی سماج کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

اپنی تبلیغی سیاحت کے دوران میں سوامی دیانند اس عہد کے مختلف مصلحین مذہب سے ملے، مثلاً برھمو سماج کے نمائندے دیویندر ناتھ ٹگور اور کیشب چندر سین، تھیوسوفیکل سوسائٹی کی روح و رواں مدام بلاواٹسکی اور کرنل اسکاٹ، پرارتھنا سماج کے لیڈر بھولاناتھ سارا بھائی، مسلمانوں کے مصلح سید احمد خاں، اور عیسائیوں کے مبلغ ڈاکٹر ٹی۔ جے اسکاٹ اور ریورنڈ جے گرے سے انھوں نے ملاقات کی۔ پرارتھنا سماج اور برھمو سماج دونوں کے لیڈروں سے مل کر انھوں نے اس بات کی کوشش کی کہ ایک متحدہ جماعت "آریہ سماج" کے نام سے قائم کی جائے۔ لیکن بجز تھیوسوفیکل سوسائٹی کے اور کسی جماعت کے ساتھ عارضی اتحاد بھی عمل میں نہ آسکا۔ ۱۸۷۸ء سے ۱۸۸۱ء تک آریہ سماج اور تھیوسوفیکل سوسائٹی مل کر کام کرتی ہیں۔ لیکن یہ اشتراک عمل زیادہ دنوں تک قائم نہ رہا، اور خدا کی شخصیت کے مسئلے پر دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئیں۔

۱۸۸۳ء میں سوامی دیانند راجپوتانہ گئے اور وہاں کے راجاؤں کے دوست اور مشیر بن گئے۔ ان کے سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ انھوں نے مہاراجہ جودھپور کو اس بات پر سرزنش کی کہ وہ ایک طوائف کے زیر اثر تھے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد سوامی دیانند بیمار پڑے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انھیں کھانے میں زہر دیا گیا تھا جو آہستہ آہستہ اپنا کام کر رہا تھا۔ بہرحال ان کی بیماری مہلک ثابت ہوئی، اور ۳۰ر اکتوبر ۱۸۸۳ء کو انسٹھ سال کی عمر میں اُن کا انتقال اجمیر میں ہوگیا۔[1]

عقائد اور اصول آریہ سماج کے عقائد کی تصریح مندرجہ ذیل دفعات میں کی گئی ہے جو ستیارتھ پرکاش کے "مستند اردو ترجمہ" کے شروع میں "آریہ سماج کے نیم (اصول)" کے زیر عنوان درج ہیں۔ قوسین کے الفاظ خود مترجم کے ہیں:۔

"۱۔ سب ست ودیا (حقیقی علوم) اور ست ودیا سے جو پدارتھ (اشیاء) جانے جاتے ہیں ان سب کا مول (علت اولیٰ) پرمیشور ہے۔

۲۔ ایشور سچدانند سروپ (عین الحق علیم سرور)، نراکار (غیر محدود)، سرو شکتیمان (قادر مطلق)، نیائے کاری (عادل)، دیالو (رحیم)، اجنما (بری از تولید)، اننت (لاانتہا)، نروکار (بے عیب)، انادی (ازلی)، انوپم (بے شکل)، سرو آدھار (سب کا سہارا)، سرویشور (رب الارباب)، سرو ویاپک (حاضر و ناظر)، سرو انتریامی (سب کا رازداں)، اجسر (لازوال)، امر (غیر فانی)، ابھے (بے خوف)، اینتہ (ابدی)، پوتر (پاک)، اور سرشٹی کرتا (خالق) ہے۔ اُسی کی اُپاسنا کرنی یوگیہ (واجب) ہے۔

۳۔ وید سب ست ودیاؤں کا پستک (کتاب) ہے۔ وید کا پڑھنا پڑھانا

[1] انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ جلد دوم ۱۹۰۹ء ص ۵۷-۵۸۔

سُننا سُنانا، سب آریوں کا پرم دھرم ہے۔

۴۔ سیتیہ (راستی) کے گرہن (قبول) کرنے اور اَستیہ (ناراستی) کے چھوڑنے میں سروَدا (ہمیشہ) اُدیت (مستعد) رہنا چاہئے۔

۵۔ سب کام دھرم انوسار (دھرم کے مطابق) ارتھات (یعنی) سیتیہ اور اَستیہ کو وچار کرکے کرنے چاہئیں۔

۶۔ سنسار (عالم) کا اُپکار (بھلا) کرنا اس سماج کا مکھیہ (خاص) اُدیش (منشا) ہے۔ ارتھات (یعنی) شاریرک (جسمانی)، آتمک (روحانی) اور ساماجک (مجلسی) اُنتی (ترقی) کرنا۔

۷۔ سب سے پریتی پوروک (محبت سے) دھرم انوسار یتھا یوگیہ (مناسب) برتنا چاہئے۔

۸۔ اوِدّیا (جہالت) کا ناش (دور) اور وِدّیا (علم) کی وردھی (ترقی) کرنی چاہئے۔

۹۔ پرتیک (ہر ایک) کو اپنی ہی اُنتی سے سنتشٹ (قانع) نہ رہنا چاہئے کنتو (بلکہ) سب کی اُنتی میں اپنی اُنتی سمجھنی چاہئے۔

۱۰۔ سب منشیوں (آدمیوں) کو ساماجک سروہتکاری (فوائد عامہ کے متعلق) نیم (اصول) پالنے میں پرتنتر (ماتحت) رہنا چاہئے، اور پرتیک (اپنی ذات کے متعلق) ہتکاری نیم میں سب سوتنتر (خودمختار) رہیں۔"[1]

مندرجہ بالا دس اصولوں میں سے پہلے تین خدا کی ذات وصفات اور ویدوں سے متعلق ہیں۔ باقی سات اخلاقی ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ آریہ سماج

---

[1] ستیارتھ پرکاش کا مستند اردو ترجمہ، شائع کردہ آریہ پرادیشک پرتی ندھی سبھا مطبوعہ لاہور ۱۹۴۳ء (ص ۲)

کی دینیات سانکھیہ یوگ کا مذہبی فلسفہ ہے۔ سانکھیہ کا بنیادی اصول پراکرتی اور پرس یعنی مادہ اور روح کی ثنویت ہے۔ یوگ یا خدا پرستارانہ سانکھیہ غیر خدا پرستارانہ سانکھیہ کی تسلیم کردہ لاتعداد ارواح میں سے ایک کو لیکر اُسے روح اعلیٰ قرار دیتا ہے۔ اس طرح ایک قسم کی تثلیث قائم ہو جاتی ہے۔ جو خدا، روح (یا ارواح) اور مادّے پر مشتمل ہوتی ہے، اور اس تثلیث کی ہر فرد اپنا مستقل وجود رکھتی ہے۔ خدا کا وجود دائمی ہے۔ اسی طرح ہر روح اور مادہ بھی اپنا دائمی وجود رکھتا ہے۔

' آریہ سماج کے نقطہ نظر سے نجات کا سب سے بڑا ذریعہ انسان کی ذاتی کوشش ہے، اور اس کے لئے آواگون کا عقیدہ کافی وسیع میدان فراہم کرتا ہے۔ گناہ کسی صورت میں معاف نہیں ہوتے۔ کرم کا قانون اٹل ہے۔ ارادے کی آزادی کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ:-

> " اگر ہماری تخلیق کسی اور کے ہاتھوں سے ہوئی ہے تو اس صورت میں ہم کسی فعل کا ارادہ کرنے کے لئے آزاد نہیں ہیں .... آزاد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم وہی فعل کرتے رہیں جو ہمارے نزدیک بہتر ہو یا ہمارے افعال کی راہ ہمارے پچھلے کرموں سے متعین ہوئی ہو، اور اس طرح خدا کے دائمی قوانین کے مطابق اپنے اچھے یا بُرے کاموں کا پھل پاتے رہیں اور انھیں قوانین کے مطابق گویا اپنے ہاتھوں سے اپنی آئندہ قسمت کی تشکیل کرتے رہیں۔" (آریہ پتریکا۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۱۱ء)

مقالہ نگار مذکور لکھتا ہے کہ ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ آریہ سماج میں خدا کی ہستی محض ایک دستوری فرمانروا کی حیثیت رکھتی ہے جو آواگون اور کرم کی اٹل کارروائیوں کی صدارت کرتی ہے، اور اس کے اختیارات روح اور مادے کے مستقل وجود سے محدود رہتے ہیں۔ اس طرح مطلقیت خدا کے لئے بھی تسلیم نہیں کی جاتی۔ اس فرقے کے نظام دینیات میں سائنس اور مذہب کی قدیم نزاع کو دور کرنے کی کوشش پائی جاتی ہے، اور

اس مقصد کے لئے وید اور صحیفۂ فطرت میں مطابقت دکھائی جاتی ہے۔ معجزات سے انکار کیا جاتا ہے[1]

اصلاحی کارنامے سوامی دیانند نے اصلاح مذہب کے سلسلے میں پہلا کام یہ کیا کہ ویدوں کا ہندی ترجمہ شائع کیا چنانچہ وید بھاشیہ بھومکا ان کے قلم سے وید کی ایک مشہور تفسیر ہے، گو سناتن دھرم کے ہندو اس تفسیر کو صحیح نہیں مانتے۔ آریہ سماج ویدوں کو الہامی اور غلطی سے پاک سمجھتی ہے۔ تناسخ پر بھی یہ کامل اعتقاد رکھتی ہے۔

اصلاح معاشرت میں برہمو سماج کی طرح آریہ سماج نے بھی دو چیزوں کے خلاف خاص طور پر زور دیا ہے۔ ایک ذات پات کی تفریق، اور دوسرے بچپن کی شادی اس کے نزدیک ذاتوں کا تفرقہ اعمال و اخلاق پر مبنی ہے نہ کہ پیدائش پر۔ ذاتوں کا امتیاز جو ہندو مذہب کی ایک نمایاں خصوصیت ہے آریہ سماج نے بالکل مٹا دیا ہے۔ اس نے بچپن کی شادی کو بھی ممنوع قرار دیا ہے، اور لڑکی کے لئے شادی کی عمر کم از کم سولہ سال اور لڑکے کے لئے پچیس سال مقرر کی ہے۔ سماج کا ایک اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے بیوہ عورتوں کو شادی کی اجازت دے دی جو قدیم ہندو مذہب میں کسی صورت میں جائز نہ تھی۔

۱۹۰۲ء میں آریہ سماج کے دو حصے ہو گئے۔ ایک جماعت مغربی علوم و فنون کی حامی بن گئی۔ اس نے لاہور میں ڈی۔ اے۔ وی کالج قائم کیا جہاں انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ ویدک دھرم کی تعلیم بھی نصاب میں شامل کی گئی، اگرچہ زیادہ زور انگریزی ہی تعلیم پر دیا جاتا تھا۔ لاہور کالج کے نمونے پر متعدد مقامات پر کالج اور اسکول قائم کئے گئے۔ دوسری جماعت نے ہردوار میں گنگا کے کنارے گروکل قائم کیا۔ یہاں ہندو بچے آٹھ سال

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ جلد دوم۔ ص ۶۰

کی عمر میں داخل کئے جاتے ہیں اور پچیس سال کی عمر تک سنسکرت اور ہندی میں تعلیم پاتے ہیں۔ اس درمیان میں وہ اپنے والدین سے علیحدہ رہتے ہیں اور برہمچاری کہلاتے ہیں۔ ان برہمچاریوں کا مقصد زندگی یہ قرار دیا گیا ہے کہ گروکل سے نکلنے کے بعد ملک میں سماج کے اصولوں کی تبلیغ کریں اور نہ صرف ویدک دھرم بلکہ ویدک تہذیب کو بھی جاری کرنے کی کوشش کریں۔ ہردوار کے نمونے پر متھرا اور دہلی میں بھی گروکل قائم کئے گئے ہیں۔ لڑکیوں کے لئے گروکل علیحدہ ہیں۔

ویدک دھرم کے پرچار کے سلسلے میں آریہ سماج کی ایک نہایت اہم اصلاح شدھی کا مسئلہ ہے۔ ہندو مذہب کی رو سے دوسرے مذہبوں کے پیرو ہندو نہیں بنائے جا سکتے ہندو پیدائش ہی سے ہندو ہوتا ہے۔ لیکن آریہ سماج نے شدھی کا طریقہ جاری کرکے دوسرے مذہب کے لوگوں کو بھی ہندو بنانے کی کوشش کی۔ یہ گویا عیسائی اور مسلمان مبلغین کی سرگرمیوں کا جواب تھا۔

ستیارتھ پرکاش آریہ سماج کی سب سے مشہور کتاب ستیارتھ پرکاش ہے۔ جو سوامی دیانند سرسوتی کی مشہور تصنیف اور سماج کا بنیادی صحیفہ ہے۔ اصل کتاب ہندی میں ہے، لیکن اردو میں بھی اس کے متعدد ترجمے شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے جو مجھے دستیاب ہوئے وہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) اس کتاب کا سب سے پہلا اردو ترجمہ آریہ پرتی ندھی پنجاب کی طرف سے گورودت بھون، لاہور، نے اگست ۱۸۹۹ء میں شائع کیا تھا۔ اس کا ایک بوسیدہ نسخہ گورودت بھون، آریہ سماج لائبریری، لاہور، میں موجود ہے۔ یہ نسخہ ۸۰۷ صفحات پر چھپا ہے۔ مترجمین کے نام یہ ہیں :- ماسٹر آتمارام۔ پنڈت رملّ جی، بابو نہال سنگھ، اور پنڈت جیوتی ایم۔ اے سرورق غائب ہونے سے مطبع کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ کتاب کے آخر میں یہ عبارت درج ہے: "یہ ترجمہ ۳ جولائی ۱۸۹۶ء کو شروع ہوا اور ۱۴ ستمبر ۱۸۹۶ء کو ختم ہوا۔"

یہی ترجمہ تیسری بار ۱۹۰۱ء میں رفاہ عام پریس، لاہور میں چھپا تھا۔ دیباچہ مصنف کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اس سے کتاب کا موضوع واضح ہو جائے گا:-

"یہ کتاب چودہ بابوں میں تقسیم کی گئی ہے، جن میں سے دس باب بطور حصہ اول اور چار باب بطور حصہ دوم ہیں۔ لیکن بار اول میں دو آخری باب اور اپنا عقیدہ کسی وجہ سے چھپ نہ سکے تھے۔ اب وہ بھی چھپوا دئے ہیں۔ باب اول میں ایشور کے 'ادم' وغیرہ ناموں کی تشریح ہے۔ باب دوم میں اولاد کی تربیت، باب سوم میں برہمچریہ، درس و تدریس کا دستور العمل، اور راست و ناراست کتابوں کے نام اور طریقہ تعلیم۔ باب چوتھے میں بیاہ اور امور خانہ داری۔ باب پانچویں میں بان پرستھ اور سنیاس آشرم کے متعلق ہدایات۔ باب چھٹے میں راج دھرم (فرائض سلطنت) باب ساتویں میں وید اور ایشور کا گیان۔ باب آٹھویں میں جگت کی پیدائش، قیام و فنا۔ باب نویں میں ودیا، اودیا، بندھ اور موکش کی تشریح۔ باب دسویں میں نیک و بد چلن، اور کھانے نہ کھانے کے قابل چیزوں کا ذکر۔ باب گیارھویں میں آریاورت کے مختلف متوں (مذہبی عقیدوں) کی تردید و تائید۔ باب بارھویں میں چارواک، بودھ اور جین مت کا بیان۔ باب تیرھویں میں عیسائی مت کا ذکر۔ باب چودھویں میں مسلمانوں کے مذہب کا بیان۔ اور چودہ بابوں کے بعد محض آریوں کے قدیم عقائد کی تشریح دی گئی ہے جن کو میں بھی جیوں کا تیوں مانتا ہوں۔"

اسی ترجمے کا آٹھواں ایڈیشن ۱۹۲۷ء میں راجپال، منیجر آریہ پستکالیہ، انارکلی، لاہور نے شائع کیا۔ اس کے صفحات کی تعداد ۷۹۶ ہے۔ ایک اقتباس حسب ذیل ہے:-

"سوال۔ پرمیشور بے شکل ہے۔ وہ تصور میں نہیں آسکتا۔ اس لئے

ضرور مبت ہونا چاہیئے۔ بھلا جو کچھ بھی نہیں تو بت کے سامنے جا ہاتھ جوڑ پرمیشور کی یاد کرتے اور نام لیتے ہیں۔ اس میں کیا ہرج ہے ؟

جواب :۔ چونکہ پرمیشور بے شکل موجود کُل ہے اس لئے اس کا بت بن ہی نہیں سکتا۔ اور اگر بت کے محض دیدار سے پرمیشور کی یاد ہو سکے تو پرمیشور کی بنائی ہوئی زمین، پانی، آگ، ہوا، اور نباتات وغیرہ کئی اشیاء جن میں کہ پرمیشور نے عجیب صنعت بھر رکھی ہے، ان سے یاد کیوں نہیں ہوتی کیا ایسی صنعت والی زمین، پہاڑ وغیرہ دیکھنے سے جو کہ پرمیشور کے بنائے ہوئے بڑے بت ہیں اور جن سے کہ انسان کے بنائے ہوئے بت بنتے ہیں۔ پرمیشور کی یاد نہیں ہو سکتی۔ تم جو یہ کہتے ہو کہ بت کے دیکھنے سے پرمیشور کی یاد ہوتی ہے، تو تمہارا یہ کہنا بالکل جھوٹ ہے، کیونکہ جب وہ بت سامنے نہ ہوگا تو پرمیشور کی یاد نہ رہنے سے انسان تنہا جگہ دیکھ کر چوری زناکاری وغیرہ بدفعلی کرنے کی طرف راغب ہو جائے گا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہاں پر اس وقت مجھے کوئی نہیں دیکھتا۔ اس لئے وہ خرابی کئے بغیر نہیں چوکے گا۔ اس قسم کے کئی عیب پتھر وغیرہ کی پرستش یعنی بت پرستی کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ جو شخص پتھر وغیرہ بتوں کو (خدا) نہ مانتا ہو، ہمیشہ موجود کل، ہمہ داں، عادل پرمیشور کو سب جگہ موجود جانتا اور مانتا ہے۔ وہ ہمیشہ ہر جگہ پرمیشور کو سب کے بُرے بھلے عملوں کا شاہد جانتا ہوا ایک لمحہ بھر کے لئے بھی پرمیشور کو اپنے دل سے دور نہ سمجھ کر بدفعلی کرنا تو درکنار، بلکہ دل میں بُری خواہش تک بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں دل، کلام، اور فعل سے بھی کچھ خراب کام کروں گا تو اس میں ہمہ داں کے انصاف سے بغیر سزا پائے ہوئے ہرگز

نہ بچوں گا۔ محض نام کے یاد کرنے سے بھی کچھ ثمرہ حاصل نہیں ہوتا، جیسا کہ
قند قند کہنے سے منھ میٹھا اور نیم نیم پکارنے سے منھ کڑوا نہیں ہوتا، بلکہ
زبان سے چکھنے ہی پر میٹھا یا کڑوا پن جانا جاتا ہے۔" (ص ۴۰۰۔ ۳۹۹)

(۲) ستیارتھ پرکاش کا دوسرا اردو ترجمہ رادھا کشن مہتہ کے قلم سے ہے۔ یہ ۱۹۰۸ء
میں (۵۰۵) صفحات پر سرو تہکاری پریس، لاہور، میں طبع ہوا تھا۔

اس ترجمے کا چھٹا ایڈیشن ۱۹۴۴ء میں چھوٹی تقطیع کے (۷۹۹) صفحات پر شائع ہوا۔
اس کے چند اقتباسات جن سے آریہ سماج کی بعض تعلیمات پر روشنی پڑتی ہے حسب ذیل ہیں۔

"شودر اور عورتوں کو وید پڑھنے کا حق ہے:۔ سوال۔ کیا عورتیں اور
شودر لوگ بھی وید پڑھیں؟ اگر یہ پڑھیں گے تو پھر ہم لوگ کیا کریں گے
اور ان کے پڑھنے میں کوئی پرمان (حوالہ) بھی نہیں بلکہ ممانعت ہے کہ (سنسکرت
عبارت ......) عورت اور شودر نہ پڑھیں۔ یہ شرتی (وید) کا قول ہے۔
جواب:۔ عورت اور مرد یعنی سب بنی نوع انسان کو پڑھنے کا حق ہے
تم کنویں میں پڑو، اور تمھاری یہ شرتی فرضی اور بناوٹی ہے۔ کسی مستند کتاب
کی نہیں۔ اور سب انسانوں کے واسطے وید وغیرہ شاستر پڑھنے سننے کے
حق کا ثبوت یجروید کے چھبیسویں ادھیائے کے دوسرے منتر میں ہے۔
(سنسکرت عبارت ......) اس کا یہ مطلب ہے۔ پرمیشور کہتا ہے کہ جس
طرح میں سب انسانوں کے لئے اس کلیان یعنی اس جہان کے سکھ اور
نجات دینے والے رگ وید وغیرہ چاروں وید کے کلام کی ہدایت کرتا ہوں
اسی طرح تم بھی کیا کرو ...... کیا پرمیشور شودروں کا بھلا کرنا نہیں
چاہتا؟ کیا ایشور طرفدار ہے کہ ویدوں کے پڑھنے سننے کی شودروں کو
ممانعت کرے اور دوجوں کو اجازت دے؟ اگر پرمیشور کا مدعا شودر وغیرہ

کے پڑھانے سنانے کا نہ ہوتا تو ان کے جسم میں کان اور زبان کیوں بناتا جس طرح زمین، پانی، آگ، ہوا، چاند، سورج اور اناج وغیرہ اشیاء سب کے لئے بنائی ہیں، اسی طرح وید بھی سب کے لئے ظاہر کئے ہیں۔ اور جہاں کہیں مانعت کی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جس کو پڑھنے پڑھانے سے کچھ بھی نہ آوے وہ بے عقل اور جاہل ہونے سے شودر کہلاتا ہے۔ اس کا پڑھنا پڑھانا اکارت ہے۔ عورتوں کے پڑھنے پڑھانے کی مانعت جو تم کرتے ہو وہ تمہاری بے عقلی، خودغرضی اور بے وقوفی ہے ...." (ص ۹۸۔۹۹)

"ورن جنم سے نہیں سوال۔ کیا جس کے ماں باپ براہمن ہوں وہی براہمن ہوتا ہے، اور جس کے ماں باپ کسی اور ذات کے ہوں ان کی اولاد کبھی براہمن ہو سکتی ہے؟

جواب:۔ ہاں بہت سے ہو گئے ہیں، ہوتے ہیں، اور ہوں گے بھی۔ مثلاً چھاندوگیہ اُپ نشد میں جاوال رشی جس کا خاندان معلوم نہیں مہابھارت میں وشوامتر کشتری ذات سے، اور متنگ رشی چنڈال قوم سے براہمن ہو گئے تھے۔ اب بھی جو اعلیٰ علم اور نیک مزاج والا ہو وہی براہمن (بننے کے لائق) اور بے وقوف شودر (بننے کے لائق) ہوتا ہے، اور اسی طرح آئندہ بھی ہو گا۔" (ص ۱۱۲)

"ایشور اوتار نہیں لیتا۔ سوال۔ ایشور اوتار لیتا ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں، کیونکہ (سنسکرت عبارت .....) یہ یجر وید کے اقوال ہیں اس قسم کے اقوال سے ثابت ہے کہ پرمیشور پیدا نہیں ہوتا۔

سوال:۔ (سنسکرت عبارت .....) سری کرشن جی کہتے ہیں کہ جب

کبھی دھرم مٹ جاتا ہے تبھی میں جسم قبول کرتا ہوں۔ (گیتا ۴-۷)

جواب:- یہ بات وید کے خلاف ہونے سے قابل تسلیم نہیں۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ سری کرشن دھرم آتما تھے اور دھرم کی حفاظت کرنا چاہتے تھے (اگر انھوں نے یہ کہہ بھی دیا ہو کہ) میں ہر ایک یُگ میں جنم لیکر سریشٹھوں (نیکوکاروں) کی حفاظت اور دُشٹوں (بدوں) کو برباد کرتا ہوں، تو کچھ اعتراض نہیں، کیونکہ دوسروں کی بھلائی کے لئے ہی بھلے آدمی کا تن، من، دھن ہوتا ہے۔ پھر بھی ایسا کہنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شری کرشن ایشور تھے۔" (ص ۲۴۶)

"ایشور گناہ معاف نہیں کرتا سوال۔ ایشور اپنے بھگتوں کے گناہ معاف کرتا ہے یا نہیں؟

جواب:- نہیں۔ کیونکہ اگر گناہ معاف کرے تو اس کا انصاف قائم نہ رہے اور سب بڑے گنہگار ہو جائیں، کیونکہ معافی کی خبر سنکر ہی اُن کو گناہ کرنے میں بے خوفی اور جرأت ہو جائے۔ مثلاً راجہ اگر کسی کا قصور معاف کردے تو وہ اس خیال سے بڑے بڑے قصور کرنے کی جرأت کرے گا کہ راجہ میرا قصور معاف کردے گا۔ اور اگر اس کو یہ یقین بھی ہو جائے کہ راجہ سے میں ہاتھ جوڑ کر اپنا قصور بخشوا لوں گا تو جو قصور نہیں کرتے وہ بھی نڈر ہو کر قصور کرنے لگ جائیں گے۔ پس سب کاموں کی مناسب طور پر سزا و جزا دینا ہی ایشور کا کام ہے، معاف کرنا نہیں۔"

(۳) ستیارتھ پرکاش، حصہ اول، کاشدری آمیز اردو ترجمہ۔ از لالہ جیون داس پردھان، آریہ سماج، لاہور۔ مطبوعہ کشن چند کمپنی، لاہور ۱۸۹۸ء۔ بڑی تقطیع۔ ص ۱۳۰۔

اس ترجمے کی زبان میں ہندی الفاظ اور سنسکرت مصطلحات کا غلبہ ہے، گو رسم الخط

فارسی ہے۔

(۴) ستیارتھ پرکاش :۔ مترجمہ چموپتی ایم۔ اے۔ مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۶ء۔ ص ۵۶۰۔

اس نسخے کے بعض اجزا نامی پریس، لاہور، اور باقی مرکنٹائل پریس لاہور میں چھپے ہیں۔ ستیارتھ پرکاش کے جتنے اردو ترجمے میں نے دیکھے زبان کی سلاست و روانی کے لحاظ سے یہ سب سے بہتر ہے۔ عبارت ذیل سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے :۔

"اگرچہ میری پیدائش ملک آریہ ورت میں ہوئی ہے اور میں اس ملک کا باشندہ ہوں، تاہم جیسے اس ملک کے مختلف فرقوں کی جھوٹی باتوں کی طرفداری نہیں کرتا بلکہ اُنکی جوں کا توں ظاہر کر دیتا ہوں، ایسے ہی غیر ممالک کے باشندوں اور دیگر مذاہب کی ترقی کرنے والوں کے ساتھ بھی (غیر طرفداری کا) سلوک روا رکھتا ہوں۔ انسانی بہبودی کے متعلق میرا جو سلوک اپنے ہم وطنوں سے ہے وہی دیگر ممالک کے باشندوں سے۔ شریف انسان کے لئے یہ رویہ مناسب ہے......" (دیباچہ از مصنف)

(۵) اصلی ستیارتھ پرکاش۔ مترجمہ دھرم پال بی۔ اے۔ سکرٹیری آریہ سماج، لاہور، مطبوعہ سیوک اسٹیم پریس، لاہور، ۱۹۱۲ء۔ ص ۴۴۴۔ مترجم نے ترجمے کے متعلق اپنے "التماس" میں لکھا ہے :۔

"اردو ایڈیشن میں ہندی ایڈیشن کی مکھی پر مکھی ماری گئی ہے تاکہ کسی شخص کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ میں نے اپنی طرف سے کوئی عبارت گھٹا یا بڑھا دی ہے۔ ہاں میں نے اپنی طرف سے اگر کسی لفظ یا عبارت کے معانی یا مفہوم کو واضح کرنے کے لئے کوئی لفظ یا الفاظ زیادہ کئے ہیں تو وہ تمام خطوط وحدانی میں رکھے گئے ہیں تاکہ مصنف کی اصلی تحریر اور میری تحریر میں کسی قسم کی گڑبڑ نہ رہے۔ پس کتاب ہذا میں جس قدر الفاظ

خطوط وحدانی میں ہیں وہ میرے ہیں۔ باقی تمام مصنف کے خیالات ہیں۔۔۔۔"

آریہ سماج کی دوسری کتابیں

(۱) ستیارتھ پرکاش کے بعد سوامی دیانند سرسوتی کی سب سے زیادہ مشہور کتاب رگ وید آدی بھاشیہ بھومکا۔ یعنی رگ وید کی تفسیر ہے۔ اس کی پہلی جلد کا اردو ترجمہ منشی رام جگیا سو نے کیا تھا جو ۱۸۹۴ء میں مطبع ست دھرم پرچارک، جالندھر میں چھپا تھا اس کا ایک اقتباس ہندو مذہب کی کتابوں کے سلسلے میں دیا جا چکا ہے۔

(۲) یجر وید: "یجر وید کی تفسیر مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی کا اردو ترجمہ" از دھرم پال بی اے مطبوعہ روز بازار اسٹیم پریس، امرتسر، ص ۴۳۲۔ ترجمے کا نمونہ یہ ہے:-

"منتر ا۔ اے کمار اور کماریو، جس طرح میں اعلیٰ عالم و فاضل کو اس لئے گرہن کرتا ہوں تاکہ اس سے علم کی دولت حاصل کروں، جسمانی اور روحانی طاقت پاؤں، تحصیل علم کے بعد نیک اولاد کی خاطر گرہ آشرم میں داخل ہو کر پراکرمی بنوں اور اس طرح خود بھی عالم و فاضل بنوں، اسی طرح تم بھی کرو۔

منتر ۲:- اے وِدوان، تو سرو ویاپک پرمیشور کو، اور پانی کے جائے قیام سمندر کو، اور بجلی وغیرہ کے کارن آگ کو بھلی پرکار جان۔ تیری روشن عقل تمام اشیاء کا تجھے علم کراتی ہے۔ تیرا دل صاف ہے۔ تو مہان ہے تو قابل تعظیم ہے۔ تو ایک مہان شکتی پرمیشور کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنا۔"

(تیرہویں ادھیائے ص ۱۷۱)

(۳) سنسکار ودھی کا "یعنی مہرشی سوامی دیانند سرسوتی جی کے مشہور گرنتھ سنسکار ودھی کا مستند اردو ترجمہ مع تفسیر و دیباچہ۔ از مہاتما منشی رام جی (سوامی شردھانند جی) و پرفیسر تارا چند جی۔ ایم۔ اے"۔ مطبوعہ گردھر اسٹیم پریس، لاہور، بار دوم ۱۹۲۴ء ص ۵۹۹)

(۴) سنسکاردوھی اور اس کی تشریح۔ مولفہ مہنتہ جیمنی جی۔ مطبع منش سدھار، ملتان ص ۴۴

یہ رسالہ سنسکاردوھی کے اردو ترجمے کا دیباچہ ہے۔

(۵) کاشف اسرارِ حقیقی۔ مولفہ منشی بالمکند سہائے۔ مطبع زبدۃ النظائر، الہ آباد ۱۸۹۲ء

ص ۲۰۷۔ کتاب کی عبارت نہایت رنگین ہے۔ بنمونہ ملاحظہ ہو:۔

"اب شہسوار خامۂ بے زبان کو میدان صفحۂ قرطاس احوال پُر ملال آریہ ورت میں بنا بر رہنمائے اسیران دام حسرت و صعوبت و گرفتاران مجلس محنت و مصیبت کے یوں سبک رفتار کرتے ہیں، و عاقلان و عالمان مضامین تعاقب گمراہان و نافہمان میں یوں ـــــ اظہار کرتے ہیں کہ یہ آریہ ورت دیش ہر طرح سے بوجہ علوم و فنون کے مثل آفتاب لاجواب درخشاں و قابل تحسین و آفرین کے تھا، و دیگر تمام مملکت اسی سرشت آریہ ورت دیش کے شعاع علوم و فنون سے ہر ایک امور میں منوّر و فیض یاب ہوتی رہی و محکوم و فرمانبردار رہی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" (ص ۶۳)

(۶) قدامت وید:۔ مصنفہ مہاشے گووردھن جی۔ بی۔ اے۔ سابق پروفیسر گورو کل کانگڑی و ایڈیٹر پرہلاد، دہلی، مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس۔ ص ۷۲۔

"اس پستک میں اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہونچا دیا گیا ہے کہ سائنس مسئلہ الہام کے ہرگز سد راہ نہیں ہے۔ وید کا ظہور انسانی جماعت میں کیسے ممکن ہے۔ اس کو پتنجلی، شنکر اور دیانند کے حوالوں سے بخوبی واضح کیا گیا ہے۔ وید کے الہامی ہونے میں وید کی اپنی شہادت پیش کی گئی ہے جو مصنف کی اپنی کھوج کا نتیجہ ہے۔ اسی قسم کی شہادت جو اس وقت تک دی جا چکی ہے اس کی تکمیل میں اس سے بڑی مدد ملے گی غرضکہ الہام کے متعلق خیالات کی درستگی اور الہام کے نہ ماننے والوں کو اس کی

ضرورت سے آگاہی اس کتاب کا خاص منشا ہے۔ راقم مصنف ۔''

(۷) آئینہ مذہب ہنود :۔ مصنفہ منشی جے دیال سنگھ ۔ نول کشور پریس، کان پور، بار پنجم ۱۸۸۶ء۔ ص ۱۲۸۔

مصنف کی زبان اور وضاحت بیان قابل توجہ ہے۔ ''مختصر توضیح اصول مذہب اہل ہنود'' کے عنوان سے لکھتے ہیں :۔

''واضح ہو کہ اس عالم کے شروع پیدائش سے یہ دین مقدس ازلی اہل ہنود کا ہے، اور از روے بید اور بیدانت پرمیشر کو جو آفریدگار ہر سہ عالم و مظہر تمامی مظہرات و موجد کل موجودات کا ہے۔ واحد اور از خود موجود ہونا اور فاعل ہر فعل کا سمجھنا، یہ اصول مذہب ہنود ہے۔ بید میں پرمیشر فرماتا ہے کہ :'' ایکو ہم دوتیو است ''، چنانچہ اسی قول اشرف کی تائید پر تمام گیانیوں اور بے گیانیوں کا فعل اور پابندی ہے پس جو کوئی سوائے ایک آفریدگار عالم کے دوسرے کو پوجتا ہے، یا کسی قسم کی غیروں سے اُمید رکھتا ہے۔ وہ جاہل مطلق اور گمراہ محض ہے کیونکہ آتما قائم، جاوداں اور حاجت برار ہر مخلوق ہے.. .....
اب یہ بات سمجھنے کی ہے کہ دین ہنود میں سوائے ایک پرمیشر کے اور کسی سے کچھ غرض رکھنا یا سجدہ یا تعظیم معبودانہ بجالانا از روئے بید جائز نہیں ہے ....
اوپر سمجھا چکا ہوں کہ دین ہنود کا اصلی چیز پرماتما پوجن نہیں ہے، اور دوسرے مذاہب والے اس مذہب مقدسہ کو صرف باعث بالا سے معترض قرار دیتے ہیں، حالانکہ وے ناواقف محض اور نامحرم مطلق صرف ناواقفان بید اور بیدانت کے ... کو دیکھ کر اصول مذہب ہنود کو پرماتما

پوجن ہی کو سمجھتے ہیں، اور لاعلمان مذہب ہنود جو برائے نام ہندو ہیں مگر ایامنہ اسی پر ماتما پوجن ہی کی تائید اپنی تقریرات میں کیا کرتے ہیں۔ حیف ہے ان حضرات بے علموں کے اوقات و تقریر پر۔

اب اعلان اس امر کا بھی ضرور ہے کہ مذہب ہنود میں پرماتما پوجن ایک طریقہ صرف ناواقفان بید کے جی لگانے کے واسطے عقلائے سابق نے اختراع کر دیا تھا، اور وقوع اس فعل کا بحکم کسی بید کے رچوں کے نہیں ہے" (ص ۷-۹)

(۸) صداقت ویددھرم :- حصہ دوم۔ از درگا پرشاد۔ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی۔

یہ سولہ صفحوں کا ایک منظوم رسالہ ہے جس میں مندرجہ ذیل عنوانات پر نظمیں ہیں :-

(۱) آریہ ورت کے دھرماتما اور عالموں کے حالات و صفات (۲) سکندر یونان کے بادشاہ کا سفر بھارت پر ایک رشی سے ملاپ اور باہم وارتالات۔ (۳) شادی صغر سنی کے نقصانات۔ (۴) اچھوت جاتیوں کے اُپکار اور ان کے سدھار کے لئے اپیل۔ (۵) مہرشی دیانند سرسوتی نے کیا کام کیا۔

(۹) سندھیا مترجم منظوم :- مولفہ شریمان کیول کشن عوف، پردھان آریہ سماج، گوجرانوالہ مطبوعہ ستیہ دھرم پرچارک پریس جلندھر شہر ۱۹۰۳ء، جیبی تقطیع۔ ص ۴۰۔

اس میں سنسکرت کی عبارتوں کے نیچے ان کا ترجمہ اردو نظم میں لکھا ہے۔

(۱۰) سورج کی روشنی میں سات رنگ :- مولفہ پنڈت گنگا پرشاد ایم۔ اے شائع کردہ آریہ پرتی ندھی سبھا، پنجاب۔ آریہ پستک پرچار ٹریکٹ ع ۱۹۔ مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۰۵ء۔ ص ۲۳۔

یہ کتابچہ سوامی دیانند سرسوتی کے اس خیال کی تائید میں لکھا گیا ہے کہ :-

" ویدوں میں جملہ ستیہ ودّیاؤں کے اصل اصول موجود ہیں اور یہ کہ آریہ ورت کے قدیم رشی مہرشی بہت سے سائنس کے اصولوں سے پیشتر اس کے

کہ وہ اہل یورپ کے خواب وخیال میں بھی گزریں، مدتوں پہلے بخوبی واقف تھے"

(۱۱) وحشت ہند: حصہ اول مصنفہ سیتہ دیوجی۔ مطبوعہ ہرپرشاد پریس، بلند شہر ص ۶۴۔
یہ رسالہ گاؤکشی کو روکنے کی غرض سے لکھا گیا ہے۔

(۱۲) گیان بھاشکر: مولفہ نند کمار سنگھ۔ مطبع آریہ بھوشن، شاہجہانپور سنہ ۱۲۸۶ھ ص ۲۴۔
یہ مختصر رسالہ سوال وجواب کے پیرائے میں آریہ سماج کی بعض تعلیمات پر مشتمل ہے۔

(۱۳) ست پرکاش: مصنفہ بھائی جگت سنگھ، اپدیشک۔ ویدک کارنج، لاہور، سنہ ۱۸۹۸ء ص ۲۲۰۔

مصنف جو پانچ چھ پشتوں سے خالصہ دھرم کا پیرو تھا اور بعد میں آریہ سماج میں داخل ہو گیا تھا اس کتاب کا مقصد یوں بیان کرتا ہے:-

"...... اس چھوٹے سے رسالے میں میرا کسی طرح بھی اور کوئی مطلب نہیں۔ منشا یہ ہے کہ وہ خالصہ بھائی جو آریہ سماج سے بیرے ہیں اور جن کو آریہ دھرم کی پوتر تعلیم سے واقفیت نہیں ہے، یا جو اپنے آپ کو آریہ لوگوں اور ویدک مت سے علیحٰدہ خیال کرتے ہیں، وہ اس رسالے کے ذریعے سے اپنے گوروصاحبان کی پوتر بانی ہی سے سمجھ جاویں گے کہ وید مقدس اور گرنتھ صاحب کے مت میں کچھ فرق نہیں ہے........"

(۱۴) کلیات آریہ مسافر: از پنڈت لیکھ رام آریہ مسافر۔ مفید عام پریس، لاہور، سنہ درج نہیں، ص ۶۹۲۔

یہ پنڈت لیکھ رام آریہ مسافر کی تمام تصنیفات کا مجموعہ ہے۔ دیباچے میں منشی رام جگیاسو جو بعد میں سوامی شردھانند کے نام سے مشہور ہوئے لکھتے ہیں:-

"اس کلیات میں آریہ مسافر کی تصنیفات کو بہ لحاظ اختلاف مضامین تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے...... جس قدر کتابیں یا مختصر رسالے پنڈت

لیکھ رام جی نے محض ویدک تعلیم کی سچائی کو ظاہر کرنے کے لئے لکھے تھے
اُن کو حصہ اول میں رکھا ہے حصہ دوم میں وہ کل تصانیف شامل ہیں جو
کہ مختلف مذاہب کے ویدک دھرم پر کئے گئے اعتراضوں کے جواب میں
لکھی گئی ہیں۔ اور حصہ سوم کو محض محمدی مذہب کے پیرؤں کے کئے ہوئے
اعتراضوں کے جوابی رسالوں کے لئے مخصوص کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

(۱۵) آریہ دھرم :۔ مولفہ لالہ سنت رام بی۔ اے۔ مرکنٹائل پریس، لاہور ۱۹۲۶ء ص ۱۹۰۔
اس کتاب میں "مڈل کلاس کی لیاقت رکھنے والے لڑکوں کے لئے آریہ دھرم اور
آریہ سماج کے متعلق آسان عبارت میں واقفیت دینے کی کوشش کی ہے۔ اس میں ستیارتھ
پرکاش کا خلاصہ اور ویدک دھرم کے موٹے موٹے اصول سب آگئے ہیں"

(۱۶) جوہر تہذیب ۔ مولفہ مہاشے وزیر چند، ستیہ دھرم پرچارک پریس، جالندھر
۱۹۰۵ء۔ ص ۸۴۔

اس میں قدیم آریائی تہذیب کا مقابلہ موجودہ تہذیب سے کیا گیا ہے۔

(۱۷) آریہ جیون :۔ مولفہ شہزادہ رام آریہ۔ ہندوستان اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۰۰ء
ص ۱۵۰۔ اس کتاب میں وہ مفید عام ہدایتیں درج کی گئی ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان
کی زندگی مذہبی سانچے میں ڈھل کر معیاری بن سکتی ہے۔ ایک مقام کا اقتباس حسب ذیل ہے:۔

"اپنے دھرم کو ہر دل عزیز بنانے کے لئے ممبران سماج کا فرض ہے کہ وہ
ان لوگوں کے ساتھ جو ویدک دھرم سے سیری نہیں رکھتے۔ کبھی بھی سخت
کلامی سے پیش نہ آویں۔ کیونکہ جیسا ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کوئی
بُری طرح پیش نہ آوے اُسی طرح آپ کا بھی فرض ہے کہ آپ بھی اسی
اصول کو سامنے رکھتے ہوئے دوسروں سے نرمی کا برتاؤ کریں۔ البتہ یہ
ضروری ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ دھرم انوسار سلوک کرتے ہوئے

ان کی ہاں میں ہاں نہ ملاتے جاویں، بلکہ ہر وقت اپنے ... اصولوں
کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی پابندی کریں........ آپ دیکھو گے
کہ آپ کے نیک سلوک کا اثر دوسروں پر بھی پڑے گا۔ اور کبھی نہ کبھی
وہ آپ کے دھرم کے ساتھی ہوں گے......" (ص ۲۶)

(۱۸) ستیہ اپدیش مالا :- از سوامی ستیہ نند جی۔ راجپوت پرنٹنگ پریس، لاہور
۱۹۱۶ء۔ ص ۲۰۸۔

یہ سوامی ستیہ نند کے لکچروں، خطبوں اور مضمونوں کا مجموعہ ہے۔

(۱۹) گرہستھ دھرم اُپدیش۔ مولفہ سردار سنگھ شرما۔ آریہ بندھو پریس، میرٹھ ص ۹۶۔
سنہ درج نہیں۔

اس کتاب میں ویدک نقطۂ نگاہ سے امور خانہ داری کی تعلیم دی گئی ہے بچپن کی
شادی کی بُرائی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"جب برہم چریہ کی یہ گتی ہوئی تو اس کی جگہ حضرت بال بواہ گرہستیوں میں
گھس کر ان کا کنڈا بنانے لگے۔ اس بواہ (شادی) میں پانچ چھ برس کا
لڑکا اور پانچ سات برس کی لڑکی ہوتی ہے۔ یہ رو رو کر روٹی مانگنے
والے بچے بواہ (شادی) کے مطلب کو کیا جانیں کہ بواہ کیا چیز ہوتا ہے
ہم نہیں جانتے کہ ہمارے گرہستی بھائی (عیالدار لوگ) بواہ کرتے ہیں
یا گڑیوں کا کھیل........" (ص ۲۵)

(۲۰) کلیات سنیاسی :- از پنڈت شردھانند۔ ہندوستان الکٹرک پرنٹنگ ورکس
دہلی سنہ ۱۹۸۳ء بکرمی۔ ص ۵۸۰۔

یہ پنڈت شردھانند کے مجموعہ تالیفات کا پہلا حصہ ہے جس میں ان کے سوانح
حیات بھی شامل ہیں۔ اس جلد میں ان سچائیوں کا بیان ہے جو وید کے مطالعے سے

ان پر ظاہر ہوئیں۔

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ آریہ سماج کی اور جو کتابیں مجھے دستیاب ہوئیں مگر ان کے اقتباسات نقل کرنے کا موقع نہ مل سکا وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۲۱) رشی کا بدل بالا:۔ مولفہ آفتاب پانی پتی۔ چندر گپت پریس، دہلی سنہ ۱۹۳۴ء ص ۱۸۴

(۲۲) مہرشی درشن:۔ مولفہ تلوک چند محروم۔ گیلانی الیکٹرک پریس، لاہور سنہ ۱۹۳۷ء ص ۱۶۸۔

(۲۳) سرگباشی مہرشی سوامی دیانند سرسوتی جی مہاراج کا جیون چرتر:۔ حصہ اول از دلپت رائے ودیارتھی۔ نیو امپریل پریس، لاہور سنہ ۱۹۴۵ء بکرم ص ۴۶۔

(۲۴) سوامی دیانند اور ان کی تعلیم:۔ از رادھا کشن مہتہ۔ ہندوستان اسٹیم پریس لاہور سنہ ۱۹۱۵ء۔ ص ۲۱۸۔

(۲۵) مہرشی دیانند سرسوتی:۔ از رام سروپ کوشل۔ مقبول عام پریس لاہور سنہ ۱۹۲۸ء ص ۱۴۴۔

(۲۶) مہرشی دیانند سرسوتی اور اُن کا کام:۔ از لاجپت رائے۔ رفاہ عام پریس لاہور سنہ ۱۹۸ء۔ ص ۶۸۲۔

(۲۷) مہرشی سوامی دیانند سرسوتی کا جیون چرتر:۔ از پنڈت لیکھ رام آریہ مسافر۔ مفید عام پریس، لاہور سنہ ۱۸۹۷ء ص ۹۴۸۔

(۲۸) دیانند آنند ساگر:۔ از چمپت رائے صادق۔ کاشی رام اسٹیم پریس، لاہور سنہ ۱۹۱۳ء ص ۱۴۴۔

(۲۹) اُپدیش منجری:۔ سوامی دیانند کے پندرہ لیکچروں کا مجموعہ۔ مترجمہ منشی رام جگیاسو۔ ستیہ دھرم پرچارک پریس جالندھر سنہ ۱۹۰۲ء۔ ص ۱۵۸۔

(۳۰) سانچ کو آنچ نہیں:۔ از پنڈت لیکھ رام آریہ مسافر۔ ستیہ دھرم پرچارک پریس، جالندھر سنہ ۱۹۵۰ بکرم۔ ص ۵۲۔

(۳۱) ویدک دھرم اور سائنس:۔ جلد اول۔ مولفہ پنڈت لچھمن داس، بی۔ اے

سیوک اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۱۳ء ص ۱۳۶۔

(۳۲) گلدستہ دھرم :۔ از لالہ بنواری لال دلشیں سیوک اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۵۱ بکرم ص ۳۰

(۳۳) روح و مادّہ کی ازلیت :۔ از لالہ پربھو رام آریہ محمدی پریس، لاہور سنہ درج نہیں ص ۵۶۔

(۳۴) ویدک دھرم پرچار :۔ از رائے ٹھاکر دت دھون مطبع نول کشور لکھنو ۱۹۵۳ بکرم ص ۳۰

(۳۵) برہمچریہ کی عظمت :۔ از مہتہ جیمینی بی۔ اے جارج اسٹیم پریس لاہور۔ سنہ درج نہیں ص ۲۲

(۳۶) وید پرکاش :۔ از مہتہ جے چند۔ پنجاب اکانومیکل پریس، لاہور ۱۹۱۵ء ص ۶۴

(۳۷) ویدوں کی عظمت :۔ از کرپا رام شرما مفید عام پریس، لاہور ۱۹۰۲ء ص ۴۶۔

(۳۸) وچار مالا :۔ از دیوان چند ایم۔ اے مرکنٹائل پریس، لاہور ۱۹۴۳ء ۔ ۱۶۸۔

(۳۹) رتن ساگر :۔ از دیوان چند ایم۔ اے۔ راجپوت پرنٹنگ پریس، لاہور ۱۹۱۷ء ص ۱۷۰۔

(۴۰) راہ راست :۔ از سوامی سروداننداجی، نامی پریس، لاہور ۱۹۳۴ء ص ۴۶۔

(۴۱) آنند سنگرہ :۔ از سوامی سروداننداجی مرکنٹائل پریس، لاہور ۱۹۳۰ء ص ۲۵۶

(۴۲) آریہ دھرم :۔ از لالہ سنت رام بی۔ اے۔ مرکنٹائل پریس، لاہور ۱۹۲۵ء ص ۱۶۰۔

(۴۳) برہم وچار :۔ از بھگت شہزادہ رام۔ پبلک پرنٹنگ پریس، لاہور سنہ درج نہیں ص ۹۸۔

(۴۴) وچار درشن :۔ از بھگت شہزادہ رام۔ پبلک پرنٹنگ پریس لاہور سنہ درج نہیں۔ ص ۲۲۶۔

(۴۵) اظہار حقیقت :۔ از گیان چند آریہ۔ یتیم الکٹرک پریس دہلی سنہ درج نہیں ص ۲۰۴۔

(۴۶) ویدک ٹریکٹ ۱ :۔ از لاجپت رائے۔ رفاہ عام اسٹیم پریس، لاہور سنہ درج نہیں۔ ص ۱۰۲۔

(۴۷) وید ہی الیشوری گیان ہے :۔ از لکشمن آریو پدیشک۔ گردھر اسٹیم پریس، لاہور،

سنہ درج نہیں۔ ص ۱۶۔

(۴۸) شیوگ فلاسفی :۔ از ناتھ جلال پوری۔ برہمن اسٹیم پریس، لاہور، ۱۹۱۵ء۔ ص ۹۲۔

(۴۹) امورت سدھانت :۔ از بابو جوالا پرشاد ودیارتھی۔ مطبع ودیا درپن، میرٹھ، ۱۹۹۰ بکرمی

ص ۹۶

(۵۰) آریہ سدھانت یکتاولی :۔ حصہ اول۔ از کرپارام شرما۔ ویدک دھرم پریس، دہلی،

سنہ درج نہیں۔ ص ۱۰۰۔

(۵۱) آریہ جاتی کے تیوہار :۔ از لالہ دیوان چند گڈھوک۔ گردھر اسٹیم پریس، لاہور، ۱۹۳۶ء

ص ۴۸۔

(۵۲) ستیارتھ پرکاش :۔ مترجمہ دینا ناتھ۔ آریہ پریس، جالندھر، ۱۹۱۱ء۔ ص ۲۶۴۔

(۵۳) شدھی :۔ از کنور بہادر سکینہ شاہی پریس، کان پور، ۱۹۲۵ء۔ ص ۱۱۴۔

(۵۴) موتیوں کا ہار :۔ از لالہ ہنس راج۔ راجپوت پرنٹنگ ورکس، لاہور، ۱۹۱۶ء۔ ص ۲۳۲۔

(۵۵) لیکھ مالا۔ از مہاتما ہنس راج جی۔ گیلانی پریس، لاہور، ۱۹۴۳ء۔ ص ۱۴۴۔

(۵۶) جواہر الصدق (خلاصہ ستیارتھ پرکاش) مرتبہ منشی لالتا پرشاد شفق۔ لا پریس

کان پور، ۱۹۰ء۔ ص ۱۱۶۔

(۴) تھیوسوفیکل سوسائٹی

تھیوسوفیکل سوسائٹی کی بنیاد میڈم بلاوٹسکی (MADAME BLAVATSKY)
اور کرنل اولکاٹ (OLCOTT) نے ۱۷ر نومبر ۱۸۷۵ء کو نیویارک، امریکہ میں رکھی۔
میڈم بلاوٹسکی ایک دولت مند اور ذی وجاہت روسی خاندان سے تھیں۔ وہ غیر معمولی روحانی
صلاحیتیں رکھتی تھیں۔ جن کی تربیت ان کے قول کے مطابق مشرق کے ایک رشی نے کی
تھی، جس کی تلاش میں اپنے خاندان اور دولت وثروت سے منھ موڑ کر انھوں نے تبت کا
سفر اختیار کیا تھا۔ تبت میں وہ شگاٹزے (SHIGATZE) کے قریب چند سال
اسی رشی کے پاس رہنے کے بعد وہاں سے واپس آئیں اور اپنی بقیہ زندگی اس کی ہدایتوں
پر عمل کرنے کے لئے وقف کردی۔ امریکہ میں اُن کی ملاقات کرنل اولکاٹ سے ہوئی جو اُن
کے شاگرد ہوگئے۔ میڈم بلاوٹسکی نے شروع میں امریکہ کے روحانیین کے ساتھ مل کر کام
کرنے کی کوشش کی، لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو کرنل اولکاٹ کی اعانت سے
انھوں نے تھیوسوفیکل سوسائٹی قائم کی۔ سوسائٹی کے سکریٹری کے فرائض انھوں نے خود
اپنے ذمے لئے اور کرنل اولکاٹ کو اس کا صدر بنایا۔

تھیوسوفیکل سوسائٹی کا صدر مقام پہلے نیویارک تھا۔ لیکن ۱۸۷۹ء میں میڈم بلاوٹسکی
اور کرنل اولکاٹ امریکہ چھوڑ کر ہندوستان چلے آئے، اور بمبئی کو اپنی تحریک کا مرکز بنایا
دسمبر ۱۸۸۲ء میں وہ بمبئی سے منتقل ہوکر مدراس کے قریب ادیار میں آگئے۔ اور اس وقت سے

یہی مقام سوسائٹی کا مرکز ہے۔ یہاں سوسائٹی کے قبضے میں (۲۶۶) ایکڑ زمین ہے جس میں متعدد خوبصورت عمارتیں ہیں۔ اس کا ایک ذاتی کتب خانہ بھی ہے جو اُپ نشد کے بہترین ذخیرے کے لئے تمام دنیا میں مشہور ہے۔ اس میں سنسکرت کے بعض بے مثل مخطوطات بھی ہیں۔

کرنل الکاٹ اپنی وفات (۱۹۰۷ء) تک سوسائٹی کے صدر رہے۔ ان کے بعد مسز اینی بسنٹ صدر منتخب ہوئیں۔ ہندوستان میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کی تحریک کو اصلی فروغ مسز بسنٹ کی شرکت سے ہوا۔ وہ ۱۸۹۳ء میں ہندوستان آئیں۔ سوسائٹی کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے علاوہ انھوں نے ہندو قوم کی تعلیمی ترقی کے لئے بھی خاص طور پر کوشش کی۔ چنانچہ یہ انھیں کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ ۱۸۹۵ء میں سنٹرل ہندو کالج بنارس میں قائم ہوا۔ جو ترقی کر کے ۱۹۱۶ء میں ہندو یونیورسٹی کے درجے تک پہونچ گیا۔ مسز بسنٹ نے ہندوستان کی نیشنلسٹ جماعت کی سیاسیات میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ ہوم رول لیگ کی بنیاد انہی نے ڈالی۔ وہ انڈین نیشنل کانگریس کی صدر بھی منتخب ہوئیں۔ لیکن ان کا اصلی کارنامہ اس ملک میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کے اصولوں کی نشر و اشاعت تھی، اور اس تحریک کو انھوں نے اپنی تحریر و تقریر کی فصاحت و بلاغت سے بہت ترقی دی۔

تھیوسوفیکل سوسائٹی کے تین خاص اصول ہیں جن کو تسلیم کرنا سوسائٹی میں داخل ہونے کے لئے لازمی ہے:۔

۱۔ نسل، فرقہ، جنس، ذات یا رنگ کے امتیاز کے بغیر نوع انسانی کی عالمگیر برادری کا ایک مرکز قائم کرنا۔

۲۔ مذہب فلسفہ اور سائنس کے تقابلی مطالعے کی حوصلہ افزائی کرنا۔

۳۔ قدرت کے غیر مصرح قوانین اور اُن طاقتوں کی جو انسان میں پوشیدہ

ہیں تحقیقات کرنا،،[1]

یہ اصول کم وبیش تمام مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو چیز تھیوسوفیکل سوسائٹی کو ہندو مذہب سے خصوصیت کے ساتھ وابستہ کرتی ہے وہ تناسخ کا عقیدہ ہے۔ میڈم بلاوٹسکی نے ایک ہندو رشی سے روحانی تعلیم حاصل کرکے سوسائٹی کی بنیاد رکھی تھی چنانچہ روح کو اپنی منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے دنیا دی زندگی جس طرح بار بار اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس کی تشریح تھیوسوفی میں ہندوؤں کے کرم اور آواگون کے عقیدے کے مطابق کی گئی ہے۔ تھیوسوفی، بقول ڈاکٹر سید عابد حسین، "ہندو مذہب، ہندو فلسفہ اور مخفی علوم کا معجون مرکب ہے،، اس نے ہندو مذہب میں ایک جدید اصلاحی تحریک پیدا کی۔ جس کی بنیاد اُپ نشد، سانکھیہ یوگ اور ویدانت پر تھی۔

سوسائٹی کی بعض کتابیں

اُردو میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کی طرف سے متعدد کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں سے چند جو مجھے مل سکیں ان کے اقتباسات ذیل میں درج ہیں :۔

(۱) تھیوسوفی کیا ہے :۔ مسز اینی بسنٹ کی انگریزی کتاب (WHAT IS THEOSOPHY) کا اردو ترجمہ۔ مترجم کا نام درج نہیں۔ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۴ء۔ ص ۱۶۔

مسز بسنٹ تھیوسوفی کی غرض وغایت کے متعلق لکھتی ہیں :۔

"تھیوسوفی اپنی موجودہ شکل میں ۱۸۷۵ء میں دنیا میں نمودار ہوئی لیکن تھیوسوفی، فی نفسہ اسی قدر قدیم ہے۔ جس قدر کہ انسانی تہذیب اور قوت فکر۔ یہ دنیا میں مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے مشہور رہی ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ یہ مختلف ناموں سے مشہور رہی اس

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ جلد ۱۲۔ ص ۳۰۴۔ مطبوعہ اڈینبرا ۱۹۲۱ء

کے اسماءِ مختلفہ سے مراد ہمیشہ ایک ہی لی گئی ہے۔ زمانہ حال میں اسی
کی شہرتِ جدیدکا باعث یہ ہے کہ فی زمانہ مادّہ پرستی نہایت سُرعت
سے اور خطرناک طور پر ان قوموں میں ترقی کر رہی ہے جو دنیاوی تہذیب
کی رفتار میں سب کی رہنما رہی تھیں۔ جس قدر سائنس نے اپنے علم کو
زیادہ وسعت دی، اسی قدر وہ مادّہ پرستی کے دوش بدوش چلی۔
لفظ "لاادری" ہر سائنس داں کا خاص لقب ہوتا جاتا تھا، اور
اس نازک وقت میں مغرب کے مخصوص خیالات کے درمیان یہ
خیال پھیل رہا تھا کہ جہاں انسان ہر محسوس شے کا اپنے حواس
ظاہری سے علم حاصل کر سکتا ہے، اور ان محسوسات سے عقل کی
وساطت سے نتائج اخذ کر سکتا ہے، وہاں جو چیزیں اس کے حواس
اور ادراک سے باہر ہیں۔ اُن کے حاصل کرنے اور سمجھنے کے لئے
اس کے پاس کوئی آلہ نہیں ہے، اور نہ کوئی اور ذریعہ ہے کہ جس سے
وہ اپنے سے پرے یا ماوراعالم کو محسوس کر سکے۔ پس ایسی حالت میں
یہ غیر ممکن ہے کہ انسان زندگی کے عمیق اور دوامی مسائل، اپنے
آغاز اور انجام، غرض کہ ہر وہ شے جو لفظ خدا، حیات جاودانی و روح
سے متعلق ہے معلوم کر سکے۔ اس قسم کے خیالات کا اثر مشرق پر بھی
پڑ رہا تھا، اور اُن نوآبادیوں میں بھی جہاں مغربی خیالات سرایت
کر چکے ہیں۔ اور اس کے تمام دنیا پر حاوی ہو جانے کا خطرہ تھا۔ ایسی
حالت میں ہادیانِ انسانیت نے مناسب سمجھا کہ اس قدیم صداقت
کو ایک ایسی شکل میں دوبارہ شہرت دی جائے جو زمانہ حال کے
انسان کی طبیعت کے موافق ہو، اور جس طرح زمانہ قدیم میں انسان

پہ یکے بعد دیگرے مذہب نمودار ہوتے رہے۔ جو اس وقت کی قومی نشوونما کے لئے موزوں تھے، اسی طرح ہمارے زمانے میں بھی تمام مذاہب کے اصل الاصول کی دوبارہ منادی کی جائے، تاکہ کسی قوم کو بغیر اُن مخصوص فوائد سے محروم کئے ہوئے جو آج کو اپنے اپنے مذہب سے حاصل ہیں یہ دکھایا جائے کہ تمام مذاہب کا مقصود ایک ہی ہے، بلکہ تمام مذاہب ایک ہی درخت کی مختلف شاخیں ہیں۔ مذہب کو اس طریقے پر زمانہ موجودہ میں پیش کرنا نہایت ضروری اور اہم تھا........" (ص ۲-۳)

(۲) دنیا و عقبیٰ:۔ "مسز بسنٹ کے لکچر، زندگی دنیوی اور زندگی بعد مرگ، کا ترجمہ ایک ممبر تھیوسوفیکل سوسائٹی نے کیا" مطبوعہ سیٹھ کندن لال پریس، لکھنو۔ سنہ طباعت درج نہیں، ص ۲۲۔

مندرجہ ذیل اقتباس سے تناسخ کے مسئلے پر روشنی پڑتی ہے:۔

"خیر، اب تک تو ذکر اُن طبقات کا تھا جن میں انتقال کے بعد روح رہتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان کیونکر از سر نو جنم لیتا ہے، یعنی پھر اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں ایک قاعدہ کلیہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے۔ انسان ہمیشہ اس ہی جگہ پیدا ہوتا ہے جہاں وہ سامان موجود ہوں جن کی خواہش اور آرزو اس کی طبیعت میں ہے۔ انسان چونکہ معمولی طور سے ان ہی چیزوں کا آرزومند رہتا ہے جو محض اس ہی دنیا یعنی عالم ناسوت میں موجود ہیں۔ لہذا انتقال کرنے کے بعد اور طبقات اعلیٰ میں چند روز قیام کرنے کے بعد انسان پھر بہت جلد اس ہی دنیا میں لوٹ آتا ہے، بلکہ کہنا چاہیئے کہ اس کی خواہشیں اُسے پھر اس ہی دنیا میں لے آتی ہیں۔ رہا یہ امر کہ اس دنیا میں لوٹ آنے پر وہ کس کیفیت اور حالت

میں پیدا ہوگا۔ تین خاص باتوں پر منحصر ہے، یعنی اس کی سابق زندگی کے اعمال، خواہشات اور خیالات پر۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ان اعمال، خواہشات اور خیالات کا اثر روح پر زمانہ قیام طبقہ ہوس دا ہمہ میں کیا ہوتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اثر محض ان طبقات میں ہی محدود نہیں رہتا ہے نہ اُن ہی میں ختم ہو جاتا ہے۔ بہت کچھ حصہ باقی رہ جاتا ہے، اور جو —— باقی رہ جاتا ہے اس کے لحاظ سے انسان کی آئندہ زندگی دنیوی کی حالت اور کیفیت قائم ہوتی ہے ...." (ص ۱۷-۱۶)

اس بحث کے آخر میں مسز بسنٹ لکھتی ہیں :-

" قصہ کوتاہ یہ ہے کہ پیدائش اور موت کا یہ چکر ہے جس کا اوپر ذکر ہوا، اور اس ہی چکر میں روح کو گھومنا پڑتا ہے، تاوقتیکہ وہ ترقی کر کے آگے نہ بڑھ سکے۔ مگر یہ خیال رہے کہ کسی شخص کو بھی ناامید نہ ہونا چاہئے۔ یہ کسی کو بھی نہیں سمجھنا چاہئے کہ مجھے ہمیشہ ہی اس چکر میں گھومنا پڑے گا یا ہمیشہ ہی مر مر کر پیدا ہونے پڑے گا۔ ایک نہ ایک وقت ہر انسان اس چکر میں گھومتے گھومتے تھکتا ہے، اور اس سے نکلنے کی اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ وقت آتا ہے تو ہر انسان اپنی نجات کے ذریعے تلاش کرنے لگتا ہے ...." (ص ۲۰)

آواگون کا عقیدہ ہندو مذہب کا بنیادی عقیدہ ہے۔ تھیوسوفی نے بھی ایسے کلیتہ قبول کر لیا ہے، اور آواگون کے چکر سے نجات حاصل کرنے کا وہی طریقہ بتایا ہے جس کی تلقین ہندو مذہب کرتا ہے، یعنی خواہشات کو ترک کر دینا جب تک خواہشیں باقی رہیں گی۔ روح کا تعلق دنیا سے منقطع نہ ہوگا، اور اچھے یا بُرے کاموں کا پھل پانے کے لئے اسے بار بار دنیا میں آکر مادی قالب اختیار کرنا پڑے گا۔

(۳) اصول تھیوسوفی: مس ایجگر کی کتاب (ELEMENTS OF THEOSOPHY) کا ترجمہ از منشی رائیشور پرشاد، پریسیڈنٹ پریاگ تھیوسوفیکل سوسائٹی۔ مطبوعہ نول کشور پریس، الہ آباد۔ ۱۹۰۷ء۔ ص ۹۱۔

ایک مقام کا اقتباس حسب ذیل ہے:۔

"اس وقت مطالعہ تھیوسوفی سے ہمارا خاص مقصد یہ ہے کہ ایسے اصول دریافت ہوں جن کے جاننے سے کم ازکم زندگی کے چند ادق مسائل واضح ہو جاویں۔ ہمیں ہر وقت ایسے سوالات سے سامنا پڑتا ہے جن کا قابل اطمینان جواب بمشکل ملتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ہماری ہستی کی کیا غرض ہے؟ گناہ کا مفہوم کیا ہے؟ تکلیف کا فائدہ کیا؟۔ آدمی کیا ہے اور اُسکی ترقی کی انتہا کہاں تک ہے؟ دنیاوی زندگی میں جو ظاہرا بے انصافیاں نظر آتی ہیں ان کا سبب کیا ہے؟ اس کا باعث کیا ہے کہ بعض تو ایسے ہیں کہ ان کی خواہش کے مطابق اُن کے پاس سب شے مہیا معلوم ہوتی ہیں، اور بعض تکلیف پر تکلیف اٹھاتے ہیں، گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ انہیں بدبختیوں میں غرق ہو جاویں گے؟ چونکہ انسان کی اخوت کے برتاؤ کا ہر شخص اقرار کرتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آدمی آدمی، فرقہ فرقہ، قوم قوم، آپس میں جھگڑتی ہیں؟۔ وہ کون سا قانون ہے جو تمام زندہ مخلوق کی ہستی کا اساس ہے اور کُل موجودات عالم پر حاوی و حکمران ہے؟۔ یہ چند سوال ایسے ہیں جو ہر وقت پیش آتے ہیں اور خواستگار جواب ہوتے ہیں......" (ص ۱۶)

اس کتاب میں انھیں سوالوں کے جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

---

(۵) رادھا سوامی مت

رادھا سوامی مت کی بنیاد سنہ ۱۸۶۱ء میں ایک بزرگ شیو دیال صاحب نے آگرہ میں ڈالی۔ انھوں نے اپنا نام رادھا سوامی رکھا، اور اسی نسبت سے ان کے قائم کئے ہوئے مت کو رادھا سوامی مت کہتے ہیں۔ رادھا سوامی دراصل ہندوؤں میں ایشور کا ایک نام ہے۔ اس اعتبار سے رادھا سوامی مت کے معنی الٰہی مذہب کے ہیں۔ اس مت کے اصول مندرجہ ذیل اقتباسات سے معلوم ہوں گے جو اس فرقے کی اردو کتابوں سے ماخوذ ہیں:۔

رادھا سوامی مت میں ایک زندہ گرو کے وجود پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا جاتا ہے شیو دیال صاحب کا عقیدہ تھا کہ ایک زندہ مرشد کی تعلیم و تربیت کے بغیر نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ سنہ ۱۸۷۸ء میں اُن کے انتقال پر رائے بہادر سالگ رام صاحب جو آگرہ میں پوسٹ ماسٹر جنرل رہ چکے تھے اور شیو دیال صاحب کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ دوسرے گرو مقرر ہوئے سنہ ۱۸۹۸ء میں جب انھوں نے وفات پائی تو برہم شنکر مصرا جو سنہ ۱۸۸۵ء میں رادھا سوامی مت میں داخل ہوئے تھے اور بنارس میں رہا کرتے تھے۔ تیسرے گرو منتخب ہوئے۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں ان کے انتقال پر رادھا سوامیوں کی ایک شاخ بنارس میں قائم ہو گئی وہاں ان کی ایک عالی شان عبادت گاہ ہے جو رادھا سوامی باغ کے نام سے مشہور ہے۔ برہم شنکر مصرا کے بعد چوتھے گرو کامتا پرشاد سرکار مقرر ہوئے۔ یہ ضلع غازی پور کے

ایک گاؤں مراری کے رہنے والے تھے، اور بجائے آگرہ کے انھوں نے وہیں کی سکونت اختیار کی۔

۱۹۱۴ء میں آگرہ سے کچھ فاصلے پر دیال باغ کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور وہاں شیو دیال صاحب کی سمادھ بنائی گئی۔ اس سے قبل کامتا پرشاد سرکار کا انتقال ہو چکا تھا۔ اب گرو کی گدی پر صاحب جی مہاراج بیٹھے۔ انھوں نے تعلیمی اداروں کے علاوہ دیال باغ میں مختلف صنعت وحرفت کے کارخانے جاری کئے جو روز بروز ترقی کر رہے ہیں۔ یہ کارخانے افراد کی ملک نہیں ہیں بلکہ رادھا سوامی جماعت کے مشترکہ سرمائے سے قائم کئے گئے ہیں۔ دیال باغ میں جماعت کے سارے کام ایک بورڈ کے سپرد ہیں بہت سے ست سنگیوں نے وہاں اپنے ذاتی مکانات بنوا کر بود و باش اختیار کر لی ہے۔ صاحب جی مہاراج کو حکومت کی طرف سے سر کا خطاب بھی ملا تھا چند سال ہوئے اُن کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ گورچرن داس مہتہ گرو مقرر کر دئے گئے[1]

رادھا سوامی مت کی کتابیں

اردو میں رادھا سوامی مت کی جو کتابیں مطالعے میں آئیں ان کی فہرست حسب ذیل ہے

(۱) **تھارتھ پرکاش**:۔ حصہ اول و دوم۔ مصنفہ صاحب جی مہاراج آنند سروپ صاحب۔ شائع کردہ۔ رادھا سوامی ست سنگ سبھا، دیال باغ، آگرہ۔ مطبوعہ آرمی پریس، دیال باغ، آگرہ ۱۹۳۴ء۔ ص ۲۶۸۔

اس کتاب کے حصہ اول میں "رادھا سوامی مت کی تعلیم" اس طرح بیان کی گئی ہے:۔

"۱۔ رادھا سوامی مت کی تعلیم نہایت سادہ و سہج ہے۔ لیکن اس دل کے لئے جو سچے مالک کی محبت سے خالی ہے اس کا سمجھنا محال بلکہ ناممکن ہے۔

---

[1] ہندو دھرم اور اصلاحی تحریکیں، از پروفیسر پریتم سنگھ۔ مطبوعہ امرت الیکٹرک پریس، لاہور ۱۹۳۶ء ص ۵۲-۵۴۔

۲۔ رادھاسوامی مت سکھلاتا ہے کہ انسان کے وجود میں تین جوہر موجود ہیں۔ اول کثیف مادّہ جس سے انسان کا کثیف یعنی ستھول جسم بنتا ہے۔ دوئم لطیف مادہ جو انسان کے من کا مسالہ ہے۔ اور تیسرے روح، یعنی سُرت جو انسان کے وجود کی جان ہے اور جس سے اُس کے من و جسم کی نشوونما ہوتی ہے۔ انسان کے جسم و من دونوں فانی یعنی ناشمان ہیں، لیکن روح غیر فانی ہے۔

۳۔ اور جیسے انسانی وجود کو رچنے و جان دینے والا اس کا آتما یعنی سُرت ہے ایسے ہی کُل کائنات یعنی سرشٹی کو رچنے و جان دینے والا ایک "پرم آتما" ہے جس کو مالک کُل یا رادھاسوامی دیال کہتے ہیں۔ اور چونکہ تمام آتما اور پرم آتما یعنی سُرت و مالک کُل کا جوہر ایک ہی ہے اس لئے انسانی وجود کُل رچنا کا نمونہ تسلیم کیا جاتا ہے، اور رچنا کو عالم کبیر اور انسانی وجود کو عالم صغیر کہتے ہیں۔

۴۔ رادھاسوامی مت بتلاتا ہے کہ مالک کُل نے آتماؤں کو سرشٹی سے تعلق قائم کرنے اور جسم انسانی سے پورا فائدہ اٹھانے کا موقع دینے کی غرض سے اس (جسم انسانی) کے اندر متعدد پوشیدہ قوتیں مقیم فرمائیں، اور نوع انسانی کو ان عطیوں اور ان کی منفعت سے آگاہ کرنے کے لئے انتظام فرمایا کہ دنیا میں وقتاً فوقتاً ایسی پاک اور بیدار ارواح کا نزول ہو جو اُن قوتوں کے راز، ان کے بیدار کرنے کے طریق اور ان کے استعمال کے ڈھنگ سے بخوبی واقف ہوں، اور جنہیں وہ راز دوسروں کو سمجھانے، ان قوتوں کو جگانے، اور نوع انسانی کو ان سے مستفید کرانے کی توفیق حاصل ہو۔

۵۔ اسی وجہ سے رادھا سوامی مت میں خاص زور اس بات پر دیا جاتا ہے
کہ انسان اپنی جسمانی، دماغی و روحانی تینوں قسم کی قوتوں کا بیدار کرنا
زندگی کا نصب العین بنائے اور تساہل و تجاہل کو بالائے طاق رکھ کر مردانہ
وار مناسب تدابیر عمل میں لاوے۔

۶۔ یہ مسلّم ہے کہ جسمانی و دماغی قوتیں بیدار کرنے کے لئے ہر نوزائیدہ
کو اول کچھ عرصہ اپنے والدین سے مدد لینی پڑتی ہے۔ ازاں بعد وہ ورزش
جسمانی اور علوم و فنون کے ماہران کی شاگردی اختیار کرتا ہے۔ اسی
اصول پر رادھا سوامی مت سکھلاتا ہے کہ اپنی پوشیدہ روحانی
قوتیں بیدار کرنے کے لئے بھی ہر انسان کو کسی کامل روحانی استاد
کی جسے سنت مت کی اصطلاح میں سنت ستگورو کہا جاتا ہے
شاگردی اختیار کرنی چاہئے۔

۷۔ مگر واضح ہو کہ سنت ستگورو سے مراد کسی ایسے شخص سے
نہیں ہے جو روحانی قوتوں و منزلوں کے راز سے محض علمی واقفیت
رکھتا ہو۔ بلکہ اُس کامل پُرش سے ہے جس نے بذریعہ عمل اپنی روحانی
قوتوں کو کلیتہً بیدار کر کے سچے مالک سے وصل حاصل کیا ہے، یا
جس کو جنم سے یہ پرم گتی حاصل ہے۔

۸۔ جب کوئی نوعمر تحصیل علم کی غرض سے اسکول یا مکتب میں داخل
ہوتا ہے تو اول اسے بچپن کی آزادی چھوڑ کر اور قوئی کی غیر ضروری حرکتیں
روک کر پورے طور پر توجہ اپنے سبق میں دینی پڑتی ہے علیٰ ہذا القیاس
علم روحانی کے طالب کو دنیوی آزادی چھوڑ کر اور جسم و من کی غیر ضروری
حرکتیں روک کر اپنی توجہ روحانی نشانے پر یکسو و قائم کرنی ہوتی ہے۔

اور چونکہ انسان کے جسم و من پر غذا، سازوسامان زندگی و حالات گردوپیش کا بھاری اثر پڑتا ہے اس لئے رادھا سوامی مت سکھلاتا ہے کہ شوقین پیرمارتھی صرف اس قسم کی ستوگنی غذاؤں کا استعمال روا رکھے جو اس کے جسم و من کو غیر ضروری و ناشائستہ حرکات کے لئے مشتعل نہ کریں، اور سازوسامان زندگی سے محض حسب ضرورت یعنی کارج ماتر واسطہ رکھے، اور اپنا وقت ایسے مشغلوں و سنگ و ساتھ میں گزارے جو حصول مراد میں معاون و مددگار ہوں۔" (ص ۳ - ۵)

(۲) سنت مت کیٹکزم یعنی سوال و جواب۔ مطبع ایجاد کشن، آگرہ ۱۹۳۵ء ص ۵
اس رسالے میں سنت مت کی تعلیمات سوال و جواب کے پیرائے میں بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً :-

"سوال۔ سنت مت یا رادھا سوامی پنتھ کس کو کہتے ہیں ؟
جواب :- سنت مت تمام روئے زمین کے مذہبوں کا جوہر ہے، تمام علم و حکمت کا سرمایہ ہے، جس کو سنتوں یعنی فقرائے کامل نے بے شمار تجربوں اور ابھیاس کے بعد ظاہر کیا ہے۔ یہی مت ہے جس کے ذریعے سچے مالک رادھا سوامی کی پہچان اور ان کے ملنے کا راستہ اور منزلوں کے بھید معلوم ہو کر سچی خوشی اور نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ مت اور اس کا ابھیاس خاص کر ان لوگوں کے واسطے ہے جن کو سچے مالک کے ملنے کی چاہ اور اپنے جیو کے کلیان اور اُدھار کی فکر ہے۔ دنیاوی خواہشوں و مان بڑائی چاہنے والوں کے واسطے و نیز جنھوں نے مذہب کو اپنا روزگار بنا رکھا ہے یا مذہبی بحث و مباحثہ

کو بطور دل بہلاؤ یا تفریح طبع ایک شغل بنا رکھا ہے، یہ مت نہ فائدہ مند ہے نہ ان کی سمجھ میں آوے گا۔" (ص ۵)

(۳۱) رادھا سوامی مت، دنیا کا عجیب و غریب مذہب :۔ مولفہ نندر سنگھ حیدرآبادی مطبوعہ بندے ماترم اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۲۵ء۔ ص ۱۱۸۔

اس کتاب میں بھی رادھا سوامی مت کی تعلیمات سوال و جواب میں بیان کی گئی ہیں۔

(۳۲) رادھا سوامی مت سندیش :۔ سرورق غائب تھا اس لئے مولف کا نام مطبع اور سنہ طباعت معلوم نہ ہو سکا۔ نسخہ قدیم ہے۔ کتاب کے تمام مضامین دفعات میں بیان کئے گئے ہیں۔ عبارت کا نمونہ اور بعض تعلیمات حسب ذیل ہیں :۔

"رادھا سوامی مت کے ابھیاسی کو ان سنجموں کی سنبھال رکھنا چاہئیے۔

دفعہ ۱۲۹۔ جو کوئی رادھا سوامی مت میں شامل ہووے اور اس کے موافق ابھیاس شروع کرے اس کو یہ سنجم واسطے درستی سے کرنے ابھیاس شرت شبد مارگ کے درکار ہیں :۔

(۱) مانس اہار نہ کرے اور نہ کوئی نشے کی چیز پیوے یا کھاوے حقہ پینا نشے میں داخل نہیں۔

(۲) معمولی کھانے سے آہستہ آہستہ قریب چوتھائی حصہ کے کم کر دیوے، اور بہت چکنے چپڑے اور سواد کے بھوجن نہ کھاوے۔

(۳) سونے میں بھی کچھ کمی کرے، یعنی عام طور پر چھ گھنٹے سے زیادہ نہ سووے۔

(۴) سنساری لوگوں سے ضرورت کے موافق میل اور برتاؤ کرے ان سے زیادہ میل نہ رکھے اور بغیر ضرورت کے کسی سنساری معاملے میں دخل نہ دیوے۔

(۵) سنساری پدارتھ اور اندریوں کے بھوگوں کی چاہ فضول نہ اٹھاوے اور نہ اُن کے واسطے فضول جتن کرے، بلکہ جو بھوگ اور پدارتھ میسر آویں اُن میں بھی جس قدر مناسب ہووے احتیاط کے ساتھ برتاؤ کرے

(۶) وقت ابھیاس کے بے فائدہ خیال دنیا اور اس کے پدارتھوں اور بھوگوں کے نہ اٹھاوے۔ اور جو پرانی عادت کے موافق ایسی گناؤنی من میں پیدا ہووے تو اس کو جس قدر جلدی ہووے دور ہٹا دے، نہیں تو ابھیاس میں رس نہیں ملے گا۔

(۷) ست پُرش رادھا سوامی دیال اور گورو کا کسی قدر خوف دل میں رکھے اور اُن کی پرستش میں اپنی بہتری سمجھے، اور ناراضی میں نقصان پرمارتھ اور سوارتھ کا، اور ان کے چرنوں میں دن دن پریت اور پرتیت بڑھاتا رہے۔

(۸) جہاں تک ہو سکے کسی جیو سے بیرودھ اور ایرکھا دل میں نہ رکھے"

--------------------------- (ص ۶۱، ۶۲)

(۱۶) دیو سماج

دیو سماج کے بانی پنڈت شیو نرائن اگنی ہوتری کان پور کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سولہ سال کی عمر میں وہ رڑکی کالج میں داخل ہوئے اور اوورسیری کا امتحان پاس کر کے وہیں ملازم ہو گئے۔ رڑکی کالج میں پنڈت شیو نرائن کے ایک استاد ویدانتی تھے جن کے اثر سے انھوں نے بت پرستی ترک کر دی۔ سنہ ۱۸۷۳ء میں جب ان کی عمر ۲۳ سال کی ہوئی تو وہ گورنمنٹ اسکول، لاہور میں ڈرائنگ ماسٹر مقرر ہو گئے۔ اس وقت لاہور میں برہمو سماج کا بڑا زور تھا۔ چنانچہ پنڈت شیو نرائن بھی اس کی اصلاحی تحریک سے متاثر ہو کر برہمو ہو گئے، اور دو سال کے بعد سماج کے پرچارک بن گئے۔ اب انھوں نے اپنا نام بھی بدل دیا، اور بجائے شیو نرائن کے ستیانند رکھ لیا۔ چنانچہ اسی نام سے برہمو سماج کے اصول و عقائد کی تبلیغ کے لئے انھوں نے اردو میں متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے بعض کا ذکر برہمو سماج کی کتابوں کے سلسلے میں پہلے آ چکا ہے۔ سماج کے پرچارک ہونے کے بعد انھوں نے اسکول کی ملازمت سے استعفا دے دیا اور سارا وقت دھرم کے کاموں میں صرف کرنے لگے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد سماج کے ممبروں سے اختلاف رائے کی بنا پر انھوں نے برہمو سماج سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور ۱۸۸۷ء میں ایک نئی سماج قائم کی اور

اس کا نام 'دیو سماج' رکھا خود اپنے لئے انھوں نے دیو گرو کا لقب اختیار کیا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ "مجھ میں دیو جیون کا وکاس ہوا ہے، یعنی میں اعلیٰ ترین روحانی طاقتوں کا مصدر اور منبع ہوں"۔ دیو سماج کے ممبروں کے لئے سیوک کا لقب مقرر کیا گیا اور آٹھ چیزوں سے پرہیز کرنا ان کے لئے ضروری قرار پایا:-

(۱) ہر طرح کا نشہ (۲) گوشت خوری (۳) جوا (۴) چوری (۵) رشوت ستانی (۶) بدچلنی، اور ایک بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کرنا (۷) خیانت (۸) قتل بیجا۔

دیو سماج اپنے ابتدائی دور میں ایک طرح کی برہمو سماج ہی تھی، اور اس کے اندر بھی ہندو مذہب کی اصلاح کی وہی روح کام کر رہی تھی جو برہمو سماج کی تحریک کا باعث ہوئی۔ لیکن بعد میں پنڈت شیو نرائن نے مغرب کی مادہ پرستی سے متاثر ہو کر خدا کے وجود ہی سے انکار کر دیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اُن کی مادیت صرف خدا کی ہستی اور اس کی پرستش سے انکار تک محدود رہی۔ بجائے خدا کے انھوں نے خود اپنی ذات کو پرستش کا مستحق قرار دیا۔ چنانچہ سیوکوں کے لئے دیو گرو کی پوجا لازمی ٹھہرائی گئی، اور دیو سماج کے مندروں میں ان کی مورتی کی پوجا علانیہ ہوتی ہے۔[1]

دیو سماج کی کتابیں دیو سماج کی طرف سے اردو میں بہت سی کتابیں شائع کی گئی ہیں، مثلاً (۱) دیو شاستر، حصہ اوّل و دوم (۲) دیو آتما کون ہیں (۳) انسانی دنیا میں ایک اور صرف ایک سچے معبود کا ظہور (۴) انسانی دنیا کے لئے بھگوان دیو آتما ایک اور صرف ایک سچے معبود کیوں ہیں (۵) انسانی دنیا کے وکاس میں دیو آتما کا ظہور (۶) دیو آتما کے سوائے اور کوئی سچا معبود نہیں۔ (۷) نیچ شکتیوں کی غلامی سے نجات کی ضرورت۔

دیو سماج بک ڈپو، لاہور، کی فہرست میں چند اور کتابوں کے تام بھی درج ہیں جو

---

[1] "ہندو دھرم اور اصلاحی تحریکیں" از پروفیسر پریتم سنگھ۔ ص ۵۷-۵۹۔

اردو میں شائع ہوئی ہیں۔ کتب خانوں میں دیوشاستر کے علاوہ اس فرقے کی اور کوئی کتاب مجھے نہیں ملی۔ یہ کتاب دیوگرو کی تصنیف ہے اور اس میں دیوسماج کی تمام تعلیمات درج ہیں۔ پنڈت شیونرائن نے اسے ہندی میں لکھا تھا۔ بعد میں سماج کی طرف سے اس کا ترجمہ اردو میں کیا گیا۔ ذیل کے اقتباسات اردو ایڈیشن سے ماخوذ ہیں:-

(۱) دیوشاستر:- پہلا حصہ "مصنفہ بانی دیو دھرم"، مطبوعہ مرکنٹائل پریس، لاہور۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۱ء۔ ص ۱۳۴۔

پہلا باب

"ہم اور تم، اور ہمارے اور تمھارے رشتہ دار، اور ہمارے اور تمھارے سوائے ہر ایک ملک اور براعظم، اور ہر ایک قوم اور رنگ کے سب انسان، سب قسم کے حیوان یعنی چوپائے اور رینگنے والے کیڑے، مچھلیاں اور پرندے، سب قسم کے چھوٹے اور بڑے پہاڑ چھوٹے اور بڑے دریا، چھوٹے اور بڑے میدان اور کھنڈ، اور چھوٹے اور بڑے سمندر اور بحر، چھوٹے اور بڑے شہر اور گاؤں ہمارے گھر اور ہمارے گھروں کی سب چیزیں، ہماری یہ زمین، ہمارا سورج اور ہمارے سورج کے چاروں طرف گھومنے والے مختلف سیارے اور چاند جنھیں ہم سچ مانتے اور جانتے ہیں، وہ نیچر ہی کے چھوٹے چھوٹے جزو ہیں۔ یہ سب لاکھوں چھوٹے اور بڑے جاندار اور غیر جاندار وجود اسی طرح نیچر کے وسیع وجود کے مختلف حصے ہیں جس طرح ہمارے ہاتھ پاؤں ناک، کان، ہماری ہڈیاں اور ہماری کھال اور ہمارے بال وغیرہ ہمارے جسم کے مختلف حصے ہیں۔ نیچر کا یہ پھیلاؤ یہیں تک ختم نہیں ہو جاتا

بلکہ یہ نیچر اپنے ان سب حصوں کے علاوہ اور بھی بہت آگے تک پھیلی ہوئی ہے۔ ہاں اتنی دور تک پھیلی ہوئی ہے کہ جس کی ہم اپنی قوت واہمہ کے ذریعے بھی کوئی حد مقرر نہیں کر سکتے ...." (ص ۳۹-۴۰)

"آؤ، اب ہم اپنی کھوج میں کچھ اور آگے بڑھیں۔ پہلے ہم یہ سوال کریں کہ یہ نیچر جو ہمارے چاروں طرف اربوں اور کھربوں میل سے بھی دور تک پھیلی ہوئی ہے اور جس میں چھوٹے اور بڑے قسم قسم کے بے تعداد غیر جاندار اور جاندار وجود موجود ہیں، اس کے ان سب وجودوں کی بناوٹ میں کیا کیا چیزیں پائی جاتی ہیں، یعنی نیچر کے یہ سب قسم کے وجود یا جزو کس کس چیز سے بنے ہوئے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں ہم تمھیں بتانا چاہتے ہیں کہ نیچر میں اس کے جزو کی صورت میں جتنے وجود پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب، چاہے وہ غیر جاندار ہوں اور چاہے جاندار، صرف دو ہی قسم کی چیزوں سے بنے ہوئے ہیں، جن میں سے ایک قسم کی چیز کا نام جڑ یعنی مادّہ ہے، اور دوسری قسم کی چیز کا نام شکتی یعنی طاقت ہے۔ ساری نیچر کا مسالہ یہی دونوں چیزیں ہیں، اور ساری نیچر انھیں دو قسم کے مسالوں سے بنی ہوئی ہے۔" (ص ۴۵)

(۲) دیوشاستر:۔ حصہ دوم۔ مطبوعہ مرکنٹائل پریس، لاہور۔ ۱۳ سنہ ۱۹۳۱ء۔ ص ۱۴۱۔

"دیوشاستر کے پہلے حصے میں بتایا جا چکا ہے کہ صرف نیچر ہی حقیقی ہے۔ وہی ہمیشہ سچ تھی اور وہی ہمیشہ سچ رہتی ہے۔ نیچر کے سوائے یا اس سے باہر کچھ بھی اور کوئی وجود بھی اور کوئی بات بھی سچ نہیں۔ اس لئے کسی بھی انسان کے لئے جس جس قسم کا اور جہاں جہاں تک سچا علم حاصل کرنا ممکن ہے اس سارے سچے علم کا بیحد خزانہ نیچر اور صرف نیچر ہی ہے اور

اس کے سوائے اور کچھ نہیں۔

سچے علم کے حاصل کرنے کے لئے نیچر نے ہی جو طریقے رکھے ہیں انھیں کے ٹھیک جاننے اور انھیں کے مطابق چلنے کی ضرورت ہے۔ انھیں چھوڑ کر اور ان کے خلاف جن جن انسانوں نے صرف اپنی قوت واہمہ کے ذریعے جتنی اور جس جس قسم کی کہانیاں اور جتنی اور جس جس قسم کی مختلف باتیں گھڑ کر انسانی دنیا میں پھیلائی ہیں اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کو ان کا معتقد بنایا ہے۔ وہ سب بالکل جھوٹ ہیں۔" (ص ۱-۲)

جین مذہب

کچھ زمانہ پہلے تک جین مذہب ہندو دھرم کا ایک فرقہ سمجھا جاتا تھا اور اس کے وجود کی مدت ایک ہزار سال سے زیادہ نہیں خیال کی جاتی تھی۔ لیکن اہل تحقیق نے اب یہ ثابت کر دیا ہے کہ جین مذہب کم سے کم اتنا ہی قدیم ہے جتنا بدھ مذہب۔ اس تحقیق کو پروفیسر جکوبی (JACOBI) کی تائید حاصل ہے۔

وردھمان یا مہابیر جن کو عام طور پر جین مذہب کا بانی سمجھا جاتا ہے ایک چھتری راجہ کے گھر بیسارہ کے مقام پر جو صوبہ بہار میں پٹنہ سے ستائیس میل کے فاصلے پر واقع تھا ۵۹۹ء قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔ اٹھائیس سال خانگی زندگی میں گزارنے کے بعد اپنی بیوی بچی، اور بھائی بہن کو چھوڑ کر انھوں نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی اور جنگلوں میں چلے گئے۔ وہاں انھوں نے دنیا کے دکھ اور مصیبت اور ان سے رہائی پانے کے طریقوں پر غور کرنا شروع کیا اور چودہ سال کی ریاضت کے بعد محسوس کیا کہ انسانی مصائب کا معما حل ہو گیا چنانچہ جو معرفت انھوں نے اس مدت میں حاصل کی تھی اس سے دوسروں کو مستفید کرنے کے لئے انھوں نے شمالی ہند کا دورہ شروع کیا۔ ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا سلسلہ ۵۵۷ء ق م سے ۵۲۷ء ق۔م تک جاری رہا۔ شمالی ہند میں تیس سال تک جین دھرم کا پرچار کرنے کے بعد انھوں نے ۵۲۷ء قبل مسیح میں پاداپوری کے مقام پر وفات پائی۔ جدید تحقیق سے

معلوم ہوتا ہے کہ مہابیر جین مذہب کے بانی نہیں بلکہ اس کے مُصلح تھے۔ یہ مذہب اُن سے پہلے بھی موجود تھا، اس کے پیشوا پارس ناتھ تھے جن کا انتقال ۷۷۶ ق م میں ہوا۔ اب جین دھرم کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ہزاروں سال قبل رشبھ نے ڈالی تھی اور وہی اس دھرم کے پہلے رہنما تھے۔ پارس ناتھ اس کے تیئیسویں اور مہابیر آخری رہنما تھے۔[1]

جین مذہب کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) انسان کی شخصیت دو حصوں میں منقسم ہے۔ مادی اور روحانی۔

(۲) انسان کامل نہیں ہے۔ لیکن روح انسانی ترقی کر کے کمال حاصل کر سکتی ہے۔ حصول کمال کے بعد یہ اپنی اصلی اور دائمی خاصیت سے لطف اندوز ہوتی ہے جس کی چار خصوصیات ہیں۔ بے پایاں ادراک یا تصور، بے پایاں علم، بے پایاں طاقت، اور بے پایاں روحانی مسرت۔ ان کو مذہبی اصطلاح میں اننت درشن، اننت گیان، اننت ویرج، اور اننت سُکھ کہتے ہیں۔

(۳) انسان اپنی روحانی فطرت سے اپنی مادی فطرت پر قابو پا سکتا ہے، اور اُسے یہ قابو ضرور حاصل کرنا چاہیئے۔ مادّے پر پوری طرح قابو پانے کے بعد ہی روح کو کمال آزادی، اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔ ایسی ہی آزاد اور مسرور روح کو جینا (فاتح) اور تیرتھنکر (رہنما) کہتے ہیں۔

(۴) آخری بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان خود اپنی زندگی کی تمام اچھائیوں اور برائیوں کا ذمہ دار ہے۔[2]

مسٹر بٹانی (BETTANY) اپنی کتاب "ہندوستان کے بڑے مذاہب" میں لکھتے ہیں کہ جین مذہب کے پیرو نروان یعنی آواگون کے چکر سے روح کے آزاد ہو جانے

---

[1] "جین مذہب کا خاکہ" (انگریزی) از جگمندر لال جینی۔ مطبوعہ کیمبرج۔ ۱۹۱۶ء۔ مقدمہ ص ۲۸-۳۲

[2] " " " " " " " " " ص ۶۸

کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ انفرادی روح کے روح کُلی میں ضم ہو جانے کے قائل نہیں ہیں بنا قصہ یہ ہے کہ اُن کے یہاں کسی اعلیٰ الوہیت کا تصور نہیں پایا جاتا۔ نرنان کی منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے جن مدارج سے گزرنا پڑتا ہے وہ یہ ہیں: صحیح ادراک اور واضح علم جس کے بعد فوق الفطرت علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اور وہ معرفت کُلی کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔

اس مذہب کے پیرؤوں کے لئے ضروری ہے کہ فیاضی، نرمی، پارسائی، اور اپنے قصیروں پر غمگین ہونے کی عادت ڈالیں، اور جانوروں بلکہ پودوں کے ساتھ بھی رحم دلی کا برتاؤ کریں۔ یہ لوگ جانداروں کو تکلیف پہونچانے سے سخت پرہیز کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ تمام جانوروں، یہاں تک کہ پودوں میں بھی روح موجود ہے۔ وہ بیمار جانوروں کے لئے شفاخانے قائم کرتے ہیں۔ برسات کے موسم میں یا غروب آفتاب کے بعد کھلی جگہ میں کھانا نہیں کھاتے کہ کبھی یا کیڑا مکوڑا منھ میں نہ چلا جائے، پانی کو تین مرتبہ چھان کر پیتے ہیں، اور اس خطرے سے کہ کوئی کیڑا منھ میں نہ چلا جائے ہوا کے رخ کے خلاف نہیں چلتے۔ جو لوگ ان میں زیادہ متشدد ہیں وہ کیڑوں کے خیال سے عبادت کے اوقات میں منھ پر ایک کپڑا ڈال لیتے ہیں۔

جینی دراصل نہ ویدوں کو مانتے ہیں اور نہ دیوی دیوتاؤں کو۔ وہ ذات پات کی تفریق کے بھی قائل نہیں۔ لیکن عملاً وہ بہت کچھ ذات کے قوانین کے پابند ہیں، اور ایک حد تک بہت سے ہندو دیوتاؤں اور دیویوں سے بھی عقیدت رکھتے ہیں خود اپنے مذہب کی بہت سی نیک اور خبیث روحوں پر بھی اُن کا اعتقاد ہے۔ جن معاملات میں ویدوں سے ان کے خیالات کی تائید ہوتی ہے، ان میں ویدوں کو مستند سمجھتے ہیں عریانی کی خصوصیت صرف اُن کے "دگمبر" جوگیوں تک محدود ہے، اور وہ بھی محض کھانے کے اوقات میں جینیوں کا دوسرا فرقہ "سویتامبر" سفید کپڑے پہنتا ہے۔ ان کے ہاں کسی جانور کی قربانی نہیں ہوتی اور اخلاقی پابندیاں سختی سے برتی جاتی ہیں۔ ان کے بہت سے عقائد ہندو اور

بدھ مذہب کے عقیدوں سے ملتے جلتے ہیں، مثلاً یہ عقیدہ کہ سابق زندگی کے اعمال کے مطابق اسی دنیا میں دوبارہ جنم لینا پڑتا ہے[۱]

جین مذہب کی کتابیں جین مذہب کی جو کتابیں اردو میں مجھے مل سکیں اُن کی فہرست حسب ذیل ہے۔ اُن کے اقتباسات سے اس مذہب کے عقائد اور اصول پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

(۱) جین مت سار:۔ مولفہ لالہ سمیر چند جین۔ شائع کردہ جین متر منڈل، دہلی مطبوعہ گیتا پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۳۰ء ص ۳۹۲۔

اس کتاب کی تمہید میں لالہ سمیر چند نے اردو کی عام مقبولیت کا اعتراف جن واضح الفاظ میں کیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"اگرچہ جین مذہب ہندوستان کا ایک قدیم مذہب ہے، مگر اس کے عقائد و مسائل کا حال عام لوگوں پر اچھی طرح روشن نہیں ہے۔ عام لوگ تو رہے درکنار، خود بہت سے جینی بھی اپنے آبائی دھرم سے ناواقف ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس کے مستند شاستر پراکرت و سنسکرت زبان میں ہیں جن کا آج کل رواج نہیں رہا۔ اس کمی کو پورا کرنے کی غرض سے اٹھارہویں صدی بکرمی میں جین مت کے مشہور پنڈتوں، ٹوڈرمل جی سداسکھ جی، دولت رام جی وغیرہ نے بہت سے گرنتھوں کا ہماری زبان میں ترجمہ کیا۔ جن کو پڑھ کر بہت سے بھائیوں نے فائدہ اٹھایا اور اب تک اٹھا رہے ہیں۔ مگر آج کل وہ بھاشا لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لئے اس وقت سلسلۂ مذہب کو جاری رکھنے کے واسطے یہ نہایت ضروری ہے کہ اپنے مذہبی اصول و تواریخ کو واقفیت عام کے لئے مروجہ

---

[۱] "ہندوستان کے بڑے مذاہب"، ص ۲۴۲۔ مطبوعہ لندن، ۱۸۹۲ء

زبان میں لکھا جائے۔ اسی خیال سے میں نے ۱۹۱۴ء میں ایک کتاب
جین پرکاشں، ۱۹۰۶ء میں شاہراہ نجات اور ۱۹۱۱ء میں دھرم کے
دس لکشن وخلاصہ مذہب تام کے دو ٹریکٹ اردو زبان میں لکھے
تھے۔ اسی سلسلے میں اب یہ کتاب جین مت سار ہے۔ اس میں جو
کچھ درج ہے وہ مستند جین شاستروں سے اخذ کیا گیا ہے۔۔۔۔
۔۔۔۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب زمانہ حال کی ایک بڑی ضرورت
کو پورا کرے گی اور اردو خوان جین بھائیوں اور دیگر حق پسندوں
کے واسطے ایک بڑی کارآمد چیز ہو گی۔" (ص ۵)

اس کے بعد جین مذہب کی حقیقت اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

جین مت دو لفظوں جن، اور مت سے مرکب ہے۔ ایسا شخص
جس نے راگ دویش کو جیت لیا، یا یوں کہو، جس کی نہ کسی سے دوستی
ہے نہ دشمنی، جو نہ کسی مرغوب طبع دنیاوی شے کے حاصل کرنے کی
رغبت رکھتا ہے اور نہ ناگوار طبع شے کو دور کرنے کی خواہش۔ ایسے
شخص کے لئے دنیا میں کوئی شے مرغوب یا غیر مرغوب نہیں ہے۔ وہ
ہر شے کو اس کی اصلیت کے لحاظ سے دیکھتا اور جانتا ہے۔ اور
جن کہلاتا ہے۔ راگ (یعنی محبت)، دویش (یعنی نفرت)، اگیان (یعنی
جہالت) سے پیدا ہوتے ہیں۔ کرودھ (غصہ)، مان (غرور)، مایا (فریب)
لوبھ (طمع)، ہنسا، جھوٹ، چوری، زنا، پریگرہ (بوالہوسی) جذبات
حیوانی وخواہشات نفسانی ہیں۔ لہٰذا جن مت کے معنی ہیں ایسے
شخص کی رائے جس میں نہ تو اگیان ہے اور نہ وہ کسی سے دوستی و دشمنی
کے جذبات سے مرعوب ہے۔ پھر ایسا شخص جو کچھ کہے گا وہ بات بلا شبہ

ورعایت اور بالکل صحیح ہو گی، کیونکہ نہ تو جھوٹ بول کر اسے کسی سے کچھ لینا ہے اور نہ سچ بولنے سے اس کو کسی کا ڈر ہے۔ نہ اس کو کسی کی رعایت منظور ہے اور نہ اسے کسی سے تکرار ہے۔

جن مت کو ہی عام گفتگو میں جین مت بھی کہتے ہیں۔ لفظ "جین" کے معنی "جن" میں اعتقاد رکھنے والے شخص کے ہیں۔ لہٰذا جین مت کے معنی یہ دنیا کیا ہے، کس طرح بنی ہے، وغیرہ وغیرہ سوالات کی نسبت بلا رو و رعایت کہنے والے شخص کی رائے کے ہوئے۔ ایسا شخص ایک ہی نہیں ہوا، بلکہ دنیا میں قدیم سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ لہٰذا جین مت بھی قدیمی مذہب ہے۔ موجودہ کلپ میں یہ مت شری رشبھ دیوجی نے چلایا ہے۔ (نوٹ: یہاں یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ عوام کا یہ خیال کہ جین مذہب کے بانی شری مہابیر سوامی یا بھگوان پارس ناتھ جی تھے غلط ہے۔ یہ ہر دو بزرگ ہستیاں جین دھرم کے چوبیسویں و تیئسویں ریفارمر تھے) یہ رشبھ دیوجی کون تھے۔ ان کی بابت میں اس وقت صرف اتنا بتلاتا ہوں کہ یہ وہی مہاپرش ہیں جن کو ہندو برہما، وشنو، مہیش کے نام سے پکارتے ہیں، اور مسلمان و عیسائی بابا آدم بتلاتے ہیں۔ انھوں نے جو اُپدیش دیا وہی جین مت کے نام سے موسوم ہے۔ جین مت شے کے ہر پہلو پر غور کرنے کی وجہ سے ایکانت مت کہلاتا ہے۔ دیگر تمام مذاہب کے خیالات اس میں مشتمل ہیں اس لئے یہی مذہب یونیورسل مذہب ہو سکتا ہے،" (ص ۶-۷)

(۲) سناتن جین درشن پرکاش: مولفہ لالہ سوہن لال جینی۔ مطبع نرنکاری ۱۹۰۲ء۔ ص ۵۳۶۔

لالہ سمیر چند جین کی طرح لالہ سوہن لال جینی بھی اردو کے مقبول عام ہونے کی شہادت اپنی کتاب کے دیباچے میں دیتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اردو کے مقابلے میں دیوناگری جاننے والوں کی قلت تعداد کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"کئی برسوں سے میرے متر (دوست) و دیگر احباب نے مجھ کو برانگیختہ کیا کہ جین دھرم کو کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ سمجھتا ہے۔ اگر اس بارے میں تم ایک کتاب بنا دو تو بہت اچھا ہوگا، کیونکہ سجن جن تو گُن کے گراہی اور ست کے متلاشی ہوتے ہیں۔ سو وہ تو ضرور ہی اس ست دھرم کو پاکر نیک نیتی اور نیک اعمال سے اپنے جنم کو سپھل کریں گے۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔ مگر آج کل اردو کی زیادہ تر پرورتی ہو رہی ہے۔ دیوناگری سے تو بہت تھوڑے واقف ہیں، زیادہ نہیں۔ اس لئے کتاب اردو ہی میں تحریر ہو تو بہت اچھا ہوگا۔ کیونکہ ہر ایک پڑھ سکے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اس کتاب میں جین مذہب کی تعلیمات سوال و جواب میں بیان کی گئی ہیں۔ شروع میں شلوک درج کر کے اُن کا اردو ترجمہ اور شرح لکھی ہے۔ عبارت میں سنسکرت اور بھاشا کی مصطلحات کے ساتھ عربی اور فارسی کے الفاظ بے تکلف استعمال کئے گئے ہیں۔

(۳) جین کرم فلاسفی:۔ مولفہ بابو رکھب داس جین۔ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی، ۱۹۲۴ء ص ۳۲۔

اس مختصر رسالے کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس میں سنسکرت کی فلسفیانہ اصطلاحات کثرت سے لائی گئی ہیں۔ لیکن مولف نے ساتھ ساتھ ان کا اردو ترجمہ بھی قوسین میں لکھ دیا ہے۔

(۴) جین دھرم و پرماتما:۔ مولفہ بابو رکھب داس جین۔ مطبوعہ ہندوستانی پرنٹنگ ورکس، دہلی، ۱۹۲۳ء ص ۴۸

یہ بابو رکھب داس جین کا دوسرا رسالہ ہے جس میں انھوں نے اس الزام کو دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ جین مذہب میں خدا کا وجود تسلیم نہیں کیا جاتا۔ البتہ ان کے نزدیک "پرماتما میں کرتا ہرتا کی صفت کا نہ ہونا بہ دلائل ثابت" ہے۔

(۵) جین رتن مالا:۔ مولفہ لالہ کیوڑا مل۔ شائع کردہ جین دھرم پرچارک سبھا، راولپنڈی۔ مطبع چودھویں صدی، راولپنڈی۔ ۱۹۰۳ء۔ ص ۹۲۔

اس کتاب میں جین مت کے اصول اور تعلیمات سوال و جواب کے طریقے سے بیان کی گئی ہیں۔ مولف نے سوال کے لئے پرشن اور جواب کے لئے اُتر کے سنسکرت الفاظ استعمال کئے ہیں، لیکن عبارت میں عربی اور فارسی کے الفاظ خاصی تعداد میں ملتے ہیں۔ پانچویں باب کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے:۔

"پرشن۔ جین دھرم میں ایشور کی نسبت کیا خیال ہے۔

اُتر۔ ہم نجات شدہ کو ایشور مانتے ہیں۔

پرشن۔ اگر مانتے ہو تو ایشور کو کس روپ سے مانتے ہو۔

اُتر۔ کیا نجات شدہ کا بھی کوئی روپ ہے۔ کوئی نہیں۔ مگر ہاں، اگر آپ کا یہی اشارہ کرتا کی طرف ہو تو ہم ایشور کو کرتا نہیں مانتے۔

پرشن۔ جین دھرم میں آتما اور پرماتما کا کیا فرق ہے۔

اُتر۔ آتما کہتے ہیں کرم سہت جیو کو۔ پرماتما کہتے ہیں کرم رہت جیو (یعنی نجات شدہ) کو۔

پرشن۔ آتما کا جسم کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

اُتر۔ جس طرح آپ کا تعلق اپنی خاص جگہ یا مکان سے ہے، اسی طرح ہے" (ص ۶۷)

(۶) گیان سورج اُدے:۔ حصہ دوم، مصنفہ بابو سورج بھان صاحب وکیل، پرکاشک

جین متر منڈل، دہلی۔ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس ۱۹۲۵ء۔ ص ۲۴۔ جین متر منڈل ٹریکٹ ۳۔

اس کتاب کا پہلا حصہ مصنف نے ۳۵ سال قبل شائع کیا تھا۔

"اس میں دلائل عقلی سے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ خدا یا ایشور دنیا کا پیدا کرنے والا یا انتظام کرنے والا نہیں ہے بلکہ سب کام خاصیت اشیاء سے ہی ہو رہا ہے......."

حصہ دوم میں کرم اور کرموں کے پھل پر عقلی دلائل سے بحث کی گئی ہے۔

(۷) لطف روحانی عرف آتمک آنند۔ مولفہ ماسٹر بشمبر داس۔ مطبوعہ پنجاب پرنٹنگ ورکس ۱۹۲۳ء۔ ص ۵۲۔

اس رسالے میں روحانی زندگی حاصل کرنے کے طریقے آسان اور سلجھی ہوئی عبارت میں بیان کئے گئے ہیں، اور کہیں کہیں مطلب کی تشریح کے لئے تمثیلی حکایتیں نقل کی گئی ہیں۔

(۸) انمول رتنوں کی کنجی، حصہ اول، "یعنی چارتر جین سناتن سادھو منی راج اور شراوک سمپادک"۔ مولفہ اجودھیا پرشاد۔ امپریل نیٹیو پریس، دہلی ۱۹۱۷ء ص ۷۲

"باعث تحریر" کے زیر عنوان بابو اجودھیا پرشاد لکھتے ہیں:-

"ناظرین، چونکہ عرصے سے جین سادھو مہاراج کے چارتر اردو زبان میں لکھنے کی ضرورت میں خود میرے دوست اس وجہ سے محسوس کر رہے تھے کہ بہت سے مقامات پر مثلاً لکھنو و کانپور و الہ آباد وغیرہ وغیرہ مقامات پر چند وجوہات سے ایسے مہاتما نہیں بہار کرتے اور وہاں کی عام زبان اردو ہے۔ علاوہ ازیں پنجاب و یو، پی وغیرہ کے ملکوں میں بھی بہت سے ناواقف بھائی قسم قسم کے اتہام، شکوک و بدگمانیاں

کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ گھوری ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ آرام طلب دکھانے پینے کے لوبھی ہیں۔ غرض کوئی کچھ کہتا ہے۔ اور کوئی کچھ۔ اب میں نے ان دقتوں کو مدنظر رکھ کر سوال وجواب کے طریقے میں حصہ اول لکھا ہے۔ جس سے امید ہے کہ منصف مزاج دوست مہاتماؤں کے درشن و ویاکھیاں سے میرے بیان کی آزمائش کرتے ہوئے حصہ دویم وسویم لکھنے میں میری حوصلہ افزائی کریں گے۔ اور اگر کوئی بات خلاف سدھانت یا غلط معلوم ہو تو معافی دیتے ہوئے اس سے مطلع کریں گے۔ ع۔ از خردان خطا بزرگاں عطا۔"

(۹) انمول رتنوں کی کنجی۔ حصہ دوم۔ مولفہ اجودھیا پرشاد۔ امپیریل بک ڈپو پریس، دہلی ۱۹۱۸ء۔ ص ۴۶۔

اس حصے میں مختلف اشخاص کے مضامین اور نظمیں ہیں۔ چنانچہ دھرم پر مہاتما گاندھی کے ایک لکچر کا اقتباس، اور جانوروں کی قربانی پر گاندھی جی اور مالوی جی کے خیالات بھی نقل کئے گئے ہیں۔

(۱۰) شاہ راہ مکتی (ٹریکٹ ۳) "جس کو شری مہاویر جین برادر ہڈ، گوجرانوالہ، نے جین قوم کے فائدے کے لئے شائع کیا"، مطبوعہ لال اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۲۰ء ص ۸۲۔

یہ ۶۳ بھجنوں کا مجموعہ ہے۔ جو اردو رسم الخط میں شائع کیا گیا ہے۔ تاکہ جین مذہب کے "عام بھائی"، پڑھ سکیں۔ دیباچہ نگار لکھتا ہے :۔

"یہ سبھا ہر طرح سے جین قوم کی ترقی میں کوشش کر رہی ہے، جس کی طرف سے پیشتر بھی دو ٹریکٹ بنام پارس و شری نیم نکل چکے ہیں۔ اب سبھا نے یہ وچار کر کے کہ ہماری قوم میں زیادہ تر بھجن ہندی بھاشا ہی میں شائع ہوئے ہیں جس کو کہ عام بھائی نہیں پڑھ سکتے اور اردو

بھجنوں کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، اس وجہ سے ہم نے یہ ٹریکٹ ۳۲
اردو بھجنوں میں شائع کیا ہے ....،،

(۱۱) جین دھرم کی قدامت وصداقت پر یوروپین مورخین کی مدلل رائے :۔ مرتبہ لالہ متھراداس جینی۔ مطبوعہ پرکاش اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۱۸ء ص ۱۳۔

اس مختصر رسالے میں بعض یوروپین مصنفین کی رایوں کے اقتباسات اردو ترجمے کے ساتھ دئے گئے ہیں۔

(۱۲) جین تتو درپن۔ مولفہ شری سوامی رتن چند جی۔ مطبوعہ بلالی اسٹیم پریس، ساڈھورہ ضلع انبالہ ۱۹۱۷ء۔ ص ۵۰۸۔

اس کتاب میں جین مذہب کے تتو یعنی اصول وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں عبارت میں عربی اور فارسی کے الفاظ سنسکرت اور ہندی کے لفظوں کے ساتھ ملے جلے ہیں۔ دیباچے کے مندرجہ ذیل اقتباس سے جینیوں میں اردو کی مقبولیت کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔

"یہ کتاب ایسے اردو داں اصحاب کے لئے جو پراکرت بھاشا میں دسترس نہیں رکھتے اور جین دھرم کے تتو کو جاننے کی دلی خواہش رکھتے ہیں۔ بڑی محنت اور کوشش سے تیار کروائی گئی ہے ....اس کتاب میں جین دھرم کا تتو گیان نہایت سلیس اردو زبان میں اس خوبی سے بیان کیا گیا ہے کہ گویا دریا کو کوزے میں بند کرکے دکھایا ہے، گو کہیں کہیں مناسب اردو الفاظ نہ ملنے کی وجہ سے کچھ دقت بھی پیش آئی تاہم وہاں بھی سلیس بھاشا کے الفاظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔،،

(۱۳) نوتت "یعنی جین فلاسفی،، مولفہ لالہ نتھو رام۔ شائع کردہ جین ٹریکٹ سوسائٹی انبالہ شہر ۱۹۲۱ء۔ ص ۹۲۔

کتاب کے شروع میں "جین دھرم کے اصول"، بارہ دفعات میں بیان کئے گئے ہیں۔ پھر انھیں اصولوں کی شرح ہے۔ عبارت میں سنسکرت اور ہندی کی جو مصطلحات آ گئی ہیں ان میں سے اکثر کا اردو ترجمہ بھی مولف نے لکھ دیا ہے۔

(۱۴) شری آدشک سوتر اردو۔ حصہ اول۔ مولفہ آتما رام جی، مترجمہ بابو نور آتا رام جینی۔ مطبوعہ کشن مشین پریس، جالندھر ۱۹۱۷ء۔ ص ۶۸۔

اس کتاب میں جین مذہب کے پیرووں کے لئے عبادت کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۵) ویراگ پرکاش۔ مترجمہ لالہ جمنا داس۔ مطبوعہ دیال اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۱۳ء ص ۴۰۔

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں ویراگ کے تین قصے درج ہیں، دو نثر میں اور تیسرا نظم میں۔

(۱۶) آئینہ ہمدردی۔ مولفہ پارس داس۔ مطبوعہ لکشمی پریس، دہلی ۱۹۱۶ء۔ تین حصوں میں حصہ اول ص ۱۲۸ + ضمیمہ ص ۹۵۔ حصہ دوم ص ۸۴۔ حصہ سوم ص ۱۰۰ + ضمیمہ ص ۳۲

"اس رسالے کو خاکسار مولف نے تین حصوں پر منقسم کیا ہے۔

۱۔ ہمدردی، رحم دلی، گوشت خوری، دل آزاری اور ایذا رسانی کے متعلق بانیان مذاہب، شعرا، فضلا اور حکما وغیرہ کے خیالات مع ایک ضخیم ضمیمہ کے۔

۲۔ پچاس کے قریب مشہور ہندو اور جین شاستروں کے تقریباً سوا تین سو چیدہ چیدہ اشلوکوں کا ترجمہ۔

۳۔ گوشت خوری کے متعلق ڈاکٹروں کے خیالات و دیگر براہین عقلی مع ایک ضمیمہ۔"

(۱۷) جین کتھا رتن مالا "جس میں چار کتھا جین دھرم کے متعلق بطور اُپدیش درج ہیں۔ جن کے پڑھنے سے یہ نتائج پیدا ہوتے ہیں کہ یہ سنسار مثل خواب ہے اور اس کا آرام نقش بر آب ہے۔ انسان کو موجودہ وقت غنیمت سمجھ کر دھرم میں اودم کرنا چاہیئے۔ یہ جیو کا پرہت میں سہائی ہوگا۔ سب سری بندی اپنی اغراض و مطالب کے ساتھی ہیں۔ سوائے دھرم کے اور کوئی جیو کے دکھ نوارن کرنے والا نہیں۔" مولفہ جمنا داس۔ دیال اسٹیم پریس، لاہور۔ ص ۱۲۸۔

(۱۸) جین مذہب کے بتیس سوتروں کا خلاصہ "جس کو لالہ سمیر چند جین، اکاونٹنٹ محکمہ ورکس، پنجاب، نے واسطے افادہ اردو خواں جینی بھائیوں کے بتیس سوتروں کو دیکھ کر انبالہ سے شائع کیا۔"

مطبوعہ کاشی ناتھ الکٹرک پریس، انبالہ چھاونی ۱۹۲۷ء۔ ص ۹۰۔

(۱۹) راز حقیقت۔ حصہ اول۔ مولفہ سوامی درگا داس جی۔ مطبوعہ ۱۹۲۳ء۔ ص ۱۶۸
اس میں جین مذہب کی تعلیمات سوال و جواب کے پیرائے میں بیان کی گئی ہیں۔

(۲۰) جیون چرتر مہان ستی ۱۰۰۸ شری دروپتا جی مہاراج مع اصول و قواعد جین دھرم مولفہ امرناتھ شرما۔ مطبوعہ پریم پریس، جموں ۱۹۹۳ بکرمی۔ ص ۲۲۱۔

(۲۱) سوانح عمری شری شری بال برہمچاری شری امولک جی مہاراج۔ مرتبہ ماسٹر بشمبر داس۔ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۲۵ء۔ ص ۱۳۶۔

(۲۲) رپورٹ جالندھر اجلاس سری جین سنگ، پنجاب۔ مطبوعہ پبلک اسٹیم پریس، سیالکوٹ ۱۹۲۴ء ص ۳۲۸۔

(۲۳) جین رتن پرکاش بہ مصنفہ سوامی جین منی رتن جی۔ مطبوعہ آرمی نیوز پریس، لودھیانہ ۱۹۶۹ بکرمی۔ ص ۳۲۔

اس رسالے میں ۷ بھجن ہیں جن کی زبان میں سنسکرت آمیز ہندی کا غلبہ ہے

گو رسم الخط فارسی ہے۔

(۲۴) گوشت مت کھاؤ :۔ مطبوعہ ہتکاری اسٹیم پریس ۱۹۲۲ء۔ ص ۸۔

(۲۵) نرگرنتھ پروچن۔ مولفہ پنڈت چوتھ مل جی۔ رفاہ عام پریس، آگرہ ۱۹۹۳ بکرمی ص ۲۵۵۔

یہ کتاب مذہبی اور اخلاقی مضامین پر مشتمل ہے۔ اس میں ہندی عبارت کے ساتھ اردو ترجمہ لکھ دیا گیا ہے۔

(۲۶) حُسنِ اول :۔ جلد اول۔ مولفہ پنڈت جنیشور پرشاد مائل دہلوی شائع کردہ "دی سنٹرل جین پبلشنگ ہاوس، آرہ"، مطبوعہ انڈین پریس، الہ آباد۔ ص ۲۵۸۔

اس کتاب کا ذکر پیش نظر مقالے کے پہلے باب میں آچکا ہے مولف موصوف جین مذہب کے پیرو معلوم ہوتے ہیں کیونکہ یہ کتاب ایک جین دارالاشاعت کی طرف سے شائع ہوئی ہے، گو اس میں جین مت کے علاوہ بدھ مت اور ہندو دھرم کے مذہبی فلسفیانہ اور اخلاقی مضامین کا خلاصہ بھی درج ہے۔ اس کے پہلے باب کا ایک اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے جو "وقت" کے عنوان سے ہے۔ یہ عبارت اس شخص کے قلم کی ہے جو مسلمان نہیں ہے، لیکن اردو کو اپنی "مادری زبان" کہتا ہے اور "اس کی ترقی اور بہبودی کی کوشش کرنا ایک سعادت مند اولاد کی طرح" اپنا "فرض" سمجھتا ہے۔

"وقت"

"غرض اس تغیرات کے سمندر میں کیا جاندار، کیا بیجان، ایک صورت پر کسی کو بھی قرار نہیں ہے۔ وقت ایک پرندہ ہے کہ برابر اڑا چلا جاتا ہے اور اس سرعت سے اڑتا ہے کہ نگاہیں دیکھ نہیں سکتیں، کان اس کے پروں کی سنسناہٹ سُن نہیں سکتے۔ ہاں اس کی گردن میں ایک گھنٹی بندھی ہے جس کی آواز سے اپنی رفتار کا اتنا زاہل دنیا کو کراتا

جاتا ہے، اور سامان دنیا کو نئے سے پُرانا اور پُرانے سے نیا بنا تا جاتا ہے۔ اس کے پیچوں سے اَن گنت دھاگے الجھے ہوئے ہیں۔ یہ جانداروں کے رشتہ حیات ہیں جو پرواز کے ساتھ کھنچتے چلے جاتے ہیں۔ اس میں جس کی حد آجاتی ہے وہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی کو موت کہتے ہیں جس پر کسی کو اختیار نہیں ؂

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھئے تھمے

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

یہ بھی ایک قسم کی تبدیلی ہے، اور لفظ انتقال کے معنی بھی نقل و حرکت کرنا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ دنیا ایک پُرشور سمندر ہے جس میں ہوا کے زور سے کہیں مینڈھا اچھل رہا ہے، کہیں بھنور پڑ رہا ہے، کہیں پانی پہاڑوں سے ٹکراتا ہے، اور کہیں یک رُخا بہا چلا جاتا ہے۔ کسی جگہ فطری دلچسپیوں نے منظر کو حد سے زیادہ دل آویز بنا دیا ہے، اور کسی جگہ ناگہانی حادثوں نے وہ ڈراونا اور ہولناک سین دکھایا ہے کہ جی دہلا جاتا ہے۔ دم بھر میں قطرے سے بھاپ، بھاپ سے بادل، بادل سے پانی، اور پانی سے دریا بن جاتا ہے۔ کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں، چمن شاداب ہوتے ہیں، سبزے لہکتے ہیں، پھول کھلتے ہیں جو نگاہوں کو مسرور اور دلوں کو تازہ کرتے ہیں۔ یہی نیچر کی دلچسپیاں ہیں۔ جو ایک آن واحد میں اپنے اپنے حسن کے جلوے دکھا کر اُسی عالم میں محو ہو جاتی ہیں، یعنی چشم زدن میں ان کی ہیئت بدل جاتی ہے۔"

سکھ مذہب

سکھ مت کے بانی گرونانک، لاہور کے قریب تلونڈی نام ایک موضع میں جو دریائے راوی کے کنارے واقع ہے ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے کسی نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ان کی تعلیم زیادہ تر ان کے پیش رو مصلحوں کی تعلیمات پر مبنی تھی، خصوصاً کبیر کی جن کا حوالہ وہ برابر دیتے تھے۔ وہ دراصل ایک گرو یا مُعلّم تھے اور ان کے پیرو سکھ یا شاگرد۔ لیکن وہ ایک مصلح بھی تھے، اور ان کا مقصد دوسرے ہندو مصلحوں کی طرح جو اُن سے پہلے گزر چکے تھے یہ تھا کہ ہندو مذہب، بالخصوص شمالی ہند کے ویشنو فرقے سے ذات پات کی تفریق، توہّمات اور بت پرستی کو دور کریں۔ تاہم یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ انھوں نے براہ راست ذات پات کی تفریق کو مٹانے کی کوشش کی انھوں نے صرف یہ کیا کہ ہر طبقے کے آدمیوں کو اپنے اتباع کی دعوت دی اور بتایا کہ خدا ذاتوں کا لحاظ نہیں کرتا۔

گرونانک ہندوستان کے اس حصے میں پیدا ہوئے تھے۔ جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ وہ اگرچہ اصلاً ہندو تھے۔ تاہم مسلمانوں کا اثر اس حد تک قبول کر لیا تھا کہ بت پرستی کو بُرا کہتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ توحید سے زیادہ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ وہ کہتے تھے کہ خدا پرمیشور یعنی سب کا مالک ہے۔ اُسے برہما یا دوسرے ناموں مثلاً

گووندوغیرہ سے پکار سکتے ہیں، لیکن اُس کا خاص نام ہری (وشنو) ہے۔ یہ حاکم مطلق کائنات کو عدم سے نہیں پیدا کرتا، بلکہ خود اپنی ذات سے نکال کر وجود میں لاتا ہے۔ یہ اسی کے جوہر کی ایک طرح کی توسیع ہے جو اس کے "کھیل" کے لئے واقع ہوتی ہے۔

گرونانک کی وفات ۱۰ اکتوبر ۱۵۳۹ء کو ہوئی۔ مرتے وقت انھوں نے اپنا جانشین، لڑکے کے بجائے، اپنے ایک شاگرد لہنا کو بنایا۔ جس کا نام اس کی خدمت کے صلے میں انگدر رکھ دیا گیا تھا، کیونکہ اس نے اپنے انگ، (جسم) کو آقا کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ گرو انگدر بالکل ناخواندہ تھے، گو کہا یہ جاتا ہے کہ انھیں نے گورمکھی خط ایجاد کیا جس میں سکھوں کی مذہبی کتاب گرنتھ لکھی گئی۔ انگدر نے گرو کی گدی پر اپنا جانشین امرداس کو بنایا، اور اسی طرح یکے بعد دیگرے سات گرو اور نامزد کئے گئے۔ یہی دس سکھ مت کے خاص گرو ہیں۔ بقیہ سات کے نام یہ ہیں:۔ رام داس، ارجن، ہرگووند ہررائے، کرشن، تیغ بہادر اور گووند سنگھ۔

سکھوں میں سیاسی اتحاد کا جذبہ سب سے پہلے رام داس نے پیدا کیا جو چوتھے گرد تھے۔ وہ خود ایک سیدھے سادے آدمی تھے۔ لیکن دولت کی قدر اور تنظیم کے فائدے کو سمجھتے تھے۔ ان کی خوش اخلاقی سے اکثر لوگ ان سے والبتہ ہوتے گئے اور ان کو نذریں دینے لگے۔ اس آمدنی سے انھوں نے امرت سر کا تالاب خرید لیا اور اس کا مشہور مندر تعمیر کرایا جو بعد میں تمام سکھ قوم کا مرکز اتحاد بن گیا۔ رام داس اپنے پیروؤں کو جو احکام دیتے تھے وہ نظم میں ہوا کرتے تھے۔ ان میں بہت سے احکام کو سابق گروؤں خصوصاً گرونانک کے اقوال کے ساتھ جمع کر کے ان کے لڑکے گرو ارجن نے جو ۱۵۸۱ء میں رام داس کی وفات پر ان کے جانشین ہوئے تھے۔ ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا۔ اُسی وقت سے گرو کی گدی باپ سے بیٹے کو ملنے لگی، اور پچھلے پانچ گروؤں کی حیثیت معلم سے زیادہ فرمانروا کی ہو گئی۔

گرو ارجن نے سکھوں کو متحد رکھنے کے لئے ایک کتاب اور کسی قسم کی منظم حکومت کو ضروری سمجھا۔ چنانچہ گرنتھ کی تدوین انھیں سے منسوب کی جاتی ہے۔ انھوں نے مختلف مقامات کے سکھوں سے ٹیکس وصول کرنے کا ایک باقاعدہ نظام بھی قائم کیا۔ انھیں کی سرکردگی میں امرت سر کا تالاب اور مندر سکھوں کا مقدس مرکز بن گیا۔ وہ پہلے سکھ گرو تھے جنھوں نے دنیوی اقتدار اور مذہبی پیشوائی دونوں کو اپنا نصب العین قرار دیا۔

چھٹے، ساتویں اور آٹھویں گرو کی زندگی کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ نویں گرو تیغ بہادر کی سرگرمیوں نے اورنگ زیب کو اپنی طرف متوجہ کیا، اور اُس نے تیغ بہادر کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ تیغ بہادر جب قید کی زندگی سے عاجز آگئے اور رہائی کی امید باقی نہ رہی تو انھوں نے ایک ساتھی قیدی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ ان کا کام تمام کردے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ مگر اس واقعے سے سکھوں کی سیاسی تحریک بجائے دبنے کے اور ترقی کرنے لگی۔ تیغ بہادر کی موت نے سکھوں کی تاریخ کا ایک نیا باب کھول دیا۔ اب سکھ ایک جنگجو قوم بن گئے۔

تیغ بہادر کے لڑکے گووند سنگھ جو دسویں گرو کی حیثیت سے گدی پر بیٹھے اپنے باپ کی موت کا انتقام لینے کے لئے بیچین تھے۔ انھوں نے مغل سلطنت کو مٹا کر اس کی جگہ ایک مستقل سکھ حکومت قائم کرنے کا منصوبہ سوچا۔ ان کی ولادت اور تربیت پٹنہ میں ہوئی تھی، اور وہ ہندو مذہب کے توہّمات سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ چنانچہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے اپنے پیشرووں کے اصول سے انحراف کر کے درگا دیوی کو مناتے کی بھی کوشش کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ برہمنوں نے اُن سے کہا تھا کہ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوگا جب اپنے بیٹے کی بھینٹ چڑھائی جائے۔ گووند سنگھ اس کے لئے بھی تیار ہو گئے، لیکن لڑکے کی ماں کسی طرح راضی نہ ہوئی۔ مجبوراً اس کے بجائے ایک دوسرے سکھ کو درگا دیوی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھادیا گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ گووند سنگھ ہی نے سکھوں کو ایک جنگجو قوم بنایا۔ اگر پہلے گرو نانک سکھ مت کے بانی تھے تو دسویں گرو، گووند سنگھ، سکھ قومیت کی بنیاد ڈالنے والے تھے۔ ان سے پہلے دوسرے مصلحوں نے بھی مذہبی حیثیت سے ذات پات کی تفریق مٹانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن گووند سنگھ نے اس تفریق کی خرابیوں کو خالص سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھا۔ ان کے خیال میں ہندوؤں پر مسلمانوں اور دوسرے فاتحوں کا غلبہ زیادہ تر اسی تفریق کی پیدا کی ہوئی نا اتفاقی کا نتیجہ تھا۔ اسی لئے انھوں نے اس باب میں ہندوؤں کے شدید تعصبات کے باوجود سکھ فرقے کے تمام افراد میں کامل معاشرتی مساوات کا اعلان کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے اور تدبیریں بھی اپنے پیروؤں کو ایک علیحدہ قوم بنانے کی غرض سے اختیار کیں۔ مثلاً سکھوں کو اپنے نام میں "سنگھ" کے لفظ کا اضافہ کرنے کا حکم دیا جس کے معنی شیر کے ہیں، اور سر پر لمبے بال رکھنا، ہمیشہ تلوار باندھے رہنا، تمبا کو سے پرہیز کرنا، اور بجائے دھوتی کے جانگھیا پہننا ان کے لئے ضروری قرار دیا۔ ان کا نام خالصہ رکھا، یعنی گرو کی مخصوص ملکیت، اور سکھ مت میں داخل ہونے کے لئے بپتسمے کی قسم کی ایک رسم مقرر کی جس کو "پاہل" کہتے ہیں۔ اس رسم کی ادائیگی کے وقت سکھ یعنی چیلے کو حلف لینا پڑتا تھا کہ وہ ان لوگوں سے جو مذہبی حقوق سے محروم کر دئے گئے ہیں میل جول نہ رکھے گا، بت پرستی سے پرہیز کرے گا، گرو کے سوا کسی کے سامنے سر نہ جھکائے گا اور کبھی دشمن کو پیٹھ نہ دکھائے گا۔

گووند سنگھ نے ایک دوسرا گرنتھ بھی تصنیف کیا جسے دسویں گرو کا گرنتھ کہتے ہیں، اور جو پہلے گرنتھ کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کر دیا گیا۔ گرو نانک اور ان کے جانشینوں کے اقوال و احکام جو گرو ارجن نے مرتب کئے تھے۔ زیادہ تر حلم و انکسار اور امن و صلح کی تلقینات پر مشتمل تھے۔ گرو گووند نے اپنے ضمیمے میں آدی گرنتھ کی مذہبی تعلیمات کی تو پیروی کی، لیکن ان کے علاوہ ایسے اقوال اور احکام بھی شامل کر دئے جن کا مقصد سکھوں

میں جنگ جوئی کا جوش پیدا کرنا تھا۔ انھوں نے عمداً صلح کے بجائے جنگ کو ایک مذہبی فریضہ قرار دیا۔

گووند سنگھ مذہبی پیشوا سے بڑھ کر ایک فوجی سردار تھے۔ ان کی زندگی کا بڑا حصہ لڑائیوں میں گزرا۔ لیکن اورنگ زیب کے مقابلے میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ مجبور ہو کر وہ مالوہ چلے گئے اور وہاں اپنے لئے ایک عالی شان عمارت تعمیر کرائی۔ جس کو "دمدمہ" کہتے ہیں۔ یہ مقام بھی سکھ قوم کا مرجع بن گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب کی وفات پر گووند سنگھ نے اس کے جانشین بہادر شاہ کی عنایت حاصل کر لی تھی۔ اور دکن میں ایک فوجی دستے کی سرداری بھی انھیں بادشاہ کی طرف سے مل گئی تھی۔ مگر وہاں کسی پٹھان نے جس سے ان کی ذاتی نزاع تھی۔ انھیں قتل کرنے کی کوشش میں بری طرح زخمی کر دیا، اور چند روز کے بعد انہی زخموں کے صدمے سے نادیر کے مقام پر ۱۷۰۸ء میں ان کی وفات ہو گئی

گرو گووند سنگھ نے اپنا جانشین مقرر کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن وہ خوب جانتے تھے کہ سکھ مت کو ایک مستقل مذہب کی حیثیت سے قائم رکھنے کے لئے اقتدار کی ایک موجود علامت ضروری ہے۔ چنانچہ انھوں نے گرنتھ کو ایک طرح کا مستقل مذہبی گرو قرار دیا، اور اسے ایک شخصیت دے کر "گرنتھ صاحب" کے نام سے موسوم کیا۔ انھوں نے ہدایت کی کہ "میرے بعد تم لوگ ہر جگہ گرنتھ صاحب کو اپنا گرو سمجھو۔ جو کچھ بھی تم پوچھو گے اس کا جواب وہ دیں گے۔"

گرنتھ کے دو حصے ہیں "آدی گرنتھ" یا پہلی کتاب، جس کا احترام عام طور پر کیا جاتا ہے اور دسویں گرو کا گرنتھ، جو سکھوں کے متشدد طبقے میں زیادہ مقبول ہے۔ آدی گرنتھ میں کم از کم پینتیس مختلف اشخاص کے منظوم اقوال اور مقولات درج ہیں۔ ان میں پہلے چھ گرو یعنی گرو نانک، گرو انگد، گرو امرداس، گرو رام داس، گرو ارجن، اور گرو تیغ بہادر بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ چودہ بھگت ہیں، مثلاً رامانند، کبیر، پیپا، روی داس، دھنا، نام دیو،

سورداس وغیرہ، اور پندرہ بھاٹ یا پنڈت ہر دو مدح خواں ہیں۔ یہ بھاٹ گروؤں کی مدح میں قصیدے لکھنے پر مامور تھے۔ اور ان کے یہ قصیدے بھی گرنتھ میں شامل کر دیے گئے ہیں۔

گرنتھ کی زبان قدیم پنجابی سے زیادہ قدیم ہندی سے ملتی جلتی ہے۔ سکھ گروؤں نے اس زبان کو غالباً اس وجہ سے اختیار کیا تھا کہ اس کے ذریعے سے وہ تمام ہندو قوم کو اپنا پیغام پہنچا سکیں گے۔ گرنتھ کا رسم الخط گورمکھی ہے۔

سکھ مت کی بنیاد ایک زبردست مذہبی احساس پر قائم کی گئی تھی۔ لیکن فی الحقیقت یہ اصلاحی تحریک وشنویت یا برہمنیت سے بہت کم مختلف تھی۔ گرنتھ خدا کی وحدانیت کا اعلان کرتی ہے۔ مگر اس کے اندر ذرا عقائد کی تہہ تک پہونچنے کے بعد یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ وحدت ہمہ اوستی خیالات پر مبنی ہے۔ خدا ایک ہی ہے، لیکن وہ اپنے کو ہر جگہ اور ہر چیز میں ظاہر کرتا ہے۔ گرنتھ کے مختلف مقامات سے واضح ہوتا ہے کہ سکھوں نے قادر مطلق کے لیے وشنو، ہری، کرشن، رام، اور گووند کے نام قبول کر لئے ہیں، اور ان مختلف بزرگ شخصیتوں کو جو ان ناموں کی مسمیٰ ہیں خدائے واحد کے مظاہر ماننے کے لئے تیار ہیں۔ وہ بت پرستی کو ممنوع قرار دینے پر فخر کرتے ہیں، مگر انھوں نے خود اپنی مذہبی کتاب (گرنتھ) کو ایک بت کی حیثیت دے رکھی ہے۔ اس کی پرستش حقیقۃً وہ اسی طرح کرتے ہیں۔ جیسے ہندو اپنے بتوں کی۔ اسے لباس پہناتے ہیں، آراستہ کرتے ہیں، پنکھا جھلتے ہیں، رات کو بستر پر سلاتے ہیں، اور اس کے ساتھ بہت کچھ ویسا ہی برتاؤ کرتے ہیں جیسا کرشن کے بتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

سکھ مت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جنگ مذہب کا ایک ناگزیر جزو بنا دی گئی ہے۔ اس مذہبی اصول سے عقیدت ظاہر کرنے کے لئے سکھ اپنے گروؤں کے اسلحے کی بھی پرستش کرتے ہیں۔ مذہباً ہندوؤں سے مختلف ہونے کے باوجود وہ ہندو رسم و رواج کے بھی پابند ہیں، بلکہ اوہام پرستی میں وہ عام ہندوؤں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔

مثلاً گائے یں تقدیس الہی کے وجود کے قائل ہیں۔ گائے کو مار ڈالنا ان کے نزدیک قبیح ترین جرم ہے، اور اس کی سزا موت سے کم نہیں۔ یہ عقیدت گرنتھ کے کسی حکم کے مطابق نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد مسلمانوں کے ذبیحۂ گاؤ کی مخالفت ہے۔ علاوہ بریں وہ ہندوؤں کے آواگون کے عقیدے کو بھی پوری طرح تسلیم کرتے ہیں، اور ان کا اعتقاد ہے کہ وجود کی ۸۴ لاکھ شکلیں ہیں جن سے تمام روحوں کو اپنے اصلی سرچشمے تک پہونچنے سے پہلے گزرنا پڑتا ہے۔

ایک اور خاص خصوصیت اس مذہب کی یہ ہے کہ اس میں گرو کی شخصیت کو غیر معمولی برگزیدگی حاصل ہے۔ ہر معاملے میں، خواہ اس کا تعلق خدا سے ہو خواہ انسان سے گرو کا قول قانون کا حکم رکھتا ہے۔ سکھ یا چیلا بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ گرو ایک قسم کے شربت سے جسے وہ دو دھارے خنجر سے ہلا کر متبرک بناتا ہے اس کو بپتسمہ دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ چیلے کو ہری کے نام کی تلقین ایک مخصوص عبارت میں کرتا ہے، اور اس تلقین کا اثر صرف گرو کی زبان سے ادا ہونے پر موقوف سمجھا جاتا ہے۔ وہ چیلے کو حکم دیتا ہے کہ ہری کے نام کا ورد ہمیشہ جاری رکھے، ہری کی صفات حسنہ سے کبھی غافل نہ ہو، اور اس وقت تک چین نہ لے جب تک اپنی ہستی کو ہری کی ہستی میں فنا نہ کر دے[1]۔

ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ (DR. ERNEST TRUMPP) نے اپنے انگریزی ترجمہ گرنتھ میں جو فاضلانہ تمہیدی مقالات لکھے ہیں ان میں سے تیسرے مقالہ "سکھوں کے مذہب کا خاکہ" کے بعض حصوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

گرو نانک خود کوئی مستقل مفکر نہ تھے، اور نہ انھوں نے علمی اصولوں پر کوئی نظام فلسفہ ترتیب دیا۔ وہ اپنے خیالات غیر مرتب طور پر پیش کرتے تھے۔ جو گرنتھ میں جابجا بکھرے

---

[1] سکھ مذہب سے متعلق یہ تمام معلومات پروفیسر مونیر ولیمس کی کتاب "ہندوستان کی مذہبی فکر اور زندگی"، صفحہ ۱۶۲ لغایت صفحہ ۱۷۳ سے ماخوذ ہیں۔

ہوئے ملتے ہیں۔ تمام بنیادی اُمور میں وہ اس زمانے کے عام ہندو فلسفے کی پیروی کرتے تھے، خصوصاً اپنے پیش رو کبیر کی۔ چنانچہ کبیر کے دوہروں کی ایک بڑی تعداد گرنتھ میں شامل کرلی گئی ہے۔ کبیر کے علاوہ دوسرے مشہور بھگتوں کا کلام بھی گرنتھ میں شامل ہے۔ جو اصول و عقائد گرو نانک نے بیان کر دیئے تھے، بعد کے گروؤں نے اُنہی کو بغیر کسی انحراف یا تجاوز کے قبول کرلیا، اور گرو ارجن نے جب گرنتھ کو مرتب کر دیا تو ان اصول و عقائد پر کبھی شک شبہ نہیں کیا گیا اور گرنتھ ایک مقدس الہامی کتاب بھی جانے لگی۔ دسویں گرو گووند سنگھ نے بہت سی باتوں میں پھر ہندو دھرم کی طرف رجوع کیا، کیونکہ وہ درگا کے خاص پرستار تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ قادرِ مطلق کی وحدت کے بھی ہمیشہ قائل رہے، اور جو بدعتیں انھوں نے جاری کیں ان کا تعلق عقائد سے اتنا نہ تھا جتنا عملی زندگی سے تھا۔

گرو نانک کے عقیدے کی بنا ہستی اعلیٰ کی وحدت تھی، گو ان سے بہت پہلے ہندوؤں کے اکثر فلسفیانہ نظاموں میں یہ تخیل پیش کیا جاچکا تھا اور اسے بھگتوں خصوصاً کبیر نے مقبول عام بنا دیا تھا اُس ہستی اعلیٰ کے مختلف نام ہیں۔ (جو سب کے سب وشنو فرقے کے نظام تسمیہ کے مطابق ہیں) مثلاً برہم، پرمیشور، ہری، رام، گووند وجود فی الحقیقت اسی ہستی کا ہے۔ یہ غیر مخلوق ہے۔ اس کی کوئی انتہا نہیں زمانہ اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ یہ ابدی ہے اس میں تمام صفات موجود ہیں۔ باوجود اس کے یہ صفات سے معرا بھی ہے۔ اسی وجہ سے اس تک رسائی نہیں ہوسکتی۔ یہ ہستی غیر مرئی ہے۔ دیوتاؤں کیلئے بھی ناقابل فہم اور ناقابل بیان ہے۔ یہ تمام چیزوں کی اصل اور بنیاد ہے۔ یہ وہ سرچشمہ ہے جس سے سب جاری ہوئے ہیں۔ یہ علت العلل ہے۔ اس معنی میں اس کو خالق کہتے ہیں۔ لیکن ہمیں اس نام سے غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے، کیونکہ اس سے یہ مراد نہیں کہ کوئی شے عدم سے وجود میں لائی گئی ہے۔ جب اس ہستی مطلق کو خالق کہا جاتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہی توسیع کے ذریعے کثرت اشکال میں ظاہر ہوتی ہے اسی لئے

گرنتھ میں بعض مقامات پر تخلیق کو صاف لفظوں میں توسیع کہا گیا ہے۔ گرو ارجن کہتے ہیں:۔
"وہ خود ہی ایک ہے اور خود ہی متعدد ہے" پھر کہتے ہیں:۔ "اسی مالک سے تمام چیزیں پیدا ہوئی ہیں۔ وہ چاہتا ہے تو توسیع کر دیتا ہے اور چاہتا ہے تو ایک ہی شکل میں رہتا ہے" ہر جگہ اور ہر شے میں وہ ایک جاری و ساری ہے۔ یہ تو مایا ہے جسے اس قادر مطلق نے تمام کائنات میں پھیلا رکھا ہے جس کی وجہ سے مخلوقات اپنے آپ کو انفرادی ہستیاں خیال کرتی ہیں۔ دنیا حقیقت میں اس ہستی مطلق کے کھیل سے زیادہ نہیں جو اپنے کو حسب خواہش کشادہ یا تنگ کرتی رہتی ہے۔ ہری قائم کرتا ہے اور منہدم کرتا ہے زندہ کرتا ہے اور فنا کرتا ہے۔ اس نے دنیاؤں کی ایک غیر محدود تعداد پیدا کی ہے جو کھلونے کی طرح ظاہر اور غائب ہوتی رہتی ہیں۔

ہستی مطلق کی یہ تعریف تمامتر وحدت الوجودی ہے۔ گرنتھ میں وحدت الوجود کی دو قسمیں ملتی ہیں، ایک لطیف اور دوسری غیر لطیف۔ غیر لطیف قسم کی وحدت الوجود کے لحاظ سے ہستی مطلق اور کائنات کی تمام اشیا ایک ہی وجود رکھتی ہیں یہ کائنات اپنی مختلف شکلوں میں اسی ایک کی توسیع ہے برخلاف اس کے لطیف قسم کی وحدت الوجود ہستی مطلق اور غیر مطلق اشیا کے درمیان امتیاز قائم کرتی ہے۔ اور اس کی سرحد خدا پرستی کے عقیدے سے مل جاتی ہے۔ گو خدا اپنی ہی ذات سے تمام اشیا کو پیدا کرتا رہتا ہے۔ تاہم اس کا وجود مخلوقات سے علیحدہ اور جداگانہ رہتا ہے اور وہ مایا سے آلودہ نہیں ہوتا، جس طرح کنول کا پھول تالاب میں رہنے کے باوجود پانی سے ممیز رہتا ہے۔

ہر روح کے متعلق سکھوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جسم انسانی میں داخل ہونے سے پہلے وجود کی چوراسی لاکھ قسموں سے وہ گزر چکی ہوتی ہے۔ اسی لئے انسانی وجود اتنا قیمتی خیال کیا جاتا ہے۔ آخری نجات اسی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ تناسخ ارواح

ہندوؤں کی طرح سکھوں کے نزدیک بھی سب سے بڑی برائی ہے، اور اہم ترین مسئلہ یہی ہے کہ اس سے نجات کیونکر حاصل کی جائے۔ ہندو یا سکھ کا نصب العین جنت نہیں ہے، کیونکہ وہاں وہ ہمیشہ نہیں رہنے پائے گا۔ اس کا نصب العین جیسا کہ بھگتوں اور ان کے پیرو سکھ گروؤں نے سمجھایا ہے، یہ ہے، کہ روح سرچشمہ نور میں تحلیل اور انفرادی وجود مکمل طور پر فنا ہو جائے۔

ہستی اعلیٰ کے متعلق سکھ گروؤں کے ہمہ اوستی عقائد میں اگر کوئی شبہ ممکن ہے تو وہ ان کے عقیدۂ نروان سے زائل ہو جائے گا۔ جب کسی شخصی خدا کا عقیدہ نہیں ہے تو انسان اس سے شخصی رفاقت کا حوصلہ بھی نہیں کر سکتا۔ اس کا مقصود صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اس جوہر مطلق میں تحلیل ہو کر غائب ہو جائے۔ اسی لئے ہم گرنتھ میں کسی آئندہ زندگی کی مسرتوں کا ذکر نہیں پاتے۔ کیونکہ جنت کا وجود گو تسلیم کیا جاتا ہے، تاہم اسے کوئی پسندیدہ شے نہیں سمجھا جاتا۔ روح کے غیر فانی ہونے کی تعلیم صرف اسی حد تک دی جاتی ہے جس حد تک عقیدہ تناسخ کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ لیکن روح جب اپنے اعلیٰ ترین مقصد کو حاصل کر لیتی ہے تو پھر اس کا ذکر نہیں آتا کیونکہ اب وہ بہ حیثیت ایک انفرادی روح کے باقی نہیں رہتی۔

دنیا اور اس کی لذتوں کو ترک کر دینا، پانی کے مقدس گھاٹوں پر غسل کرنا خیرات دینا، یہ سب باتیں نیک کاموں میں شمار کی جاتی ہیں، مگر کامل نجات کے لئے کسی طرح کافی نہیں، کیونکہ ان میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ انانیت کو دور کر سکیں یہ مقصد صرف ہری کے نام سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جو معجزانہ طور پر گناہ کی تمام آلائشوں کو دھو دیتا ہے، آواگون سے نجات دلاتا ہے، اور ہری سے پھر ملا دیتا ہے ہری کا نام نوع انسانی کے درد کی ایک عالمگیر دوا ہے۔ جو اس نام کا ورد رکھتا ہے وہ ایک لمحے میں نجات حاصل کر لیتا ہے۔

ہری کے نام کا ورد چونکہ نجات حاصل کرنے کا لغایہ ایک نہایت آسان ذریعہ ہے اس لئے سکھ گروؤں نے اس خیال سے کہ وہ خود غیر ضروری نہ سمجھ لئے جائیں۔ یہ قید لگا دی کہ یہ نام صرف گرو کی تلقین سے حاصل کیا جا سکتا ہے، اور جو شخص بغیر گرو کی تلقین کے اس کا ورد شروع کر دے گا وہ سخت سزا کا مستوجب ہوگا۔ ہری کا نام صرف سچے گرو سے حاصل کیا جا سکتا ہے، اور گرو اس نام کی تلقین صرف انھیں لوگوں کو کرتا ہے جن کی پیشانی پر ابتدا ہی سے یہ سعادت لکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ نجات عالمگیر نہیں بلکہ محض منتخب اشخاص تک محدود ہے۔ ان کا انتخاب نیک کاموں کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ ہری کی مرضی پر ہوتا ہے جس کے اصولوں کا اشارہ گرنتھ میں کہیں نہیں کیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ منتخب لوگوں کی نجات بھی "کھیل" کی مد میں آجاتی ہے۔ کہیں کہیں یہ چیز بہت صاف لفظوں میں ظاہر کر دی گئی ہے۔ گرو ارجن کہتے ہیں: "اگر مالک کی مرضی ہو تو آدمی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اگر مالک چاہتا ہے تو پتھر کو صلیب بنا دیتا ہے۔ اگر مالک کی مرضی ہو تو وہ گنہگار کو رہائی دے دیتا ہے۔ وہی خود عمل کرتا ہے۔ وہی خود باعث ہوتا ہے۔ اندرونی حاکم کھیل تماشے کرتا رہتا ہے اور وسعت دیتا رہتا ہے جو کام اس کو پسند ہوتا ہے اسے کرا دیتا ہے"

گرنتھ گرو کی تعریف و توصیف سے پُر ہے۔ گرو ہی کامل نجات کے لئے واحد اور بے خطا رہنما ہے۔ وہ ہری اور نوع انسانی کے درمیان ایک شفیع کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بغیر خدا کے دربار میں کوئی بھی مقبول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے چیلے کو بے چون وچرا گرو کے احکام کی تعمیل کرنی چاہیئے اور اپنے جسم و روح کو اس کا مطیع و فرمانبردار بنا دینا چاہیئے، کیونکہ اس کی نجات تمامتر گرو کے رحم و کرم پر موقوف ہے جو کچھ بھی گرو کرتا ہے۔ ہری اس کی تصدیق و توثیق کرتا ہے۔ جیسے گرو ملا دے وہی ہری سے ملا رہتا ہے۔ گرو نجات دلانے کی اتنی وسیع قدرت رکھتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ بڑے بڑے

گنہگاروں کو وہ خود پاک و صاف کر دیتا ہے۔ یہ پاکباز سکھ چیلے بھی اپنے خاندان والوں کی نجات کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہستی الٰہی سے دعا و مناجات کا ذکر گرنتھ میں مشکل سے کہیں ملتا ہے لیکن گرو سے دعا اور مناجات کی تاکید اکثر پائی جاتی ہے۔

سکھ گرو جب بلند مرتبے کے بن گئے اس کا نتیجہ تدریجاً یہ ہوا کہ انھیں خدائی کا رتبہ دے دیا گیا۔ گرو نانک تو اپنا ذکر بہت انکسار کے ساتھ کرتے تھے۔ اور اپنے تئیں جاہل اور تمام گنہگاروں سے ادنیٰ ہونے کا اقرار کرتے تھے، لیکن ان کے جانشینوں نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد اپنے پیرووں کی ذلیل خوشامد سے گرو کی ہستی اور ہستیِ اعلیٰ کو ایک قرار دینا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انسان کو خدائی کا وہ منصب دے دیا گیا جو شاید ہی کہیں سنا بھی گیا ہو۔ جان و مال اور عزت و آبرو گرو پر اس طرح قربان کر دی گئی کہ اس سے ہمارے اخلاقی احساس کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ سکھ قوم کی اخلاقی ترقی کے لیے یہ بڑی خوش نصیبی کی بات تھی کہ دسویں گرو گووند سنگھ کے بعد گرو کا عہدہ ختم کر دیا گیا۔[۱]

سکھوں کی مذہبی کتابیں

سکھوں نے اپنی مذہبی کتابیں جو اردو میں ترجمہ یا تالیف کی ہیں ان کی زبان بھی وہی ہے جسے آج صرف مسلمانوں کی زبان کہا جاتا ہے۔ سکھ مذہب کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب ہے۔ اس کا پورا ترجمہ تو اردو میں اب تک نہیں ہوا ہے، لیکن اس کے اہم حصوں کے متعدد اردو ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ کتب خانوں میں جو ترجمے مل سکے وہ حسبِ ذیل

---

[۱] ترجمہ آدی گرنتھ (انگریزی) از ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ۔ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء تمہیدی مقالہ ۳ ص ۹۷ - ۱۱۱ -

ہیں :-

(۱) " سری آدگرنتھ کا ترجمہ اردو زبان میں، اس ترتیب سے کہ اول اصل با شلوک فارسی خط میں اور پھر اس کی شرح اردو زبان میں" از منشی برج لعل، مطبوعہ گیان پریس گوجرانوالہ۔ ص ۴۴۴ سنہ درج نہیں۔ نسخہ قدیم۔

یہ گرنتھ کے ابتدائی حصے کا ترجمہ ہے۔ ممکن ہے اس سلسلے کی دوسری جلدیں بھی چھپی ہوں مگر وہ دستیاب نہیں ہوئیں۔ اس میں جپ جی، کا جو گرو نانک کی تصنیف ہے، ترجمہ اس طرح کیا ہے :-

" ایک اونکار نام کرتار پورکھ   نربھو نربیر اکال مورت اجونی سے بھن

گورپرشاد

واحد مطلق یا مظہر صفات ثلاثہ یا محض حق یا فاعل کل وہی ذات پاک ہے جو خوف اور عداوت اور موت اور حدوث سے پاک اور جنم اور مرن یعنی تناسخ اور آواگون سے آزاد اور مظہر رحمت مرشدی ہے۔

جپ

آد سچ جوگ آد سچ ہے بھی

سچ نانک ہوسی بھی سچ

ورد کر کہ ازل میں بھی حق تھا اور عالم سفلی سے پہلے بھی حق تھا اور اب بھی وہی حق ہے اور اے نانک آئندہ بھی وہی حق ہوگا۔"

(۲) عطر روحانی۔ ترجمہ جپ جی صاحب۔ از سردار عطر سنگھ۔ مطبوعہ گیان پریس گوجرانوالہ۔ ۱۹۰۸ء۔ ص ۴۰۔ دیباچے کا ایک اقتباس جس سے کتاب پر روشنی پڑتی ہے حسب ذیل ہے :-

" جپ لفظ ہندی ہے کہ جس کے معنی یاد کرنا بہ تکرار کا ہے جپ لفظ

کے آخر جی لفظ واسطے تعظیم بزرگ عبارت کے لگایا گیا ہے، اور اکثر سکھ لوگ تصنیفات گرو صاحب کے سبب سے جپ جی صاحب کہتے ہیں۔ یہ جپ جی تصنیف گرو نانک صاحب کی ہے جو پہلے وقتوں میں ان کی تصنیف ہوئی ہے۔ اور پوڑی نام ایک منزل کا ہے جس کا وزن ایک علیحدہ طور پر ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان پوڑیوں کے پڑھنے سے آدمی پرمیشر کی درگاہ میں پہونچ سکتا ہے۔ یعنی یہ درگاہ باری تعالیٰ کی سیڑھی ہے۔ اس میں عبارت نظم پوڑی نام سے ہے۔ زبان پرانی ہندی ہے اور عربی و سنسکرت رلی ملی ہے، اور بہت سے لفظ مختلف اپنے ڈھنگ پر مصنف نے تحریر کئے ہیں۔ اکثر ایسی عبارتوں کا پرانے زاہدوں میں صرف ونحو کے قاعدے پر کچھ خیال نہیں کیا جاتا تھا، بہ سبب اس کے کہ ذات پاک میں ہر وقت محو رہتے تھے جس وقت گرو نانک صاحب چاہتے تھے تصنیف کر لیتے تھے۔ جیسا کہ مختلف وقتوں میں سوال کرنے سے جواب دیتے تھے اس کو گرو صاحب کے چیلے لکھ چھوڑتے تھے۔ گرو انگد جو جانشین گرو صاحب کا تھا۔ اس نے گرو صاحب موصوف کی تصنیفوں سے منتخب کر کے اڑتالیس[۳۹] پوڑئیں ایک جگہ لکھیں اور بعدہ چالیسواں ایک شلوک اس میں درج کیا۔ سوال و جواب سدھوں کا (فقیروں میں کراماتی ہیں کہ جن کو آئندہ کا کل حال واضح ہوتا ہے اور جو وہ چاہتے ہیں سو کر سکتے ہیں) سلسلہ وار بنا کر پوڑیوں میں قائم کیا، اور ان پوڑیوں کو مردانہ ربابی گاتا تھا اور بجاتا تھا، اور ان میں مطلب خدا کو واحد جاننا اور مالک جاننا اور بے انت جاننا ہے اور ان کا مدعا گمراہ دنیا کو عبادت کا سیدھا راستہ تبلانے کا تھا...» (ص ۳)

ترجمے اور شرح کا نمونہ یہ ہے :۔

" پوڑی ۱ ۔ قیاس سے وہ عقل میں نہیں آسکتا اگرچہ لاکھ بار ہی قیاس کیا جائے ، اور خاموشی سے اس کی اصلیت کو نہیں پہچانا جاتا۔ اگرچہ آنکھ موند کر چپ ہو کر برابر بیٹھے رہیں۔ جس طرح خواہش مند کی خواہش نہیں ہٹتی اگرچہ ساتوں پوڑیوں کی حشمت کی بہار باندھیں ، ہزار ہا دانائیاں بلکہ لاکھ ہا بھی ہوں مگر ہر مشیر کی شناخت میں ایک بھی مدد نہیں کر سکتی ۔ پھر خدا کی تحقیق میں ہم کیسے سچے ہو سکتے ہیں اور کس طرح دروغ یعنی اگیان کی دیوار کو توڑ سکتے ہیں ۔ اس لئے ہم یہی کہتے ہیں کہ جو اس کے حکم ہیں اور اس کی مرضی ہے اس میں ہم کو چلنا چاہئے۔" (ص ۵)

(۳) جپ پرمارتھ :۔ مطبوعہ گیان پریس، گوجرانوالہ۔ مترجم کا نام اور سنہ طباعت درج نہیں۔ نسخہ بہت پرانا معلوم ہوتا ہے۔ ص ۳۲ ۔ متن کی ہر سطر کے نیچے اردو ترجمہ لکھا گیا ہے۔

(۴) جپ جی صاحب مشرح :۔ سرورق اور آخری ورق غائب۔ اس لئے مترجم کا نام ، مطبع اور سنہ طباعت معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ " مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات "، کے آخری اور " نعت سری گرو نانک جی "، کے پہلے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم و شارح کا تخلص مشرقی ہے ۔ مناجات کے خاتمے پر کہتا ہے ؎

مرا انجام ہو باخیر و خوبی دعا ہر دم یہی ہے مشرقی کی

مترجم کو نظم و نثر دونوں پر قدرت حاصل ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے:۔

" در نعت سری گورو نانک جی نرنکاری، مقبول بارگاہ باری

پس از حمد دارائے لوح و قلم کرے مشرقی نعت نانک رقم
ضلالت پہ جب سب نے باندھی کمر لگے پوجنے لوگ شمس و قمر

زیادہ ہوا کذب، کم راستی لگی پھیلنے گمرہی اور کجی

کیا ترک جب دھرم سنسار نے تو نانک کو بھیجا نرنکار نے
مہاراج حامی شرع متیں شہنشاہ ملت، شہنشاہ دیں
امام الرسل، قدوۃ الانبیا شفیع الامم، زبدۃ الاصفیا
سر سروراں، سرور مقبلاں شہ عارفاں، مرشد کاملاں (ص ۱۰-۱۱)

"پوڑی دو از دہم

" طالب حق نے سوال کیا کہ جس پاک نام کے سننے میں اس قدر فوائد ہیں تو اس کے ماننے یعنی اس پر یقین کرنے کے فوائد تو بے شمار ہی ہوں گے۔ اس کے جواب میں گورو جی فرماتے ہیں سہ

منے کی گت کہی نہ جائے ـــــــ جس کو میں نے دل میں مانا ہے اس کی قدرت بیان نہیں ہو سکتی۔

شرح :۔ یعنی خداوند پاک کی قدرت اور ماہیت بیان نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ لاانتہا ہے اور بیان کرنے والا محدود۔ سہ

نہ بر اوج ذاتش پرد مرغ وہم نہ در ذیل وصفش رسد دست فہم
نہ ادراک در کنہ ذاتش رسد نہ فکرت بغور صفاتش رسد
دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار کہ پیدا نہ شد تختۂ بر کنار

یا اس طرح معنی ہو سکتے ہیں کہ سرون کی کیفیت تو وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی، منن کی کیفیت اس سے بڑھ کر ہے کہ جس کا پورا پورا حال بیان ہونا محال ہے۔ یعنی اس میں سرون سے بڑھ کر فوائد ہیں۔

جے کو کہے پچھے پچھتائے ـــــــ اگر کوئی اس کو بیان کرے تو آخر

پشیمان ہو۔
شرح۔ یعنی جو شخص خداوند کی قدرت کا حال بیان کرے گا۔ آخر عاجز ہو کر پشیمان ہوگا، یا ان کے من کی کیفیت کے بیان کرنے سے قاصر رہ کر نادم ہوگا۔ ؎

کہ خاصاں دریں رہ فرس رانده اند	بہ لا احصی از تک فرومانده اند
نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن	کہ جاہا سپر باید انداختن"

(ص ۹۰۔۹۱)

(۵) جپ جی صاحب سٹیک :۔ از منی سنگھ۔ سرورق غائب شرح کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے۔
"جب سری گورونانک دیوجی کاگ بھنڈ سے بحث مباحثہ کرکے سمیر پہاڑ پر گورکھ ناتھ کے مکان تشریف لائے تو اس جگہ سدھاں نے کہا کہ آپ کون ہیں اور اس جگہ کس طرح آئے ہیں، تو گورونانک دیوجی نے فرمایا۔
ایک اونکار۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نانک ہوسی بھی سچ
ارتھ یعنی ترجمہ
ایک اونکار جس کو برہم کہتے ہیں، جب اس نے چاہا کہ میں ایک سے انیک یعنی بہت ہو جاؤں تو اس وقت مایا پیدا ہوئی۔ اس مایا سے تین دیوتے پیدا ہوئے تو پھر سدھوں نے کہا۔
سوال سدھاں :۔ اس اکال پورکھ کا نام کیا ہے؟
جواب گوروصاحب :۔ ست نام یعنی اس کا نام سچ ہے۔ کرتا پورکھ اس دنیا کا پیدا کرنے والا ہے۔ نربھو، اس کو کسی کا ڈر نہیں۔ نرویر،

یعنی کوئی اس کا دشمن نہیں۔ اکال مورت، یعنی ہمیشہ زندہ، اجونی، اجونی سے بھنگ، یعنی جنم مرن سے رہت ہے۔" (ص ۴-۵)

(۶) **پوتھی پنج گرنتھی** :۔ ترجمہ و شرح از بھائی دیارام عاکف، مترجم جنم ساکھی اردو۔ پریس کا نام اور سنہ طباعت درج نہیں۔ ص ۴۴۶۔

اس مجموعے میں گرنتھ صاحب کے مندرجہ ذیل حصے شامل ہیں:۔

(۱) جپ جی۔ (۲) رہ راس۔ (۳) اونکار۔ (۴) سدھ گوسٹ۔ (۵) آننـد۔ (۶) باون اکھری (۷) سکھمنی (۸) آسا دی وار۔

نمونے کے طور پر اونکار اور آسا دی وار کا ایک ایک ٹکڑا یہاں نقل کیا جاتا ہے جس سے ترجمے کی زبان اور کتاب کی شرح کا اندازہ ہو جائے گا۔

اونکار۔ "ارتھ۔ نام حق کا ایک جوہر بے بہا ہے۔ اس کا جپ کرنا خلاصۂ کلام ہے اور یہی نفع ہے۔ حرص و ہوا اور غرور بُرا ہے۔ مدح اور مذمت کرنا بے اعتباری ہے۔ نفس امارہ کا گرفتار جو منمکھ ہے۔ وہ دل کا اندھا بیوقوف اور گنوار ہے۔ آدمی دنیا میں نفع کمانے کے لئے آیا ہے لیکن افسوس کہ وہ مزدور ہو کر ٹھگوں سے ٹھگ لیا گیا ہے۔ یقین سرمایہ ہے۔ اور نام الٰہی کا ورد نفع ہے۔ گورو صاحب فرماتے ہیں کہ سچے پات شاہ کے حضور سچی عزت اسی طریقے سے حاصل ہو سکتی ہے"

(ص ۹۹-۱۰۰)

آسا دی وار:۔ "(آسا ایک راگ ہے جو صبح کے وقت گایا جاتا ہے۔ یہ کلام اس راگ میں گایا جاتا ہے)"

محلہ ۱

"ارتھ۔ برہمن پستک (پوتھیاں) پڑھتے ہیں، سندھیا کرتے

ہیں، اور بحث مباحثہ میں وقت رائیگاں کھوتے ہیں، تھر پوجتے ہیں، بگلا
کی طرح سمادھ لگاتے ہیں، منھ سے ایسا جھوٹ بولتے ہیں کہ لوہے کو
زیور کی طرح ثابت کر دیتے ہیں۔ گایتری منتر کو تین وقت (صبح، دوپہر
شام) بچار کرتے اور پڑھتے ہیں۔ گلے میں موٹے دانوں کی مالا پہنتے ہیں
اور ماتھے پر تلک لگاتے ہیں۔ دو دھوتیاں رکھتے ہیں اور پوجا کے
وقت پیشانی پر کپڑا ڈالتے ہیں۔ لیکن جو فی الاصل برہمن کے فرائض
کو جانتا ہے۔ اس کے نزدیک بالیقین یہ حرکات وافعال سب
بے فائدہ محض ہیں۔ گورو صاحب فرماتے ہیں کہ ٹھیک عمل تو یہ ہے
کہ دلی یقین سے نام الٰہی کا ورد کرے۔ لیکن سوائے ہادی برحق
کے راستہ نہیں پا سکتا۔" (ص ۴۴۴)

پوتھی جپ جی سٹیک اور پوتھی سکھ منی سٹیک مترجمہ بھائی دیارام عاکف علیحدہ جلدوں میں بھی ہندوستان پریس، لاہور، اور نول کشور پریس، لاہور سے شائع ہوئی ہیں۔

(۷) شری جپ جی صاحب سٹیک: ٹیکا سوامی مترسین جی رام متر، ہندوستان پریس لاہور۔ بار چہارم ۱۹۲ ؁ء (کاتب نے سنہ کا ایک ہندسہ سہواً چھوڑ دیا ہے) ص ۱۱۹۔

اس شرح کی زبان میں ہندی الفاظ زیادہ پائے جاتے ہیں۔ مثلاً پوڑی ۱۳ کی شرح یوں لکھی ہے:۔

"منن کرنے سے من اور بدھی سرت یا گیان والی ہو جاوے۔ یعنی من اور بدھی میں روشنی اور پرکاش آجاتا ہے۔ من سے سب جگت اپنی سدھ یا اپنے گیان میں آجاتا ہے۔ مطلب یہ کہ پھر اپنے میں مورکھتا یا بےخبری

نہیں رہتی، بلکہ ایک طرح پرز سب گیان روپ ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص منہ سے کچھ نہیں نکلتا کہ میں نہیں جانتا۔ مانو اس میں بس جانا ہی ہو جاتا ہے۔ اور من سے منہ پر چوٹیں نہیں کھاتا اور کسی کی طرف سے شرمندہ نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں کسی طرح کی خواہش یا ترشنا باقی نہیں رہتی جو انسان کو نیچا دکھانے والی ہوتی ہے اور اس کو سب طرف سے کمی میں رکھتی ہے......" (ص ۲۰-۲۱)

(۸) پوتھی سکھمنی صاحب:۔ ترجمہ و شرح از سوامی منترسین جی۔ مطبوعہ پریم بلاس پریس، گوجرانوالہ سنہ درج نہیں۔ ص ۲۰۰۔ سرورق پر یہ عبارت درج ہے:۔

"یہ ٹیکا ماہواری رسالہ پریم بلاس میں کئی سال سے سلسلہ مضمون کے طور پر شائع ہوتا تھا۔"

عبارت کا طرز وہی ہے جو مترجم کی شرح جپ جی کا ہے۔

(۹) آسا دی وار:۔ ترجمہ و شرح از سوامی منترسین جی۔ گردھرا سٹیم پریس لاہور، ۱۹۲۵ء۔ ص ۱۵۸۔

یہ رسالہ پریم بلاس بابت نومبر ۱۹۲۲ء لغایت ستمبر ۱۹۲۵ء کے نمبروں کا مجموعہ ہے جس میں آسا دی وار کی شرح چھپی ہے۔

(۱۰) پوتھی اونکار:۔ ترجمہ و شرح از سوامی منترسین جی۔ کرشنا اسٹیم پریس، گوجرانوالہ ۱۹۲۷ء ص ۱۱۶۔

(۱۱) پوتھی رہراس۔ ترجمہ و شرح از سوامی منترسین جی۔ گردھرا سٹیم پریس لاہور ۱۹۲۳ء ص ۱۲۸۔

(۱۲) مضامین خالصہ دھرم پر۔ مصنفہ بھائی دیا سنگھ ۱۸۸۹ء مطبع کا نام درج نہیں۔ ص ۱۵۸۔

اس کتاب میں سکھ مت کی تعلیمات پر مختصر مضامین ہیں۔ مثلاً :۔

"انسان کی پوجا وسمرن"

"جیسا کہ خالصہ دھرم میں پیغمبروں اور اوتاروں کی پوجا بالکل نہیں ہے بلکہ ایک ہی مالک حقیقی کی پرستش جائز ہے، ایسا ہی کسی انسان کی پوجا بھی واجب نہیں ہے۔ چنانچہ گورو ارجن جی مہاراج فرماتے ہیں (عبارت گورمکھی)۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے پرماتما کا جس کا کبھی ناش نہیں ہوتا ہے اور جو غیر فانی ہے، دل میں دھارن کرنا چاہئے۔ آدمی کے فانی پاؤں کو نہیں پوجنا چاہئے، یا اس کا سُمرن نہیں کرنا چاہئے۔ اور سب سے بڑھ کر پریم بھی اسی پُرش کے ساتھ کرنا چاہئے جو ہمیشہ اٹل ہے اور ایک رس ہے۔" (ص ۱۹)

(۱۳) سکھ مت کی تعلیم کا سلسلہ :۔ از کنور دلجیت سنگھ بسرورق غائب ج ن ۱۶ "اخلاق" کے عنوان سے لکھتے ہیں :۔

"زہر (کی مانند چیزوں میں) کیوں لگ رہا ہے۔ ذرا بھی (ان سے) اداس نہیں ہوتا۔ سری گروصاحب فرماتے ہیں۔ اے من ہری کو بھج (تا کہ) جم کی پھانسی نہ پڑے۔

سری گروصاحب دنیاوی عیش، نفسانی بھوگ، اور دنیا کی ترقی وغیرہ کو انسان کے لئے زہر کی مانند خیال کرتے ہیں۔ ان باتوں کا شروع میں کبھی خیال بھی نہیں آتا۔ قاعدہ ہے کہ جب انسان جوانی کے عیش بھوگ لیتا ہے، دنیاوی ترقی کے لئے جدوجہد کر لیتا ہے، جوش جوانی میں ہر قسم کے گناہ وثواب کر لیتا ہے، کبھی اس کے بعد کسی صدمے کے گزرنے اور بوڑھاپے کے قریب آجانے سے اسے آخرت کی فکر

ہوتی ہے۔ اس کی طبیعت جو پہلے عیش کی طرف جاتی تھی، اب عاقبت کے خیال میں محو رہتی ہے۔ جہاں آگے کوئی گناہ کرتا اور اپنے ضمیر کا خون کر دینا معمولی بات تھی، اب اُسے اس سے ڈر آنے لگتا ہے۔ جہاں آگے رات دن عیش و عشرت اور بے فکری میں گزرتا تھا، اب موت کا سامنا رہنے لگا . . . . گویا زندگی کی رفتار کا رخ پلٹ جاتا ہے۔"

(ص ۳۷، ۳۸)

(۱۴) دھرم بچار:۔ از جواہر سنگھ کپور۔ مطبع اسلامی، لاہور۔ ۱۸۹۹ء۔ ص ۱۱۸۔

یہ سکھ مذہب کی تعلیمات پر ایک لیکچر ہے۔ جو بھائی جواہر سنگھ کپور نے سری گورد سنگھ سبھا، فیروز پور، کے سالانہ اجلاس منعقدہ اپریل ۱۸۹۹ء میں پڑھا تھا۔

(۱۵) پوتھی شبدنا دیں محل:۔ از سوامی تیجا سنگھ۔ مطبوعہ ہندوستان پریس لاہور۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۱۴۔

عبارت میں ہندی کے الفاظ زیادہ ہیں۔ گو ساتھ ساتھ عربی فارسی کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔

(۱۶) پھول پٹاری اردو:۔ مصنفہ بابا برج بلّب سنگھ بیدی۔ مفید عام پریس لاہور۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۸۰۔

یہ مختصر کتاب عارفانہ مضامین پر مشتمل ہے جو نظم و نثر دونوں میں بیان کیے گئے ہیں نظم کا حصہ زیادہ ہے "وحدت اور کثرت"، کے زیرِ عنوان بیدی صاحب لکھتے ہیں:۔

" پروانہ ذات کا عاشق ہے، صفات کا نہیں ہے، کیونکہ نور ذات ہے، صفات نہیں۔ صفت گرمی اور سردی ہے اور نور میں یہ دونوں طاقتیں ہیں۔ مگر نور دونوں میں نور ہے، خواہ سورج میں گرم ہے اور چاند میں ٹھنڈا۔

میں تیری ذات کو دیکھتا ہوں جو نور ہے اور گنہگاروں کو ظلمت کدہ سے
نکالنے والا ہے۔ پروانہ نے اس لذت کو حاصل کر پایا۔ مجھے تیرے حسن
کی ضیا بتا رہی ہے کہ میری جائے تسکین اگر کوئی ہے تو تُو ہے۔
وحدت کا مزہ تب آتا ہے جب دل کثرت کے راز سے آگاہ ہو۔ میری
نگاہ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کا نظارہ دیکھ رہی ہے
اور یہ سر درہے کہ عالموں کو ورثہ میں نہیں آتا۔
میں صرف الفت کے حقیقی معنی جاننے کا طالب ہوں جس کا سرچشمہ
تو ہے۔ تو مجھے اپنی الفت عنایت کر۔ اپنی تیارگی دے کہ میرا دل
ہمیشہ تیرے سجدہ میں پڑا رہے۔"

(۱۷) جنم ساکھی، بھائی بالا والی۔ مترجمہ بھائی دیا رام عاکف۔ آزاد ہند پریس، لاہور۔ بار سویم ۱۹۹۶ء بکرمی۔ ص ۷۶،۷۷

یہ گرو نانک کی ضخیم سوانح عمری ہے جسے ان کے جانشین گرو انگد نے گرو نانک کے ایک رفیق بھائی بالا سے معلومات حاصل کر کے قلم بند کرایا تھا۔ سکھوں میں یہ کتاب نہایت مقبول ہے۔ لیکن اس میں جس قسم کی روایتیں درج ہیں۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ہو سکتا ہے۔

"کابل کی مسجد"

"کابل کی مسجد میں جا بیٹھے۔ ملّاں نے کہا تم ہندو نظر آتے ہو اور یہ مسجد
قاضی صاحب کی ہے۔
گورو صاحب:۔ تو پھر کیا ہوا۔ ہم تو اسی میں بیٹھیں گے۔
وہ ملّاں ضد اور تعصب سے گورو صاحب کو اٹھانا چاہتا تھا، لیکن
آپ نہ اٹھتے تھے۔ آخر کار گورو صاحب نے فرمایا۔ مُلاں جی، اس قدر

غرور کیوں کرتے ہو۔ کیا مسجد کو قابو میں رکھ سکو گے ؟

ملّا صاحب :۔ میری مسجد کون اٹھالے جائے گا ؟

گورو صاحب واہگورو کا نام لیکر مسجد پر سوار ہو گئے اور اس کو شہر کابل کی چاروں طرف دوڑایا۔ یہ تماشا دیکھ کر سب لوگ حیران ہو گئے۔ اتنے میں قاضی صاحب بھی آ گئے۔ دیکھا کہ مسجد دوڑ رہی ہے۔ قاضی صاحب نے اپنے دل میں کہا۔ یا خدا، یہ تو کوئی بڑا اولیا ہے، یا کوئی اہل کرامات پیر ہے یا اس زمانہ کا پیغمبر ہے۔ پھر تو سب لوگوں کو ساتھ لیکر قاضی صاحب نے دست بستہ عرض کی۔ اے اللہ کے ولی، اُس خدا کے لئے جس نے آپ کو پیدا کیا ہے۔ مسجد کو کھڑا کرو۔ گورو صاحب نے مسجد کو چلنے سے ٹھہرایا۔ ہندو اور مسلمان سب آپ کے پاؤں پر گر پڑے ۔

گورو صاحب نے مسلمانوں کو بایاں پاؤں اور ہندوؤں کو دایاں پاؤں پوجنے کی ہدایت کی۔ ہندو اور مسلمان دونوں مل کر گورو صاحب کی پوجا کرنے لگے ...." (ص ۸۵ - ۸۴)

تقریباً ساری کتاب اسی طرح کی روایتوں سے پُر ہے۔

(۱۸) **گورو نانک درشن** :۔ از پنڈی داس قمر۔ مطبوعہ لکشمی آرٹ اسٹیم پریس، راولپنڈی ۱۹۲۴ء ص ۱۱۲۔

یہ گرو نانک کی منظوم سوانح عمری ہے۔ شاعرانہ نکتہ سنجی کے لئے اشعار ذیل ملاحظہ ہوں

گورو نانک درشن

گاف سے گلزار وحدت کا گل یکتا ہے تو	واو سے وحدت پرستی کے لئے آیا ہے تو
رے سے رہبر گمرہوں کا اے گورو بابا ہی تو	واو سے وصل خدا کا راستہ سیدھا ہے تو

شکریہ ہم ایسے محسن کا ادا کیوں کر کریں — جاں کو صدقے، دل کو قرباں، سر کو ہم بے سر کریں
نون سے ہے نور پھیلا اک جہاں میں چار سو — ہے الف سے اس احد کا ذکر جاری کو بہ کو
نون سے ہے نامرادوں کی بر آئی آرزو — کاف سے کامل ہے ذات نیک طینت نیک خو

ہے بزرگی کا نشاں نانک کے اک اک حرف میں
دونوں عالم کی بڑائی بھر گئی اس ظرف میں (ص ۱۵)

(۱۹) نانک پرکاش :۔ مولفہ گورمکھ سنگھ۔ مطبع آفتاب پنجاب۔ لاہور ۱۸۸۲ء ص ۴۸۰۔ اس کتاب میں گرو نانک کی تعلیمات شرح و بسط کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

(۲۰) گورو ارجن مہاراج کی سوانح عمری " جسے ایک گورو کے سکھ نے بڑی بھگتی سے بنایا "، مطبوعہ نول کشور پریس، لاہور ۱۹۰۳ء۔ ص ۷۸۔

(۲۱) سچا بلی دان " شری گورو تیغ بہادر جی کی دھرم پر قربانی "، مرتبہ گوپال سنگھ آنند پرکاش پریس، امرت سر ۱۸۹۵ء۔ ص ۳۶۔

(۲۲) گورو گووند سنگھ جی کا جیون چرتر :۔ مرتبہ دولت رائے۔ رفاہ عام پریس، لاہور، ۱۹۰۱ء ص ۲۹۶۔

(۲۳) سوانح عمری شری گورو گوبند سنگھ دہم بادشاہ :۔ مرتبہ لکھن سنگھ۔ پنجاب پریس، لاہور۔ ص ۶۵۔

(۲۴) سکھوں کا روحانی انقلاب :۔ مولفہ لاکھا سنگھ۔ کریمی پریس، لاہور ۱۹۲۳ء ص ۹۶۔ اس کتاب کا مقصد سکھوں میں مذہبی بیداری پیدا کرنا ہے۔ دیباچے میں لکھتے ہیں :۔

" دنیا کے مختلف ممالک میں آئے دن سیاسی انقلاب ہوتے رہتے ہیں اور کشت و خون کے دریا بہہ نکلتے ہیں۔ مگر آج ہم تاریخ ہند کے جس جذبۂ روحانی انقلاب کا ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ خالص مذہبی انقلاب ہے۔

جس میں سیاسیات کو کوئی دخل نہیں۔ برسوں خواب غفلت میں سونے
والے سکھ آج ست گورو کے حکم سے بیدار ہو رہے ہیں، اور اپنی
دھارمک کمزوریوں کو ایک روحانی انقلاب کی صورت میں بسرعت
تمام بدل رہے ہیں۔"

(۲۵) تاریخ دربار صاحب امرت سر:۔ مرتبہ سردار اُدھم سنگھ۔ خادم التعلیم
اسٹیم پریس، لاہور، ۱۹۲۰ء۔ ص ۱۱۸۔

" اس کتاب میں دربار صاحب کے مفصل تاریخی حالات، عمارت کی خوبی
مصالحہ کی تفصیل، طلائی اور نقرئی جوڑیاں، مندر کی گلکاری، اور قیمتی
پتھروں کے تاریخی حالات بڑی کوشش سے سردار ادھم سنگھ صاحب
نے لکھے ہیں۔"

عیسائی مذہب

عیسائی مذہب کے عقائد "صلوٰت الجماعت کی کتاب" (مطبوعہ چرچ مشن پریس، کلکتہ، ۱۸۲۳ء) میں تصریح کے ساتھ ۳۹ دفعات میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ عقائد کلیسائے انگلستان و آئرستان کے مطابق ہیں، جیسا کہ ان کی تمہید میں لکھا ہے:۔

"عقائد جس پر کہ دونوں جگہوں کے اساقفہ اور اسقف الاساقفہ اور سارے علمائے دین اس مجلس میں جو کہ ۱۵۶۲ء میں لندن میں جمع تھی متفق ہوئے کہ آراء کے اختلاف کو دور کریں اور دین صادق میں اتفاق پیدا کریں۔"

ان میں سے بعض عقائد حسب ذیل ہیں:۔

(۱)

"ایمان تثلیث مقدس کے بیان میں"

"ایک ہی حی و حق خدا ہے۔ وہ قدیم ہے، اور وہ بے جسم اور اجزا اور ہوا و حرص کے، ساتھ اقتدار و حکمت و نکوئی غیر متناہی کے ہے۔ وہ خالق اور حافظ سب مرئی اور غیر مرئی چیزوں کا ہے۔ اور اس وحدت الوہیت میں تین فرد ایک ہی ماہیت و قدرت و قدامت کے ہیں، یعنی باپ اور

۱۲

بیٹا اور روح القدس۔،،

(۲)

"بیان میں کلمہ یعنی خدا کے بیٹے کے جو کہ الحق انسان بنا"

"بیٹا جو کلمہ باپ کا ہے اور ازل سے باپ سے ظاہر ہوا بعینہ قدیم خدا ہے اور ایک ہی ماہیت باپ کی سے ہے۔ اس نے ماہیت بشری کو متبرک ... بطن میں اس کی ذات سے اپنے پر لیا۔ سو اب بالکل بکمل دونوں ماہیت یعنی الوہیت اور انسانیت باہم ایک شخص میں ممزوج ہوئیں (جو کہ ہرگز علیحدہ نہ ہوں گی) کہ جن کا ایک مسیح ہوا، عین خدا اور عین انسان۔ فی الحقیقت اس نے رنج اٹھایا اور صلیب پر کھینچا گیا اور مرگیا اور مدفون ہوا تاکہ ہم کو باپ سے پھر ملائے، اور نہ فقط گناہ جبلی کے لئے بلکہ آدمیوں کے اعمال کے گناہ کے لئے بھی قربان ہوا،،

(۳)

"مسیح کے عالم ارواح میں جانے کے بیان میں"

"جیسے کہ مسیح ہمارے لئے موا اور مدفون ہوا۔ ایسے ہی اعتقاد فرض ہے کہ وہ عالم ارواح میں گیا،،

(۴)

مسیح کے حشر کے بیان میں

"مسیح مرنے کے بعد صدقاً پھر اٹھا اور پھر اپنے قالب میں گوشت اور استخواں اور دوسری چیزوں کے ساتھ جو انسان کی عین ماہیت سے متعلق ہیں در آیا، اور اسی شکل پہ اس نے عرش پر صعود کیا، اور

وہاں جب تک کہ روز آخر کو آدمیوں کے محاسبے کے لئے پھر آئے بیٹھا ہے"

(۵)

"روح القدس کے بیان میں"

"روح القدس باپ اور بیٹے سے نکلتا ہے۔ ایک ہی ماہیت اور مرتبہ اور جلال باپ اور بیٹے کے ساتھ رکھتا ہے، اور حق اور قدیم خدا ہے۔"

- -

مندرجہ بالا عقائد پروٹسٹنٹ چرچ کے ہیں۔ کیتھولک چرچ کی طرف سے دین مسیحی کے اصول مختصر طور پر یوں بیان کئے گئے ہیں [۱]:-

"مسیحی دین کے مختصر اصول"

دیباچہ

"رب الافواج تم سے کہتا ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی اور نوکر اپنے آقا کی تعظیم کرتا ہے۔ پر اگر میں باپ ہوں تو میری عزت کہاں؟۔ اور آقا ہوں تو میرا خوف کہاں؟" (ملاکی نبی کا قول)

"بے شک خدا ہمارا مالک ہے۔ مگر کیا ہم اُسے اپنا باپ بھی کہہ سکتے ہیں؟ کیا وہ ہم کو ایسی ہی شفقت اور محبت اور ہمدردی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ جیسے باپ اپنے بیٹوں کو؟۔ البتہ۔ اس نے خود ایسا فرمایا ہے، بلکہ باپ کے نام سے اپنے لئے دعا مانگنی سکھائی یہ دعا جو خداوند مسیح کی زبانی سکھائی گئی۔ بائبل شریف (یعنی کتاب مقدس) میں پائی جاتی ہے۔ اور چونکہ خدا ہمارا مالک بھی ہے۔ اس لئے اسی کتاب میں اس کے دس احکام بھی پائے جاتے ہیں جو موسیٰؑ کے معرفت اُترے

---

[۱] مسیحی دین کے مختصر اصول، مطبوعہ انوار ہند پریس، لاہور، یہ چار صفحوں کا ایک مختصر رسالہ ہے۔

ان حکموں کی رو سے جب ہم انھیں پورے طور پر سمجھیں تو تمام نبی آدم خدا کے قصوروار ٹھیرتے ہیں۔ مگر بائبل میں بھی ذکر ہے کہ آدمیوں کو گناہ سے چھڑانے کے لئے ہمارے خدا نے اپنے عزیز بیٹے یسوع مسیح کو بھیجا اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کو پاک بنانے کے لئے خدا اپنی پاک روح بھی بھیجتا ہے۔ ان باتوں (یعنی انجیل کی تعلیم) کا خلاصہ مسیحی کلیسیا (یا جماعت) کے عقیدے میں مندرج ہے۔ پس یہ عقیدہ اور دس حکم یہاں چھپ گئے ہیں تاکہ محقق لوگ آسانی سے معلوم کر سکیں کہ مسیحی دین کا خلاصہ کیا ہے......"

خدا کے دس حکم

(۱) میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہو۔

(۲) تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں، اور باپ دادوں کی بدکاریاں ان کی اولاد پر جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں تیسری اور چوتھی پشت تک پہونچاتا ہوں، اور ان میں سے ہزاروں پر جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں۔ اور میرے حکموں کو مانتے ہیں رحم کرتا ہوں۔

(۳) تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ مت لے۔ کیونکہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اُسے بے گناہ نہ ٹھیرائے گا۔

(۴) تو سبت کا دن پاک رکھنے کے لئے یاد رکھ۔ چھ دن تک تو محنت کر کے سارے کام کاج کر۔ لیکن ساتواں دن خداوند تیرے خدا کا سبت ہے۔ اس میں کچھ کام نہ کر، نہ تو نہ تیرا بیٹا نہ تیری بیٹی نہ تیرا غلام نہ تیری لونڈی۔ نہ تیرے مواشی اور نہ تیرا مسافر جو تیرے

پھاٹکوں کے اندر ہو۔ کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین، دریا اور سب کچھ جو اُن میں ہے بنایا اور ساتویں دن آرام کیا اس لئے خداوند نے سبت کے دن کو برکت دی اور اسے مقدس ٹھیرایا۔

(۵) تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تاکہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔

(۶) تو خون مت کر۔

(۷) تو زنا مت کر۔

(۸) تو چوری مت کر۔

(۹) تو اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی مت دے۔

(۱۰) تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر۔ تو اپنے پڑوسی کی جورو اور اس کے غلام اور اس کی لونڈی اور اس کے بیل اور اس کے گدھے اور کسی چیز کا جو تیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر۔"

"رسولوں کا عقیدہ"

"میں ایمان رکھتا ہوں خدا قادر مطلق باپ پر جو آسمان و زمین کا خالق ہے اور یسوع مسیح پر جو اس کا اکلوتا بیٹا اور ہمارا خداوند ہے۔ وہ روح القدس کی قدرت سے پیٹ میں پڑا۔ کنواری مریم سے پیدا ہوا۔ پنطیس پیلاطس کے عہد میں دکھ اٹھایا۔ مصلوب ہوا۔ مر گیا اور دفن ہوا۔ عالم ارواح میں اُتر گیا۔ تیسرے روز مردوں سے جی اُٹھا۔ آسمان پر چڑھ گیا، اور خدا قادر مطلق باپ کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔

میں ایمان رکھتا ہوں روح القدس پر، پاک کیتھلک کلیسیا پر، مقدسوں کی شراکت، گناہوں کی معافی، بدن کی قیامت، اور ابدی زندگی پر۔ آمین۔"

توریت اور انجیل کے اردو ترجمے

غیر اسلامی مذاہب میں سب سے زیادہ مسیحی مبلغین نے اپنی کتابیں اردو میں ترجمہ اور تالیف کر کے شائع کی ہیں۔ اٹھارہویں صدی کے وسط ہی سے انھوں نے توریت اور انجیل کے ترجمے شائع کرنا شروع کر دئے تھے۔ ان ابتدائی تراجم کی فہرست گریرسن (GRIERSON) نے اپنی مشہور کتاب "ہندوستان کا لسانی جائزہ" جلد نہم میں دی ہے[1]۔ اس فہرست میں ان تراجم کے علاوہ جو ہندوستانی زبان یعنی اردو میں کئے گئے ہیں، ہندی، ہندی اور یتھی زبانوں کے ترجمے بھی شامل ہیں۔ یہاں صرف ان کتابوں کے نام درج کئے جاتے ہیں جو اردو میں ترجمہ ہوئی تھیں۔ انگریز اور یوروپین مصنفین ہندوستانی زبان سے عموماً اردو زبان مراد لیتے تھے۔ ہندی ان کے نزدیک ایک مختلف زبان تھی۔ چنانچہ گریرسن کی اس فہرست سے بھی اس کی صراحت ہوتی ہے۔

(۱) کتاب پیدائش کے پہلے چار بابوں کا ترجمہ ہندوستانی میں۔ از بنجمن شولٹز (BENJ. SCHULTZE) مطبوعہ ہال (HALLE) ۱۷۴۵-۴۶ء۔

(۲) ترجمہ کتاب دانیال :۔ از شولٹز۔ مطبوعہ ہال ۱۷۴۸ء۔

(۳) کتاب لوقا کا ترجمہ ہندوستانی زبان میں۔ از شولٹز ۱۷۴۹ء طبع ثانی ۱۷۵۸ء۔

(۴) بنجمن شولٹز نے کتاب مقدس کے مندرجہ ذیل حصوں کے ترجمے بھی ہندوستانی زبان میں کئے تھے جو ہال سے شائع ہوئے :۔

رسولوں کے اعمال ۱۷۴۹ء۔ یعقوب کا خط ۱۷۵۰ء مرقس کی انجیل ۱۷۵۸ء یوحنا کی انجیل ۱۷۵۸ء۔ مکاشفہ یوحنا ۱۷۵۸ء۔ نیا عہد نامہ ۱۷۵۸ء

(۵) یسوع مسیح کے نئے عہد نامہ کا ترجمہ ہندوستانی زبان میں مرزا محمد فرحت اور

---

[1] LINGUISTIC SURVEY OF INDIA BY G.A.GRIERSON VOL IX. CALCUTTA. PP. 40-41.

فورٹ ولیم کالج کے دوسرے ہندوستانی فاضلوں کا کیا ہوا۔ نظر ثانی از ولیم ہنٹر۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۰۵ء۔

(۶) سیرام پور کے مشنریوں کا ترجمہ انجیل ہندوستانی زبان میں۔ مطبوعہ سیرام پور۔ گریرسن لکھتا ہے کہ اس کی زبان زیادہ تر ہندی ہے۔

(۷) انجیل کا ترجمہ یونانی زبان سے ہندوستانی زبان میں۔ از ریورنڈ مارٹن (REV. H. MARTIN) مطبوعہ سیرام پور، ۱۸۱۴ء۔ یہی ترجمہ لندن میں ۱۸۱۹ء میں چھپا۔

کتاب مقدس اور اس کے مختلف حصوں کے ترجمے جن کی فہرست گریرسن کی کتاب سے اخذ کر کے اوپر نقل کی گئی ہے، مجھے دستیاب نہیں ہوئے۔ جو تراجم مل سکے وہ حسب ذیل ہیں۔ ان میں سے اکثر کے اقتباسات بھی درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے مضمون کے علاوہ زبان پر بھی کافی روشنی پڑے گی۔

(۱) "کتاب مقدس کا آخری حصہ، یعنی خداوند یسوع مسیح کی انجیل جو متی، مارک، لوک اور یوحنا سے لکھی گئی تھی اور رسولوں کے اعمال اور نصیحت و نبوت کے خطوط۔ یونانی زبان سے اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ کلکتہ انگریزی اور امریکے کی دینی مجلس کی مدد سے باپتسٹ مشن چھاپا خانے میں چھاپا کیا گیا۔ ۱۸۳۹ء یسوعی)" ٹائپ نسخ۔ ص ۸۲۲۔

"رسولوں کے اعمال" کا ایک اقتباس مندرجہ ذیل ہے:۔

"اے تھیوفلے، میں پہلی کتاب میں بیان کر چکا ان سب کاموں اور نصیحتوں کو جو یسوع کرتا رہا اس وقت تک کہ وہ روح قدس سے اپنے برگزیدہ رسولوں کو حکم دے کے اوپر اٹھایا گیا، جن کے نزدیک اس نے بعد اپنے مرنے کے اپنے تئیں بہت سی دلیلوں سے زندہ ثابت کیا کہ وہ چالیس دن تک انھیں دکھائی دے کے خدا کی بادشاہت کی باتیں کہتا رہا اور

انھیں اکٹھا کر کے یہ حکم کیا کہ یروشالم سے باہر نہ جاؤ بلکہ جو وعدہ باپ نے
کیا جس کا ذکر تم مجھ سے سُن چکے ہو اس کا انتظار کرو کہ یحییٰ نے تو پانی
میں غوطہ دلایا پر تم کو تھوڑے دنوں کے بعد روح قدس میں غوطہ
دلائے جاؤ گے"۔ (ص ۳۷۰)

۱۸۴۸ء میں اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن باپتسٹ مشن پریس کلکتہ میں چھپا۔

(۲) ہمارے خداوند یسوع مسیح کا نیا وثیقہ۔ مطبوعہ بائبل پریس، کلکتہ ۱۸۴۱ء ٹائپ نسخ۔ ص ۵۵۳۔

اس ترجمہ کی زبان بہ نسبت سابق ترجمہ کے جس کا اقتباس اوپر دیا گیا ہے۔
زیادہ صاف ہے۔

(۳) کتاب القدس۔ جلد اول۔ پیدائش سے آستر تک، مطبوعہ بائبل پریس کلکتہ ۱۸۴۳ء۔ ٹائپ۔ نسخ۔ ص ۱۰۱۲۔ ترجمہ کا نمونہ یہ ہے :۔

"ابتدا میں خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ اور زمین ویران اور
سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا۔ اور خدا کی روح پانی پر جنبش
کرتی تھی۔ اور خدا نے کہا کہ اجالا ہو اور اجالا ہو گیا۔ اور خدا نے اجالے
کو دیکھا کہ اچھا ہے۔ اور خدا نے اجالے کو اندھیرے سے جدا کیا۔ اور
خدا نے اجالے کو دن کہا اور اندھیرے کو رات کہا۔ سو شام اور
صبح پہلا دن ہوا۔ . . . ." (ص ۱)

(۴) کتاب القدس :۔ جلد ثانی۔ ایوب سے ملاکی تک۔ مطبوعہ ایشیاٹک پریس کلکتہ۔ ۱۸۴۳ء ٹائپ۔ نسخ۔ ص ۴۴۷۔

(۵) کتاب مقدس۔ دو حصوں میں۔ پہلا حصہ پیدائش کی کتاب سے استثنا تک۔ ص ۳۰۶۔ دوسرا نون کے بیٹے یشوع کی کتاب سے سلاطین کی دوسری کتاب

تک۔ ص ۲۵۷۔ ٹائپ نستعلیق۔

سرورق غائب اس لئے مطبع اور سنہ طباعت معلوم نہ ہو سکا۔

(۶) کتاب مقدس :۔ "یعنی خداوند یسوع مسیح کی انجیل جو متھی، مارک، لوک اور یوحناہ سے لکھی گئی تھی اور رسولوں کے اعمال اردو زبان میں"۔ مطبوعہ باپٹسٹ مشن پریس کلکتہ ۱۸۴۹ء۔ ص ۴۱۳۔

یہ ترجمہ باپٹسٹ مشنریوں کا کیا ہوا ہے۔ سرورق کی انگریزی عبارت میں بجائے اردو کے "ہندوستانی" لکھا ہے:۔ (THE FOUR GOSPELS AND THE ACTS IN HINDUSTANI) اسی "ہندوستانی" کو ترجمہ کے ذیلی عنوان میں "اردو زبان" لکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترجمہ کرنے والے ہندوستانی اور اردو کو ایک ہی زبان سمجھتے تھے۔

(۷) مقدس کتاب کا احوال :۔ از ریورنڈ ٹی۔ ہورنلے۔ (REV T. HOERNLE) مطبوعہ آرفن پریس، مرزاپور ۱۸۵۹ء ص ۲۸۰۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر بارتھ (REV DR. BARTH) کی کتاب (SCRIPTURE HISTORY) کے جرمن نسخے سے کیا گیا ہے۔ ایک اقتباس حسب ذیل ہے :۔

دنیا کی پیدائش

مسیح سے ۴۰۰۴ برس آگے

"خدا نے اپنے کلام سے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ اُس کے پیدا کرنے سے پہلے خدا کے سوا کچھ نہ تھا۔ خدا ہی قدیم و قادر ہے۔ جو چاہے سو کر سکتا ہے۔ اس نے نہ چاہا کہ آسمان و زمین اور ان کی سب حشمتیں ایک ہی بار دکھلائی دیں بلکہ رفتہ رفتہ ظاہر و تیار ہو ویں۔ کیونکہ اس نے پہلے ہی سب کا بندوبست

شمار اور پیمانے اور تول سے کر لیا۔ سو خدا نے آسمان و زمین کو چھ دن
میں بنایا۔

دنیا خالی اور ویران تھی اور گہراؤں کے اوپر اندھیرا تھا تب خدا نے کہا
کہ اجالا ہووے اور اجالا ہو گیا۔ اور خدا نے اجالے کو اندھیرے سے جدا
کر کے اجالے کو دن اور اندھیرے کو رات کہا۔ اسی طرح پہلی رات اور
اور پہلا دن ہوا۔ دوسرے دن خدا نے وہ پھیلاؤ بنایا جو زمین کے چاروں
طرف ہے، اور اس نے پانیوں میں ایسی جدائی کی کہ کچھ پانی پھیلاؤ کے
اوپر اور کچھ نیچے رہ گیا۔ اور اس نے پھیلاؤ کو آسمان کہا۔ تیسرے دن
خدا نے زمین کے اوپر پانیوں کو زمین سے جدا کیا اور گھاس اور نباتات
اور پھل دار درخت زمین سے اگائے۔ چوتھے دن خدا نے روشنی دینے
والی چیزوں کو جن سے زمین پر نشانیاں، وقت، موسم، دن، مہینے
اور برس ظاہر ہوویں، بنایا۔ سو اس نے ایک بڑی روشنی دن کے لئے
اور ایک چھوٹی روشنی رات کے لئے بنائی اور ستاروں کو بھی (سیارے)
بنایا۔ پانچویں دن خدا نے مچھلیوں اور طرح طرح کے جانوروں کو جو پانی
میں رہتے ہیں اور رنگ برنگ پرندوں کو جو ہوا میں اڑتے ہیں بنایا۔
اور ان کو برکت بخشی۔ چھٹے دن خدا نے ان سب جانوروں کو جو زمین پر
چلتے ہیں نوع بنوع پیدا کیا، اور اسی دن اس نے آدمی کو بھی یہ کہہ کے
بنایا کہ ہم اسے اپنی صورت پر بنا دیں کہ وہ دریائی مچھلیوں اور آسمانی
پرندوں اور سب جانوروں اور ساری دنیا پر سرداری کرے۔ سو خدا نے
آدمی کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور نر و مادہ بنایا، اور ان کو برکت دے
کر کہا کہ بڑھو اور پھیل جاؤ اور دنیا کو آباد اور اپنا تابعدار کرو اور جب

خدا سب کچھ پیدا کر چکا تب اس نے اپنے سارے کاموں پر نظر کر کے
دیکھا کہ بہت اچھے ہیں۔
اسی طرح خدا چھ دن میں آسمان و زمین اور ان کی ساری آبادی کامل
کر کے ساتویں دن فارغ ہوا۔ اور اس نے اس دن کو مبارک اور مقدس
ٹھہرا کے آرام کے واسطے مقرر کیا، اس لئے کہ اس نے اپنے سب کاموں
سے جو کرنا تھا فراغت پائی۔" (ص ۱-۳)

(۸) کتاب عہد جدید۔" یعنی خداوند یسوع مسیح کی انجیل۔ یونانی زبان سے
ہندوستانی زبان میں ترجمہ کی گئی۔ اور شہر لندن میں ولیم واٹس کے مطبع میں چھاپی
گئی سن ۱۸۶۰ء یسوعی" ص ۵۱۱۔ ٹائپ نسخ۔

ترجمے کی "ہندوستانی زبان" وہی ہے جس کے نمونے اوپر گزرے۔

(۹) زبور کی کتاب" اس کا ترجمہ عربی زبان سے زبان اردو میں ہوا۔ بریلی۔ امریکن
متھودسٹ مشن پریس میں پادری وا صاحب کے اہتمام سے چھپی۔ ۱۸۶۵ء" ص ۱۷۵۔

"تیسری زبور"

" ان لوگوں کا امن و چین جن کی حفاظت خدا کرتا ہے۔
" اے خداوند، وے جو مجھے دکھ دیتے ہیں کیا ہی بڑھ گئے ہیں۔ وے بہت ہیں
کہ جو میری مخالفت پر اٹھتے ہیں۔ بہتیرے میری جان کی بابت کہتے ہیں کہ
خدا سے اب اس کی نجات نہیں۔ صلا۔ پر تو اے خداوند میرے لئے سپر
ہے۔ تو میری شوکت اور میرا سر فراز کرنے والا ہے۔ میں نے خداوند کی طرف
اپنی آواز بلند کی اور اس نے میری دعا اپنے کوہ مقدس پر سے سن لی۔
صلا۔ میں لیٹ گیا اور سو رہا۔ میں جاگ اٹھا۔ کیونکہ خداوند میرا حافظ ہے۔

اگر دس ہزار آدمی مجھے گھیر لیویں میں ان سے نہیں ڈرنے کا۔ اُٹھ اے خداوند، اے میرے خدا، مجھے بچا کہ تو نے میرے سارے دشمنوں کے گالوں پہ طمانچے مارے۔ تو نے شریروں کے دانت توڑے۔ خداوند ہی نجات دیتا ہے۔ تیری برکت تیرے بندوں پر ہے۔ صلا "(ص ۴)

(۱۰) کتاب مقدس :۔ "یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ۔ پہلی جلد۔ جس میں سب کتابیں پیدائش سے لے کے زبور کی کتاب تک مندرج ہیں۔ نارتھ انڈیا بیبل سوسیئٹی کی طرف سے مرزاپور کے آرفن اسکول پریس میں، ڈاکٹر میتھر صاحب کے اہتمام سے ۱۸۶۷ء میں چھاپی گئی۔" بڑی تقطیع ص ۷۷۰۔ ٹائپ نسخ۔

(۱۱) انجیل مقدس :۔ "یعنی ہمارے خداوند اور نجات دینے والے یسوع مسیح کا نیا عہد نامہ۔ مدراس میں بیبل سوسیئٹی کے حکم سے کرسچن نالج سوسیئٹی پریس کے چھاپے خانے میں چھاپی گئی۔ ۱۸۶۸ء" ٹائپ نسخ۔

اس جلد میں ہر حصے کے صفحات کے نمبر علیحدہ ہیں۔

(۱۲) کتاب مقدس :۔ "یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ۔ اس کا ترجمہ عبرانی و یونانی زبانوں سے زبان اردو میں ہوا۔ جسے تصحیح کر کے اب چوتھی بار چھپواتے ہیں۔ مرزاپور میں نارتھ انڈیا بیبل سوسیئٹی کی طرف سے آرفن اسکول پریس کے وسیلے ڈاکٹر میتھر صاحب کے اہتمام سے ۱۸۷۰ء میں چھاپی گئی۔" ٹائپ نسخ۔ پرانے عہد نامے کے صفحات کی تعداد (۱۱۲۳) ہے۔ نئے عہد نامے کے صرف (۴۴۳) صفحات اس نسخے میں ہیں۔ آخری صفحات غائب ہیں۔

(۱۳) انجیل مقدس :۔ "یعنی ہمارے خداوند اور نجات دینے والے یسوع مسیح کا نیا عہد نامہ۔ اس کا ترجمہ یونانی زبان سے زبان اردو میں بنارس ٹرانسلیشن کمیٹی سے کیا گیا۔ بمطبع امریکن مشن لودیانہ واسطے امریکن بیبل سوسائٹی کے باہتمام پادری

ملاکی تک مندرج ہیں۔ بمطبع امریکن مشن لودیانہ، واسطے نارتھ انڈیا بیبل سوسیٹی کے باہتمام پادری ویری صاحب چھاپی گئی ۱۸۷۶ء"

(۱۶) توریت مقدس :۔ سرورق غائب۔ طباعت قدیم۔ لیتھو۔ ص ۳۰۶۔

اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ دنیا کی پیدائش کے بیان سے شروع ہوتا ہے۔ دوسرا بنی اسرائیل کے یسوع کے ساتھ کنعان میں داخل ہونے کے بیان سے۔ اور تیسرا یہوداہ کے بادشاہ حزقیاہ کے عمل سے شروع ہوکر یہودیوں کی اسیری کے باقی احوال پر ختم ہوتا ہے۔

(۱۷) متی کی انجیل :۔ شائع کردہ برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی، لاہور۔ ص ۶۲۔ پریس کا نام اور سنہ طباعت درج نہیں۔ مندرجہ ذیل اقتباس مضمون اور عبارت دونوں کے لحاظ سے قابل توجہ ہے۔

"یسوع شریعت کو پورا کرنے اور کرانے والا۔

" یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہوجائے۔ پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا۔ اور یہی آدمیوں کو سکھلائے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا۔ وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمھاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے زیادہ نہ ہوگی تو تم آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخل نہ ہوں گے۔" (ص ۸)

(۱۸) زبور:۔ شائع کردہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور۔ بار دوم ۱۹۰۲ء ص ۱۲۹۔

(۱۹) پُرانا عہد نامہ:۔ یہ نسخہ ناقص ہے۔ زبور کی کتاب سے شروع ہو کر آخر تک چلا جاتا ہے۔ شروع کے (۷۴۸) صفحے اس جلد میں نہیں ہیں۔ آخری صفحے کا نمبر (۱۱۲۳) ہے۔ ٹائپ۔ مطبع و سنہ طباعت لامعلوم۔

(۲۰) بیبل کی تعلیں:۔ مترجمہ ریورنڈ جے۔ ایف۔ اُلمان (REV. J. F ULMANN) شائع کردہ متھوڈسٹ پبلشنگ ہاوس لکھنو۔ طبع اول ۱۸۸۶ء۔ ص ۳۸۶۔

"مسیح ایک جنم کے اندھے کو بینائی دیتا ہے"

"پھر اس نے جاتے ہوئے ایک شخص کو جو جنم کا اندھا تھا دیکھا اور اس کے شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ اے ربّی گناہ کس نے کیا، اس شخص نے یا اس کے ماں باپ نے کہ یہ اندھا پیدا ہوا۔ عیسیٰ نے جواب دیا۔ نہ تو اس شخص نے گناہ کیا اور نہ اس کے ماں باپ نے لیکن یوں ہوا تاکہ خدا کے کام اس میں ظاہر ہوں۔ یہ کہہ کے اس نے زمین پر تھوکا اور تھوک سے مٹی گوندھی اور وہ مٹی اس اندھے کی آنکھوں پر لیپ کی، اور اس سے کہا کہ جا اور سلوآم کے حوض میں (جس کا ترجمہ بھیجا ہوا ہے) نہا۔ تب وہ جا کے نہایا اور بینا ہو کے آیا"۔ (ص ۱۷۳)

(۲۱) توریت، انجیل، اور ان کے بعض حصوں کے یہ بیس ترجمے وہ ہیں جو مجھے مختلف کتب خانوں میں مل سکے۔ ان کے علاوہ ایک ترجمے کا ذکر گارساں دتاسی نے اپنے خطبات میں کیا ہے۔ یہ پادری ماتھر کا ترجمہ انجیل ہے۔ جو رومن رسم الخط میں ہے۔

اور جس کے حاشیے پر اصل انجیل بھی درج ہے۔ یہ ترجمہ لندن میں چھپا تھا۔ اس کی نسبت دتاسی اپنے گیارہویں خطبہ مورخہ ۲ دسمبر ۱۸۶۰ء میں لکھتا ہے :۔

"برطانیہ اور ممالک غیر کی انجمن انجیل نے انجیل کا جو دل پذیر ترجمہ گزشتہ سال شائع کیا اسے یقیناً اردو زبان کی چوٹی کی کتابوں میں سمجھنا چاہئے یہ ترجمہ اس لئے اور بھی عمدہ اور معتبر ہے کہ ایک مشہور ہندوستانی فاضل نے اس کام میں ہاتھ بٹایا ہے۔"[1]

بائبل اور اس کے مختلف حصوں کی تفسیریں

مسیحی مبلغین نے بائبل اور اس کے مختلف حصوں کے ترجموں کے علاوہ ان کی تفسیریں بھی اردو زبان میں کثرت سے لکھی ہیں۔ ان میں سے انیس ۱۹ تفسیریں جن کو دیکھنے کا مجھے موقع ملا حسب ذیل ہیں :۔

(۱) "ترجمہ مزامیر باشرح و تفسیر" تالیف پادری یوسف آون۔ نارتھ انڈیا ٹریکٹ سوسائٹی کی مدد سے مرزاپور کے یتیموں کے چھاپہ خانہ میں ۱۸۶۱ء میں چھپی۔ ص ۵۴۴ رسم الخط اردو متن۔

(۲) "تفسیر انجیل یوحنا ملقب بہ منتہی الافکار" "اس کتاب کو عام فائدہ کے لئے پادری رابرٹ کلارک، ایم۔ اے، سکریٹری چرچ مشن سوسائٹی پنجاب و سندھ نے اور پادری مولوی عماد الدین لاہز، ڈی، ڈی نے امرت سر میں مل کے تصنیف کیا، اور کرسچین نالج سوسائٹی کے لئے امریکن مشن پریس، لودیانہ، میں پادری سی۔ بی۔ نیوٹن صاحب کے اہتمام سے چھپی ۱۸۸۰ء۔ دفعہ اول۔" ص ۵۰۴۔

تفسیر کا نمونہ حسب ذیل ہے :۔

"(۱)۔ ابتدا میں کلمہ تھا، اور کلمہ خدا کے ساتھ تھا، اور کلمہ خدا تھا۔

---

[1] خطبات گارساں دتاسی۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن ۱۹۳۵ء ص ۳۱۳

(اسے ۸ آنک) کلمہ کے مجسم ہونے کا بیان ہے۔ اس آیت کا مضمون بہت ہی گہرا ہے۔ اگسطین صاحب کہتے ہیں کہ یوحنا جس کا لقب رعد کا فرزند ہے (مرقس ۳۔ ۱۸) اپنی انجیل گرج کے ساتھ شروع کرتا ہے۔

اس آیت میں تین جملے ہیں۔ پہلا جملہ (ابتدا میں کلمہ تھا)۔ لفظ "تھا" تینوں جملوں میں ہے اور اس پر زور ہے۔ اور یہ زور آیت ۳ کے لفظ ہوئیں کے مقابلے میں ہے۔ یعنی کلمہ موجود تھا۔ ازل سے اور سب چیزیں معدوم تھیں، لیکن کلمہ نے ان کو معدوم سے موجود کر دیا (۸۔ ۵۸) کلمہ کہتا ہے کہ پیشتر اس کے کہ ابراہیم ہوں میں ہوں (ابتدا)۔ یہ موجودات کی ابتدا کا ذکر ہے۔ کیونکہ وجود ازلی کے لئے ابتدا اور انتہا نہیں ہے۔ رسول کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائے خلقت کے پرلی طرف یعنی موجودگی زمانہ سے پرے کلمہ تھا جو خالق کل کائنات کا ہے۔

(ف ۱) خدا کے لئے نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اور ہر چیز کے لئے بجز اللہ کے سوائے ابتدا ہے۔ جن لوگوں نے وہ زندگی پائی ہے جو اللہ میں ہے وہ ابد تک اس کے ساتھ زندہ رہیں گے، اور یہی حیات ابدی ہے جو یسوع آدمیوں کو بخشتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" (ص ۵)

(۳) تفسیر انجیل :۔ سرورق غائب۔ ص ۴۴۳

اس کتاب کے پہلے چار صفحوں میں "عدم تحریف کلام الٰہی" کی متعدد دلیلیں دی ہیں اس کے بعد متی کی انجیل سے تفسیر شروع کی ہے۔

(۴) "تفسیر کتاب یوحنا عارف کا مکاشفہ" مولفہ پادری، ای۔ ایچ۔ ایم۔ وائرحات شائع کردہ کرسچین نالج سوسائٹی، انار کلی لاہور، ۱۹۱۴ء۔ ص ۴۱۲۔

(۵) تفسیر کتاب رسولوں کے اعمال" مولفہ پادری ٹی۔ واکر صاحب، ایم۔ اے شائع کردہ کرسچین نالج سوسائٹی، انار کلی، لاہور۔ مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۲۲ء ص ۷۲۰۔

تیسرا باب

۳: ۱ سے ۱۰۔ لنگڑے آدمی کا شفا پانا

۳: ۱۔ پطرس اور یوحنا دعا کے وقت یعنی تیسرے پہر ہیکل کو جا رہے تھے۔
پطرس اور یوحنا۔ رسولوں میں یہ سرکردہ اشخاص تھے۔ اپنی سرگرمی اور محبت کے باعث مشہور تھے۔ وہ گہرے دوست اور ہم خدمت رہے تھے۔ لوقا ۵: ۱۰+ ۲۲: ۸+ یوحنا ۲۰: ۳ و ۴۔ اس کے علاوہ ان کا اکٹھا ذکر ۴: ۱۳+ ۸: ۱۴ میں آتا ہے۔

دعا کے وقت:۔ یہودیوں میں تین اوقات کی نماز کا دستور تھا جس کی بنیاد غالباً زبور ۵۵: ۱۷، اور دانی ایل ۶: ۱۰ پر تھی۔ یہ اوقات تھے تیسرا گھنٹہ (۲: ۱۵)۔ چھٹا گھنٹہ (۱۰: ۹) اور نواں گھنٹہ۔ یہ ہمارے لئے کیسا اچھا نمونہ ہے کہ فضل کے مقررہ وسائل کو بڑی سرگرمی اور پابندی سے استعمال کریں۔ اہل مشرق ان مقررہ اوقات نماز سے بخوبی واقف ہیں۔ اہل زردشت کی طرح اہل اسلام ہر روز پانچ مقررہ اوقات پر نماز ادا کرتے ہیں، اور اہل ہنود طلوع اور غروب آفتاب کے وقت اپنی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔

تیسرے پہر:۔ یا نواں گھنٹہ آج کل کے تین بجے دن کے قریب تھا (۲: ۱۵ کی تشریح دیکھو) دوپہر اور غروب آفتاب کے مابین۔ کبھی شاید دن کی روشنی کے گھٹنے بڑھنے کے مطابق آگے پیچھے ہوگا۔ یہ تیسرا پہر ہیکل میں شام کی قربانی چڑھانے کا وقت تھا۔ نئے عہد نامہ میں اس نویں گھنٹے یا تیسرے پہر کی طرف کئی اشارے پائے جاتے ہیں۔ ...." (ص ۱۴۴)

(۶) "اعمال کی تفسیر" سرورق غائب۔ نسخہ قدیم۔ بڑی تقطیع۔ ص ۲۳۳۔

(۷) "احبار کی کتاب کی تفسیر" بطور سوال وجواب، مصنفہ پادری جے۔ جے۔ لوکس مطبوعہ مفید عام پریس، لاہور، ۱۹۲۶ء۔ ص ۱۸۷۔

دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

"بہتیرے مسیحی احبار کی کتاب پڑھنے سے کم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس لئے کہ جن قربانیوں کا بیان اس میں پایا جاتا ہے ان کے معنی وہ نہیں سمجھتے اگر وہ ایک ایک قربانی سے مسیح کی تصویر کھینچ سکتے تو پڑھنے سے بہت زیادہ فائدہ ہوتا۔ یہ ساری قربانیاں مسیح کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ وہ اس کی پیش نشانیاں ہیں۔ وہ آئندہ کی اچھی چیزوں کی پرچھائیاں ہیں۔ وہ آسمانی چیزوں کی نقلیں ہیں......."

تفسیر کا ایک ٹکڑا حسب ذیل ہے۔

"سوال ۸۔ لفظ قربانی کے معنی بتاؤ۔

جواب۔ یہ عبرانی لفظ ہے۔ قربان، جو کچھ خدا کے قریب لایا جاتا ہے، اور اس قریب لائے جانے کے فعل کو قربانی کہتے ہیں۔ چنانچہ یہ حکم تھا کہ کوئی خدا کے حضور خالی ہاتھ نہ آئے (خروج ۲۳: ۱۵)، اور نیز جس چیز کے ذریعے سے گنہگار انسان خدا کے قریب سلامتی سے پہونچے وہ بھی قربانی کہلاتی ہے۔ اور اس کتاب میں ان چیزوں کا بیان پایا جاتا ہے جن کے وسیلے سے بنی اسرائیل خدا کے خیمے کے اندر جانے پاتے تھے اور جن چیزوں کے ذریعے سے خدا کے قریب پہونچتے تھے۔

سوال ۹۔ مسیح کیوں حقیقی قربانی گنا جاتا ہے؟

جواب ۱۔ اس لئے کہ وہ مجسم ہوکے ہم سبھوں کے قریب آیا۔

ب۔ اس لئے کہ وہ ہم کو خدا کے قریب پہونچاتا ہے۔ اُس کی قربانی سے ہم کو خدا کی نزدیکی اور قربت حاصل ہوتی ہے۔

ج۔ اس لئے کہ وہ ازل سے خدا کے قریب تھا۔

د۔ اس لئے کہ وہ کل بنی آدم کے لئے قربان ہوا" (ص ۳)

(۸) "پیدائش کی کتاب کی تفسیر": از پادری کینن سیل۔ مترجمہ مسٹر ای۔ جوزف۔ شائع کردہ کریسچن نالج سوسائٹی، پنجاب۔ سنہ طباعت درج نہیں۔ مطبوعہ درکٹوریہ پریس، بٹالہ۔ ص ۱۹۴۔

(۹) "تفسیر مرقس": مصنفہ پادری جے۔ علی بخش۔ مطبوعہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ ۱۹۲۵ء۔ ص ۲۵۶۔

(۱۰) "تفسیر متی"۔ مصنفہ پادری ڈاکٹر یو۔ اسٹینٹن صاحب، پی۔ ایچ۔ ڈی۔ مترجمہ پادری طالب الدین صاحب۔ شائع کردہ کریسچن نالج سوسائٹی، انارکلی، لاہور۔ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ ۱۹۲۳ء۔ ص ۸۰۰۔

(۱۱) "تفسیر زبور"۔ از پادری جے۔ علی بخش صاحب۔ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۵۵۲۔

اقتباس از دیباچہ:-

"زبور کی کتاب نظم میں لکھی گئی۔ یہ نظم اس قسم کی ہے جو باجے پر گائی اور بجائی جاتی تھی۔ جس میں دل کے گہرے جذبات کا اظہار ہوتا تھا، جیسے واسوخت ریختہ و غزل وغیرہ میں ہوتا ہے۔ اور اس قسم کی نظم قدیم زمانہ سے مروج ہے، اور عبرانی نظم عموماً اسی قسم کی ہے۔ قدیم اسرائیل میں شاہنامہ یا ناٹک کی طرز کی نظم کا رواج نہ تھا۔ چونکہ عہد عتیق بنی اسرائیل کی دینی تاریخ ہے، اسی طرح زبور کی کتاب دینی نظم کی کتاب ہے۔ اس میں ایسی

نظموں کا ایک مجموعہ پایا جاتا ہے۔ عہد عتیق کی باقی کتابوں میں خدا انسان سے متکلم ہے۔ لیکن زبور کی کتاب میں انسان خدا سے متکلم ہے، اور اپنے دلی خیالات وجذبات کو خدا کے سامنے ظاہر کرتا ہے۔ زبور کی کتاب میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ اخلاقی شرع انسانی رفتار و گفتار کی رہنما ہے اس لئے عبادت کی ریت ورسوم کو اس نے خیر مقدم کہا اور ہیکل میں خدا کے حضور میں حاضر ہونے پر خوشی کا اظہار کیا...... " (ص ۳)

(۱۲) "عبرانیوں کے نام کے خطوط کی تفسیر بطور سوال وجواب"۔ مصنفہ پادری جے۔ جے لوکس صاحب۔ مطبوعہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی پریس، لاہور ۱۹۳۱ء ص ۶۸۲۔

(۱۳) "کرنتھیوں کے نام مقدس پولوس کے دوسرے خط کی تفسیر"، مصنفہ پادری آرتھر کرالیستھ ویٹ صاحب۔ مترجمہ مسٹر بہاری لال رلیا رام۔ شائع کردہ کرسچین نالج سوسائٹی لاہور۔ مطبوعہ مسیحی پریس۔ لاہور ۱۹۲۶ء۔ ص ۳۰۱۔

(۱۴) "تفسیر نامۂ رسول پولوس بنام فلپیان"۔ از پادری ٹی۔ ڈاکر صاحب۔ کرسچین نالج سوسائٹی، لاہور۔ مطبوعہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی پریس، لاہور ۱۹۳۲ء۔ ص ۲۷۲۔

(۱۵) "تھسلنیکیوں کو پولوس رسول کے پہلے خط کی تفسیر"۔ از پادری جے۔ جے لوکس صاحب۔ مطبوعہ مشن پریس، الہ آباد ۱۹۲۹ء۔ ص ۲۰۷۔

(۱۶) "تھسلنیکیوں کے دوسرے خط کی تفسیر" از پادری جے جے لوکس صاحب مطبوعہ مشن پریس، الہ آباد ۱۹۲۷ء ص ۱۷۸۔

(۱۷) "یعقوب رسول کے خط عام کی تفسیر"۔ از پادری جے۔ ایچ۔ آرلسن صاحب ایم۔ اے۔ ایم۔ ڈی۔ مطبوعہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی پریس لاہور ۱۹۳۳ء ص ۱۲۰۔

(۱۸) "پولوس رسول کے خط بنام افسیوں کی تفسیر"۔ مصنفہ ڈاکٹر ایچ۔ آرلسن صاحب ایم۔ اے، ایم۔ ڈی۔ مطبوعہ شری بال مکند اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۲۶ء۔ ص ۱۴۴۔

(۱۹) "خروج کی کتاب کے مضامین کا مجموعہ بطور سوال و جواب"۔ مصنفہ پادری ایچ جے۔ لوکس صاحب۔ مطبوعہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ ۱۹۲۶ء۔ ص ۱۵۷۔

پادری لوکس صاحب نے اپنے عام طرز تفسیر کے مطابق. اس کتاب کے دیباچے میں بھی سوال و جواب کا التزام رکھا ہے۔

متفرق کتابیں

(۱) مسیحی مطبوعات میں سب سے قدیم کتاب جو میری نظر سے گزری وہ "صلوٰۃ الجماعت کی کتاب" ہے۔ یہ ۱۸۲۳ء میں چرچ مشن پریس کلکتہ میں ۲۹۰، ۴۴ صفحات پر چھپی تھی۔ اس کے چند اقتباسات "عقائد دین" کے ذیل میں اس باب کے شروع میں دئے جا چکے ہیں۔ جن سے زبان کا انداز معلوم ہوتا ہے۔ سرورق کے ذیلی عنوان میں انگریزی فقرہ (TRANSLATED INTO HINDUSTANI) کا ترجمہ "زبان اردو میں مترجم ہوئی" کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مترجم کے نزدیک ہندوستانی اور اردو ایک ہی زبان کے دو نام ہیں۔ اس کتاب میں عقائد کے علاوہ کلیسا کے رسوم و دستور، صبح و شام کی نماز کے احکام اور مختلف اوقات کی دعائیں درج ہیں۔

(۲) کتاب طریق الحیات۔ مطبوعہ امریکن پریسبیٹیرین مشن پریس، لودیانہ۔ ۱۸۴۶ء ص ۱۴۴۔ ٹائپ نستعلیق۔ اس میں حضرت مسیحؑ کی تعلیمات اور ان کی زندگی کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ ضمناً دوسرے مذاہب سے مقابلہ کرکے عیسائی مذہب کی برتری ثابت کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے مولف کا نام درج نہیں۔ نمونہ عبارت حسب ذیل ہے:-

"عیسیٰ مسیح کی نجات ایک دوا ہے کہ رحیم و کریم خدا نے اپنی بے انتہا رحمت کے دواخانہ سے عنایت فرمائی ہے تاکہ وے لوگ جو باطنی بیماریوں میں پھنسے ہیں۔ اپنے دلی دکھ درد سے صحت و شفا پاویں، اور آب حیات کا چشمہ اور ہمیشہ کی زندگی کا ایک ایسا درخت ہے کہ اگر ہلاکی کے جنگل کے

پیاسے اسے پیویں تو باطنی پیاس اور دلی بھوکھ کو دفع کر کے ابدی حیات
اور حقیقی نیک بختی کے مالک ہوجاویں مگر وہ شخص جو اپنی دلی بیماری سے
سے غافل اور باطنی بھوکھ پیاس سے بے خبر ہو کر بیہودگی میں اوقات
صرف اور خواب غفلت میں عمر ضائع کرتا ہے سو ہرگز نجات و حیات کی
دوا کا متلاشی اور روحانی غذا کا طالب نہیں ہے، اور ایسے آدمی سے وہ
آب حیات پوشیدہ اور آسمان کے دروازوں کی کنجیاں ناپید ہیں ...''

(ص ۲۴۳۔۲۴۲)

(۳) سحر گاہ در انگلستان :۔ مطبوعہ مشن پریس، لودیانہ۔ ۱۸۷۰ء۔ مصنف کا نام درج
نہیں جیبی تقطیع۔ ص ۸۸۔ رومن رسم الخط۔

اس مختصر کتاب میں بیان کیا گیا ہے کہ انگلستان میں مسیحیت کا آغاز کیونکر ہوا۔ اس
کی عبارت بہت سلیس اور مقفیٰ ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:۔

''جس جگہ اب انگلستان کے عالی شان شہر نظر آتے ہیں اور وہاں قسم قسم
کے غلے اور میوے پائے جاتے ہیں۔ سترہ سو برس ہوا ہے کہ وہاں بجز
جنگل اور کانٹوں کے کچھ نشان نہ تھا۔ اور سوا گھاس کی جھونپڑیوں کے
کوئی مکان نہ تھا۔ اور جہاں اب صوبہ کنٹ ہے وہاں بھی ایک ویرانہ
تھا۔ اس میں بڑے بڑے پتھروں کا بنا ہوا ایک بُت خانہ تھا۔ اور
ایک بڑا بت جو لکڑی کا گھڑا ہوا تھا وہ اس بت خانہ میں کھڑا ہوا تھا
قریب اس کے ایک قبرستان تھا۔ اس میں ایک تازی قبر کا نشان
تھا۔ وہاں اموجن نام ایک لڑکی، بھیڑ کے چمڑے کا لباس، بال کندھے
پہ بکھرے ہوئے، اداس، ایک سنہری بازو بند بازو سے بندھا
ہوا، اور ڈھال کو سر کے نیچے دھرا ہوا، دور سے دریافت ہوتا تھا۔

کہ وہ سوتی ہے، پر نزدیک سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ روتی ہے۔۔۔۔۔" (ص ۲۰۱)

(۴) تذکرۃ المومنین:۔ حصہ اول۔ مصنفہ ڈاکٹر نینڈر صاحب۔ مترجمہ پادری تاراچند صاحب۔ مشن پریس لودیانہ۔ باراول ۱۸۶۷ء۔ ص ۱۴۲۔

اس کتاب میں پہلے تین صدیوں کے مسیحیوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

(۵) تذکرۃ المومنین۔ حصہ دوم۔ مصنفہ ڈاکٹر نینڈر صاحب۔ مترجمہ پادری تاراچند صاحب۔ مشن پریس۔ لودیانہ۔ باراول ۱۸۸۱ء۔ ص ۲۱۷۔

(۶) مسیحی کی خوشوقت زندگی کا بھید:۔ مصنفہ ہنا اسمتھ۔ مترجمہ بابو یونس سنگھ مشن پریس، الہ آباد، ۱۸۹۰ء ص ۲۷۷۔ رومن رسم الخط۔

"مسیح کے ساتھ یکتائی حاصل کرنے کا بیان"

"ایمانداروں کی روح کے ساتھ خدا کے جتنے سلوک ہیں ان کا یہی مطلب ہے کہ اس کو اپنے ساتھ ایک کرلے تاکہ ہمارے خداوند کی وہ دعا پوری ہو کہ" وہ سب ایک ہوں جیسا کہ تو اے باپ مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں، کہ وہ بھی ہمارے ساتھ ایک ہوں"۔۔۔۔۔
۔۔۔" میں ان میں اور تو مجھ میں تاکہ وہ ایک میں کامل ہوں اور تاکہ دنیا جانے کہ تو نے مجھے بھیجا ہے اور انہیں پیار کیا ہے جیسا کہ تو نے مجھے پیار کیا ہے۔"

خدا نے دنیا کے پہلے ہی یہ جلالی ارادہ کیا کہ ایمانداروں کی روحوں کو اپنے ساتھ ایک کرلے۔ یہ وہ بھید ہے جو زمانہ در زمانہ اور پشت در پشت بنی آدم کی نظر سے چھپا ہوا تھا اور مسیح کے مجسم ہونے کے باعث سے پورا ہو گیا۔ یہ کلام میں کھول دیا گیا ہے۔ اور

اس کی سچائی کا یقین بہتیرے ایمانداروں نے اپنے تجربہ سے حاصل کیا ہے ...." (ص ۱۷۳)

(۷) آئینہ دل :- شائع کردہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی ۔ مطبوعہ مشن پریس، لدیانہ ۱۸۹۹ء ۔ ص ۶۰ ۔ یہ ایک مصور کتاب ہے جس میں انسان کی تصویر بنا کر اس کے اندر مختلف جانوروں کی شکلیں دکھائی ہیں اور انسان کے مختلف جذبات کو ایک ایک جانور سے تشبیہہ دے کر ان کی تشریح کی ہے ۔ مثلاً :-

"دل کے داہنے بازو کے اوپر کی طرف پہلا جانور خوش رنگ مور ہے جو اپنے چمکتے ہوئے پر و بال کو اٹھائے ہوئے غرور سے اکڑتا اور اتراتا ہوا دوسرے جانوروں کو خود پسندی اور گھمنڈ سے دیکھ رہا اور نفرت کرتا ہے ۔ یہ پرندہ انسانی غرور کا ایک نشان ہے ...... مور کے نیچے لومڑی ہے ۔ جب کہ اس کا کام اپنے زور سے نہیں ہو سکتا تو طرح بطرح مکر و فریب کے پھندے لگاتی اور حیلہ سازی کے دام بچھاتی ہے، کس واسطے کہ یہ دوسرے جانوروں کی نسبت دغا بازی میں بڑی استاد اور فریبیوں کی پیشوا ہے ......" (ص ۶)

(۸) مسیح کا نمونہ :- مولفہ ڈاکٹر اسٹاکر صاحب ۔ مفید عام پریس، لاہور ۱۹۰۵ء ص ۱۸۹
اس کتاب میں حضرت مسیحؑ کی تعلیمات سے قطع نظر کر کے صرف آپ کی عملی زندگی کا بیان ہے، اور اسی کو نمونے کے طور پر تقلید کے لئے پیش کیا گیا ہے ۔ مترجم کا نام درج نہیں

(۹) مسیح کی پیروی :- شائع کردہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور ۔ سنہ درج نہیں ۔ ص ۴۴۴ ۔
یہ تامس اے کیمپس کی مشہور کتاب (IMITATION OF CHRIST) کا ترجمہ ہے ۔ مترجم کا نام نہیں لکھا ۔

(۱۰) حل مشکلات :" یعنی خدا اور دنیا کی نسبت مسیحی مذہب کی رائے" حصہ اول۔ (از ریورنڈ جیمس آر (JAMES ORR) مترجمہ پادری طالب الدین۔ نول کشور پریس، لاہور۔ ۱۹۱۱ء۔ ص ۲۰۰۔

(۱۱) یسوع مسیح کا احوال :۔ مولفہ ہنری کار میکر صاحب شائع کردہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور ۱۹۰۵ء۔ ص ۱۹۸۔

"اس کتاب کا ہر ایک لفظ بائبل نوشتوں سے لیا گیا ہے۔ مسیح کی زندگی اور موت کا احوال بھی بلا تغیر اور تبدل چاروں انجیلوں سے اقتباس کیا ہے۔ مختلف حوادث و تمثیلات وغیرہ جیسا کہ ہر ایک رسول نے بیان کی ہے۔ تاریخ وار جمع کی گئی ہے۔" (پیش لفظ)

(۱۲) یسوع مسیح کی گرفتاری اور موت :۔ مولفہ ڈاکٹر جیمس اسٹاکر صاحب شائع کردہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی۔ مفید عام پریس، لاہور۔ ۱۹۰۵ء۔ ص ۳۰۸۔

(۱۳) زندہ مسیح اور اناجیل اربعہ :۔ مصنفہ ڈاکٹر آر۔ ڈبلیو۔ ڈیل صاحب۔ مترجمہ پادری طالب الدین صاحب۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور ۱۹۰۹ء۔ ص ۲۳۲۔

اقتباس از دیباچہ مترجم :۔

"اس علم اور ایجاد کے زمانہ میں وہ لوگ جو مسیح کو نہیں جانتے تعجب کرتے ہیں کہ عیسائی باوجود سائنس کی روشنی کے اس بیسویں صدی میں بھی ان باتوں کو مانتے چلے آتے ہیں جو ان لوگوں کے زعم میں بازیچۂ طفلاں سے بڑھ کر نہیں۔ آر۔ ڈبلیو۔ ڈیل صاحب، ال، ال، ڈی نے اپنی کتاب "زندہ مسیح اور اناجیل اربعہ" کے دیباچہ میں مختصر طور پر ان حملات کی کیفیت رقم کی ہے۔ جو موجودہ زمانہ میں مذہب عیسوی پر کئے گئے ہیں ان کے ملاحظہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مسیحیت کے مخالف کس نظر سے اس

کو دیکھ رہے ہیں۔ صاحب موصوف نے ان کی مخالفت کا خاکہ کھینچنے کے
بعد مدلل اور عام فہم طور پر دکھایا ہے کہ مسیح کے پیرو کیوں اب بھی اس
کے لئے جان دینے کو تیار ہیں۔" (ص۔ ۵)

(۱۴) **مسیح کے خاص دوست**:۔ مصنفہ پادری جے آر۔ ملر صاحب۔ مترجمہ پادری رلیا رام صاحب۔ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، لاہور۔ مطبوعہ مفید عام پریس، لاہور۔ ۱۹۰۷ء۔ ص ۱۴۴۔

(۱۵) **حیات وخطوط پولوس**:۔ مولفہ پادری جے پیٹرسن اسمائتھ صاحب۔ مترجمہ پادری طالب الدین صاحب۔ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی پریس، لاہور ۱۹۳۹ء ص ۲۰۸

(۱۶) **صلیب دلانے والے**۔ مولفہ پادری ڈبلیو۔ ایم۔ رائبرن صاحب ایم۔ اے مترجمہ عبدالمجید خاں بی۔ اے۔ مشعل پریس، کھرڑ ضلع انبالہ ۱۹۴۵ء۔ ص ۸۲۔

(۱۷) **بارہ ضروری سوالات مسیح کے بارے میں**:۔ مصنفہ پادری سی۔ ای میکارٹنی صاحب۔ مترجمہ ڈاکٹر آئی۔ یو۔ ناصر صاحب۔ مرکنٹائل پریس، لاہور ۱۹۲۷ء۔ ص ۲۴۰۔

یہ سوالات حسب ذیل ہیں۔ اُن کے جوابات تفصیل کے ساتھ ایک ایک باب میں دئے گئے ہیں:۔

(۱) کیا مسیح کنواری مریم سے پیدا ہوا۔ (۲) کیا مسیح نے نبوت کو پورا کیا (۳) کیا مسیح کی تعلیم اصلی تھی۔ (۴) کیا مسیح نے معجزے دکھائے (۵) کیا مسیح ابن اللہ تھا (۶) کیا مسیح ہمارے گناہوں کے لئے مرگیا۔ (۷) کیا مسیح مردوں سے جی اٹھا۔ (۸) کیا مسیح آسمان پر صعود کرگیا (۹) کیا مسیح پھر آئے گا۔ (۱۰) کیا یسوع مسیح اور پولوس کی تعلیم میں اختلاف ہے۔ (۱۱) کیا کوئی دوسرا یسوع ہوسکتا ہے۔ (۱۲) کیا مسیح کے نئے مخالف پیدا ہوگئے ہیں۔

(۱۸) **دنیا کا سب سے بڑا ناٹک**:۔ مصنفہ پادری۔ ای سی۔ ڈیوک صاحب۔ مترجمہ نتھانیل نور ماہی وعبدالمجید خاں۔ مشن پریس کھرڑ، ضلع انبالہ ۱۹۴۱ء ص ۷۲۔

کتاب میں انجیل کے واقعات ڈرامے کے طرز میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس کی ترتیب
مطابق ہے۔ ڈرامے میں مکالمے نہیں ہے صرف نظارے دکھائے گئے ہیں مثلاً۔

"پہلا ایکٹ"

"پُر امید آغاز"

"کوئی بڑی بات واقع ہونے والی ہے"

س مرقس مسیح کی پیدائش کا ذکر نہیں کرتا ہو کہ مقدس لوقا اور متی کی انجیلوں
ت ہے۔ مگر ابتدا میں اس کی انجیل کو پڑھنے والوں کی امیدوں میں
س درجہ طوفان پیدا ہو جاتا ہے کہ کچھ واقع ہونے کو ہے جو اپنی
میں معمول کے واقعات سے بالکل نمایاں ہے۔

پہلا نظارہ بر لب یردن

نقیب اور کردار اعلیٰ

س مرقس کی انجیل کی ابتدائی آیات میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے
ت شاہی جلوس گزر رہا ہے اس جلوس کا مقدم شخص یوحنا بپتسمہ
دالا پہلے گزر چکا ہے۔ پس اس سے یقین ہوتا ہے کہ ناٹک کا
اعلیٰ بہت دور پیچھے نہیں ہے۔ جلد ہی وہ سامنے آتا ہے اور یسوعؑ
م سے اس کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ وہ از حد سادہ لباس میں
ن ہے اور اپنے ہی نقیب کا مطیع نظر آتا ہے۔ وہ اسے بپتسمہ دیتا
مگر اس نظارہ کا اختتام یوں ہوتا ہے کہ آسمان سے غیر معمولی قوت
ظاہر ہوتا ہے۔ ایک الٰہی آواز سنائی دیتی ہے جو یسوعؑ کے
ے میں اعلان کرتی ہے "یہ خدا کا بیٹا ہے" (ص ۸-۹)

ماخوذ "یا مسیح موعود کی داستان" تصنیف لیو ویلیس صاحب مترجمہ ۱۹۱

ایل۔ جرمی صاحب۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور۔ مطبوعہ اتحاد پریس، لاہور۔ ۱۹۴۳ء ص ۳۵۶۔

یہ افسانہ انجیل کی ایک کہانی پر مبنی ہے۔

(۲۰) قیامت مسیح:۔ "نو لکھا ہار ۱"۔ مولفہ پادری ٹھاکر داس ایم۔ اے۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ ۱۹۴۰ء ص ۱۱۸۔

اس کتاب کا اصل موضوع یہ ہے کہ "خداوند مسیح کا مردوں سے جی اٹھنا اس کی الوہیت اور خدا کا بیٹا ہونے کا ثبوت ہے۔"

(۲۱) حقوق و فرائض نسواں:۔ مصنفہ پادری جے۔ ایچ۔ آر بن صاحب۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ ۱۹۳۸ء ص ۹۴۔

(۲۲) دعائیں اور مناجاتیں:۔ "خلوتی اور خانگی عبادت کے لئے"، مترجمہ پادری ولیم میچن صاحب۔ شائع کردہ نارتھ انڈیا کرسچین ٹریکٹ اینڈ بک سوسائٹی، الہ آباد مشن پریس الہ آباد۔ ۱۹۳۸ء۔ ص ۱۰۴۔

اس کتاب میں سال کے ہر ہفتے کے لئے علیحدہ علیحدہ دعائیں اور مناجاتیں درج ہیں۔

(۲۳) بہترین مسیحی گھر:۔ مصنفہ مسز ایف۔ ڈی۔ وارث۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ ۱۹۴۳ء۔ ص ۹۶۔

(۲۴) مشنری پیشوا:۔ مترجمہ جے۔ آر چیمبر صاحب۔ شائع کردہ کرسچین لٹریچر سوسائٹی، الہ آباد۔ ۱۹۳۴ء۔ ص ۲۴۸۔

اس میں قرون اولی کے مسیحی مبلغین کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

(۲۵) مسیحی دین اور اخلاق:۔ مصنفہ پادری ہنری ڈیس صاحب۔ مترجمہ پادری جے۔ علی بخش صاحب۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور۔ مطبوعہ مفید عام پریس

لاہور۔ ۱۹۰۵ء۔ ص ۲۱۲۔

اقتباس از تمہید حصہ اول:۔

"مضامین کے اس سلسلے کا مقصد یہ ہے کہ مسیحی عقیدے کے بارے میں جو شہادت انسان کی اخلاقی ذات یا طبیعت سے ملتی ہے اس کو ظاہر کرے اور اس میں ایسے لوگوں کے اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے جو اخلاق کے اعلیٰ فرض کو تو مانتے ہیں لیکن اس امر کا انکار کرتے ہیں کہ مسیحی دین سے کوئی خاص مدد اخلاقی امور میں مل سکتی ہے۔ اس لئے مصنف نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ ہم کو حق اور ناحق کی پہچان حاصل ہے، اور پھر یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ پہچان یا حق و ناحق کی تمیز جو ہمیں حاصل ہے اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ روحانی جہان اور مشخص خدا کے ساتھ ہمارا رشتہ ہے اور ہم میں روحانی تقاضے پائے جاتے ہیں۔ مسیحیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ روحانی تقاضے سوائے مسیحی دین کے پورے نہیں ہو سکتے۔ ساتھ ہی مصنف ان غلطیوں کو دور کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے جو مسیحی تعلیم کے بارے میں پائی جاتی ہیں، اور وہ ظاہر کرتا ہے کہ مسیحی تعلیم انسانی تمیز اور تجربے کے مطابق ہے۔"

(۲۶) یرمیاہ کی سوانح عمری اور تعلیم:۔ از پادری ڈبلیو۔ ایم۔ رائبرن۔ ایم۔ اے
مترجمہ عبدالمجید خان بی۔ اے۔ مطبوعہ مشعل پریس، کھرڑ ۱۹۴۳ء۔ ص ۱۲۲۔

(۲۷) بائبل کو کس طرح پڑھنا چاہئے۔ مصنفہ پادری آر۔ اے ٹوری صاحب۔
مترجمہ پادری طالب الدین صاحب۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور۔ مطبوعہ فیض بخش اسٹیم پریس، فیروز پور شہر۔ ۱۹۰۵ء۔ ص ۱۲۸۔

(۲۸) عہد جدید کی کتابیں:۔ مصنفہ پادری۔ ایچ۔ جی۔ گرے صاحب و پادری۔ ...

علی بخش صاحب۔ نول کشور پریس، لاہور۔ ۱۹۰۹ء۔ ص ۱۹۰۔

"عہد جدید کا بیان

"نئے عہد نامہ کا بیان کرنے میں ہم دو باتوں کو یاد رکھیں۔

(الف) اس جلد میں ایک ہی مصنف کی ایک ہی تصنیف نہیں بلکہ مختلف مصنفوں کی مختلف تصنیفات ہیں، اور اس میں ایک ہی گواہ کی شہادت نہیں بلکہ بہت گواہوں کی، اور وہ الگ الگ ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔ مثلاً چاروں اناجیل مسیح کی زندگی کے علیحدہ علیحدہ بیان ہیں۔ ان کا باہمی مقابلہ کرنے سے واقعات کی صحت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح اگر اعمال کی کتاب کے بیانات کو پولوس رسول کے خطوں سے مقابلہ کریں تو ان کی پوری موافقت ظاہر ہو گی۔ یہ جلد نو مصنفوں کی تصنیفات کا مجموعہ ہے، لیکن تعلیمات کی بڑی بڑی باتوں میں وہ سب یکساں ہیں

(ب) الہام کا مسئلہ یہاں خاص طور پر زیر بحث نہیں۔ کیونکہ اگر بالفرض یہ کتابیں الہامی ثابت نہ ہوں، لیکن جن واقعات کا بیان ان میں قلم بند ہوا ہے وہ تواریخی طور پر ثابت ہو جائیں تو بھی مسیحی دین قابل اعتماد ٹھہرے گا۔ چنانچہ اگر مسیح کی زندگی ایسی ہی پاک گزری جیسا کہ چاروں انجیلوں میں مندرج ہے۔ اور وہ فی الواقعہ مردوں سے جی اٹھا تو اس کے ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کافی طور پر ثابت ہے۔ اس امر کا ذکر اس لئے کیا جاتا ہے کہ مسیحی ہونے کے لئے ان واقعات پر ایمان لانا ضرور ہے نہ کہ کتابوں کے الہام پر، کیونکہ انسان کی نجات مسیح کی موت اور اس کے جی اٹھنے پر موقوف ہے نہ کہ کسی کتاب پر۔

اس رسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اس امر کو جانچیں اور تحقیقات کریں کہ جو بیان ان کتابوں میں مندرج ہے وہ تواریخی طور پر قابلِ اعتبار ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " (ص ۱-۲)

(۲۹) تعلیم المسیح :۔ یعنی اناجیل اربعہ کے مطابق خداوند کی تعلیم کے خاص اصول" مولفہ رائٹ ریورنڈ ڈاکٹر ڈارسی صاحب، لارڈ بشپ آف کلوہر۔ مترجمہ ڈاکٹر آئی۔ یوہ ناصر صاحب۔ رفاہ عام اسٹیم پریس، لاہور۔ سنہ ۱۹۰۸ء۔ ص ۱۴۸۔

"کفارہ کی نسبت ہمارے خداوند کی تعلیم کا خلاصہ

"ہمارے خداوند کی تعلیم میں کفارہ سے مراد اس نجات سے ہے جو انسان مسیح کی موت کے ذریعہ گناہ سے حاصل کرتا ہے۔ یہ گناہوں کی معافی جو مسیح کی موت اور خون بہانے سے ملتی ہے۔ یہ محبت کا اظہار ہے کیونکہ محبت اپنے آپ کو اس قربانی سے بڑھ کر ظاہر نہیں کر سکتی جس سے انسان اپنی جان اپنے دوستوں کے لئے قربان کر دیتا ہے یہ ہے جان کو کھونا تاکہ اس کو دوبارہ حاصل کیا جائے۔ یہ ہے گیہوں کا دانہ جو مرنے کے بعد زمین میں گر جاتا ہے اور موت کے ذریعے بہت سا پھل لاتا ہے (یوحنا ۱۲ : ۲۴)۔ یہ مسیح کی زندگی کے بھاری مدعا کی پوری تکمیل کے لئے ایک ضروری قدم ہے۔ وہ اس لئے ظاہر ہوا کہ ابلیس کے کاموں کو مٹائے (۱ یوحنا ۳ : ۸) اور راستبازی اور محبت کی بادشاہت ہمیشہ کے لئے قائم کرے، اور یہ مدعا فقط کفارہ ہی کے ذریعے سے پورا ہو سکتا تھا۔" (ص ۱۲۴)

(۳۰) تحقیق بائبل :۔ یعنی بائبل کس طرح پیدا ہوئی اور اس کی خاصیت کیا ہے" جو اسکاٹ لینڈ کے نامور پروفیسر ڈاڈز صاحب ڈی۔ ڈی کے اُن مشہور لیکچروں سے تیار

کی گئی ہے جو صاحب موصوف نے امریکہ کے طلبہ کو دئے تھے " شائع کردہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور۔ نول کشور پریس، لاہور۔ ۱۹۱۱ء۔ ص ۱۵۵۔

(۳۱) حیات المسیح :۔ مولفہ پادری طالب الدین صاحب۔ مسیحی پریس، لاہور۔ ۱۹۲۴ء ص ۱۴۲۔

(۳۲) مذہب کی نسبت ایک بحث :۔ از ڈبلیو۔ الیف۔ جانسن صاحب، ڈی، ڈی شائع کردہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور۔ مسیحی پریس، لاہور۔ ۱۹۲۳ء۔ ص ۳۱۔

اس مختصر رسالے میں مصنف نے عیسائی مذہب قبول کرنے کے فائدے بیان کئے ہیں۔ بحث ایک مسیحی واعظ اور ہندوستانی دیہاتی کے درمیان مکالمے کی صورت میں ہے۔

(۳۳) حقیقی دوست :۔ مولف کا نام درج نہیں۔ شائع کردہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی لاہور۔ مطبوعہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ بار سوم، ۱۹۳۶ء۔ ص ۹۶۔

" اس چھوٹی سی کتاب میں مسیح یسوع ناصری کی زندگی کے خاص واقعات سیدھے سادہ الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کتاب اناجیل میں سے بعض منتخب کردہ حصول کا مجموعہ ہے " (از دیباچہ)

(۳۴) مُسرف بیٹا (ڈرامہ)۔ از پادری بالا سنگھ چندر۔ مطبوعہ کوآپریٹیو کیپٹل پرنٹنگ پریس، لاہور۔ بار دوم، ۱۹۳۹ء۔ ص ۴۸۔

(۳۵) انجیل مقدس کے چیدہ چیدہ مضامین مع حوالجات۔ شائع کردہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ بار دوم، ۱۹۲۸ء۔ ص ۲۱۔

" اس رسالہ میں انجیل کے بارہ ضروری مضامین کا ذکر کیا گیا ہے، اور وہ مندرجہ ذیل ہیں :۔

(۱) خدا (۲) یسوع مسیح (۳) پاک روح (۴) گناہ (۵) نجات کی شرائط
(۶) نجات (۷) تقدیس۔ (۸) خدا کی یا آسمان کی بادشاہت (۹) دعا۔
(۱۰) دنیا۔ (۱۱) محبت (۱۲) آئندہ زندگی۔"

(۳۶) انجیلی اخلاق کا معاشرتی اطلاق:۔ مصنفہ پادری فریڈرک اسپنسر ایم۔ اے
مطبوعہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی پریس۔ لاہور ۱۹۳۲ء۔ ص ۱۹۔

اس مختصر رسالے میں دکھایا ہے کہ موجودہ زمانے میں بھی انجیل کی تعلیم معاشرت کی
صحیح رہنمائی کر سکتی ہے۔

(۳۷) چھوٹا منہ بڑی بات:۔ "ہاتھ، کان، آنکھ اور زبان کا دلچسپ مناظرہ" شائع کردہ
پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور۔ مطبوعہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ بار پنجم،
۱۹۳۲ء۔ ص ۱۳۔

اس مناظرے میں ہر فریق اپنی برتری کے ثبوت میں انجیل کا کوئی قول پیش کرتا ہے۔

(۳۸) اصلاح اخلاق:۔ مصنفہ ڈاکٹر جان مرڈک صاحب۔ شائع کردہ کرسچین لٹریچر
سوسائٹی فار انڈیا۔ مشن اسٹیم پریس، لدھیانہ ۱۹۰۱ء۔ ص ۶۰۔

اس کتاب میں ہندوستانیوں کی اصلاح کے لئے اخلاق کے مختلف پہلوؤں سے
بحث کی گئی ہے، مثلاً:

"اخلاقی دلیری کیونکر حاصل ہوتی ہے۔
اپنی عادت ایسی بناؤ کہ دوسروں کے دست نگر نہ ہو بلکہ اپنے لئے خود
فیصلہ کرو۔ ہر ایک عملی سوال کو خوب سوچ سمجھ کر طے کرو۔ اگر ممکن ہو تو عملی
نتیجہ پر پہونچ کر عزم بالجزم کر لو۔ جب کوئی آزمائش سامنے آئے تو پختہ
ارادہ سے نہیں کہو۔ اور جب جاں نثاری کا فرض تمہارے سامنے
آئے تو مستقل مزاجی سے، ہاں کہو جس کام کے جواز کی پروانگی تمہارا

ضمیر اور رائے صائب دیدے اس کو فی الفور جاں فشانی اور مستعدی سے
انجام دو۔ پہلو تہی کرنے کی رغبت کو دل کے اندر داخل ہونے سے روکو۔"
"تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کی عام اخلاقی کمزوری کی کیا وجہ ہے؟
اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں، رشتہ داروں، اپنے آرام و آسائش
اور لوگوں کی واہ واہ کا زیادہ خیال کرتے ہیں۔ مگر وہ خدا کا ذرا بھی خیال
نہیں کرتے۔" (ص ۴۹۔۵۰)

(۳۹) **بائبل کے مجازی الفاظ:۔** مرتبہ ریورنڈ قاضی خیر اللہ صاحب۔ گیلانی الیکٹرک پریس، لاہور ۱۹۲۶ء۔ ص ۲۲۔

اس رسالے میں توریت اور انجیل کے مجازی الفاظ حروف تہجی کی ترتیب سے درج کر کے ان کے مفہوم لکھے ہیں، مثلاً:۔

اژدہا:۔ (۱) خطرہ (مزمور ۹۱/۱۳) (۲) ابلیس (مکا ۱۲/۹)
اژدہا دریائی:۔ مصر۔ مصر کا بادشاہ (یسعیا ۲۷/۱)
چہرہ:۔ (۱) رضامندی (مزمور ۴/۶)۔ (۲) بیدینوں کی سخت دلی (یر ۵/۳)
چھڑی:۔ حفاظت و ہدایت (مزمور ۲۳/۴)
شہر:۔ قوم۔ اُمت کلیسیا (متی ۵/۱۴)
صنوبر:۔ ممتاز شخص (یسعیا ۱۴/۸ و زکریا ۱۱/۲)

(۴۰) **مذہب اور اخلاق:۔** از پروفیسر لطفی لیوونیان۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی پریس، لاہور ۱۹۳۶ء۔ ص ۲۱۔

پروفیسر لطفی لیوونیان بیروت کے ایک مشہور مسیحی عالم ہیں۔ ان کے سولہ چھوٹے چھوٹے رسالے پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور، نے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کئے ہیں ان میں سے گیارہ مجھے مل سکے جن کی فہرست ذیل میں درج ہے۔ اقتباسات طوالت کے

خوف سے پیش نہیں کئے جاتے۔ صرف ایک رسالہ "مذہب اور اخلاق"، کا آخری ٹکڑا یہاں نقل کیا جاتا ہے:-

"خداوند یسوع مسیح نے ایمان اور اخلاق کے باہمی تعلق کو بڑی خوبی اور وضاحت کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے کہ "جو کوئی میری یہ باتیں سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے وہ اس عقلمند آدمی کی طرح ٹھہرے گا جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا، اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر پر ٹکریں لگیں، لیکن وہ نہ گرا، کیونکہ اس کی بنیاد چٹان پر ڈالی گئی تھی۔ اور جو کوئی میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا وہ اس بیوقوف آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے اپنا گھر ریت پر بنایا، اور مینہ برسا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر کو صدمہ پہونچا اور وہ گر گیا اور بالکل برباد ہو گیا۔"

مسیح کے نزدیک ایمان بغیر عمل یا اخلاق کے بے معنی ہے، اور اعمال یا اخلاق بغیر ایمان کے ناممکن۔ لیکن سچ پوچھئے تو انسان کی سیرت گناہ کی وجہ سے جو "اس کے اندر بسا ہوا ہے"، ایسی بگڑ چکی ہے کہ اس کے لئے نیک اخلاق ناممکن ہیں۔ خداوند یسوع مسیح کے فرمان کے مطابق "بُرا درخت اچھا پھل نہیں لا سکتا۔" لیکن جب ہم اس حقیقی انگور کے درخت میں جو مسیح خود ہے پیوند ہو جاتے ہیں اور اُس کی زندگی اور طبیعت ہم میں آجاتی ہے تو ہم اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کے اہل بن جاتے ہیں اور انجیل کی اصطلاح کے مطابق ایک نئی زندگی حاصل کرتے ہیں۔ لیکن یہ نئی زندگی صرف مسیح پر ایمان لانے سے مل سکتی ہے۔" (ص ۲۱)

پروفیسر موصوف کے دوسرے رسائل حسب ذیل ہیں۔

(۴۱) مذہب میں اختیار و اقتدار کا درجہ	ضخامت	ص	۱۹
(۴۲) مذہب اور امن و صلح	"	"	۱۶
(۴۳) مذہب اور دعا	"	"	۱۱
(۴۴) مذہب میں عقل کا درجہ	"	"	۱۷
(۴۵) مذہب اور معاشرتی مسائل	"	"	۱۶
(۴۶) مذہب میں منبع قدرت	"	"	۱۷
(۴۷) مذہب و سائنس	"	"	۱۵
(۴۸) مذہب کا معیار	"	"	۲۲
(۴۹) خودداری	"	"	۱۸
(۵۰) حریت	"	"	۱۶

جو رسائل مجھے دستیاب نہیں ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔
"خدا کون ہے"، "مذہب کیا ہے"۔ "ابتدائے مذہب"، "گناہ کیا ہے"۔ "خدا پر ایمان رکھنا کیا ہے۔"

منظومات

(۱) نظم المزامیر:۔ زبور کا منظوم ترجمہ۔ مترجم کا نام درج نہیں۔ مطبوعہ مشن اسٹیم پریس لودیانہ۔ ۱۹۱۵ء۔ ص ۳۰۴۔

زبور جیسی بلند پایہ کتاب کا یہ منظوم ترجمہ نہایت غیر شاعرانہ ہے۔ مترجم کا عجز بیان ایک ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) **زمزمہ تبلیغ** :۔ از منشی کیدار ناتھ منت۔ ۱۹۲۹ء۔ ص ۱۶۔

"یہ نظم اخوت اندراسیہ پنجاب کے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور

میں پڑھی گئی۔"

(۳) ذکرِ مصلوب:۔ از منشی کیدار ناتھ منت۔ گیلانی الکٹرک پریس، لاہور ۱۹۲۳ء ص ۵۔

اس مسدس کے دو بند یہاں نقل کئے جاتے ہیں:۔

جب کہ مصلوب اسے کرتے تھے جلاد شقی | مرد شاگرد تو موجود نہ تھے نام کو بھی
عورتیں آئی تھیں کچھ ہمت مردانہ جو تھی | نالہ کرتی تھیں اور اشکوں سے بہاتی تھیں ندی

قبروں کے سوتے ہوئے چونک پڑے جاگ اُٹھے
شورِ محشر تھا بپا شہر کے رخ بھاگ اُٹھے

کر لیا کام جو ڈائی کا جو حدّادوں نے | باقی شدت نہ کوئی رہنے دی شدّادوں نے
کر لی بیداد جو کر سکتے تھے بیدادوں نے | پھر صلیب اس کی کھڑی گاڑ دی جلادوں نے

آ دا ب دیکھ تو تصویرِ مجسّم غم کی
سانپ نے کاٹ لی ایڑی پسرِ آدم کی (ص ۴۴)

(۴) جج کا فرض :۔ ایک اخلاقی قصۂ منظومہ منشی کیدار ناتھ منت۔ واشنگٹن پرنٹنگ پریس، لاہور ۱۹۲۹ء ص ۱۲۔

(۵) ستم ہامان :"یعنی فریب شیطان" از منشی کیدار ناتھ منت۔ واشنگٹن پرنٹنگ پریس، لاہور ۱۹۲۹ء ۔ص ۲۰۔

(۶) فریادِ منتظر :۔"یعنی خداوند مسیح کی آمد ثانی پر ایک دل گداز نظم" از مولوی صفدر علی صاحب صفدر۔ گیلانی الیکٹرک پریس، لاہور ۱۹۲۷ء ۔ص ۱۵۔

"آں خداوند کی آمد اول کی یادگار اور آمد ثانی کا انتظار"

جلد آ، ماہِ کرامت جلد آ | جلد آ، مہرِ صداقت جلد آ
کاٹے کٹتی ہی نہیں فرقت کی رات | جلد آ، اے صبحِ وصلت جلد آ

موت کے سایہ میں ہم بیٹھے ہیں سب
جلد آ، نورِ قیامت جلد آ

سید دوراں، امام المتقین　　　مقتدائے اولین و آخرین
رہنمائے گمرہان راہ دین　　　پیشوائے صالحین و صادقین
بادشاہ انبیا و مرسلیں
جلد آ، دُرج رسالت جلد آ

(۷) نیک سامری :- از پادری رحمت مسیح صاحب واعظ۔ گیلانی الکٹرک پریس، لاہور ۱۹۲۶ء۔ ص ۱۵۔

(۸) قتل یوحنا :- از پادری رحمت مسیح صاحب واعظ۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ ۱۹۲۶ء۔ ص ۱۱۔

(۹) عزیب الوطن شاہزادہ :- منظومہ پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی۔ گیلانی الکٹرک پریس، لاہور۔ ۱۹۳۰ء۔ جیبی تقطیع۔ ص ۲۳۔

جناب شاکر ایک مشہور اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ اس مسدس میں انھوں نے دکھایا ہے کہ دنیا پر جب گناہوں کا اندھیرا چھا جاتا ہے اور نور ایمان کافور ہو جاتا ہے تو عالم بالا کا شاہزادہ (یسوع مسیح) اپنے وطن کے عیش و عشرت کو چھوڑ کر نزول اجلال فرماتا ہے اور اس ظلمت کدے کو پھر اپنے انوار تجلیات سے منور کر دیتا ہے۔ نمونۂ کلام کے لئے چند بند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

کہوں کیا آہ تجھ سے ایک دن کا واقعہ ہمدم　　　کہ شیرازہ زمیں کا یک بیک ہونے لگا برہم
دلوں پر دولت عصیاں کا یکایک چھا گیا عالم　　　اُجڑ کر بزم شادی بن گئی دم میں صف ماتم
زمیں پر چھا گئی ظلمت کچھ ایسا انقلاب آیا
فروغ نور ایماں کا گہن میں آفتاب آیا

گناہوں کا ہوا کچھ ایسا ہنگامہ بپا آخر　　　سراسیمہ نظر آنے لگی خلق خدا آخر
سحاب معصیت میں مہر ایقاں چھپ گیا آخر　　　زمیں کے دل سے ہیبتناک نکلی اک صدا آخر

یکایک عالم بالا پہ آہ غم نشیں پہونچی
حضور شاہزادہ عرض حاجت کو زمیں پہونچی

یہ عالم دیکھ کر آنکھوں سے آنسو ہو گئے جاری — نہ پوچھو کچھ جو رقت قلب نازک پر ہوئی طاری
فرشتوں سے کہا مخلوق کی ہی شرط غم خواری — گناہوں کی نجاست سے ہاوتشا ہے زمیں ساری

تیا ہی مجھ سے اب دیکھی نہیں جاتی ہے دنیا کی
ہوئی حالت دگرگوں غم سے قلب ناشکیبا کی (ص ۱۲-۱۳)

- -

اُتر کر پھر فضائے عرش سے وہ آنے والا ہے — ہمیں خلد بریں کو ساتھ پھر لیجانے والا ہے
جمال پاک اپنا ہم کو پھر دکھلانے والا ہے — دلوں میں شعلہ نور ازل چمکانے والا ہے

حجاب شوق حائل گو ابھی شاکر ہے دوری سے
شرف پھر بخشنے والا ہے وہ ہم کو حضوری سے (ص ۲۳)

(۱۰) سبدا اور غزلیں :- مولفہ پادری اے۔ پی۔ نیوٹن صاحب۔ شائع کردہ امریکن ٹریکٹ سوسائٹی۔ مشن اسٹیم پریس، لودیانہ۔ بار سوم، ۱۹۲۰ء۔ ص ۰۷۔

یہ اردو غزلوں اور پنجابی نظموں کا مجموعہ ہے جن میں مسیحی تعلیمات پیش کی گئی ہیں۔

(۱۱) مجموعہ غزلیات :- شائع کردہ نارتھ انڈیا کرسچین ٹریکٹ اینڈ بک سوسائٹی الہ آباد، مطبوعہ مشن پریس، الہ آباد۔ اٹھارہواں ایڈیشن ۱۹۴۶ء۔ ص ۲۳۔

غزلوں کے اس مجموعے میں بھی مسیحیت کی تبلیغ کی گئی ہے۔

(۱۲) بھجن سنگرہ :- ہندی بھجنوں (بخط فارسی) اور اردو غزلوں کا مجموعہ، مطبوعہ انڈین پریس، الہ آباد۔ پندرہواں ایڈیشن ۱۹۳۳ء۔ ص ۳۲۔

غزل ۴۵

مجھے اے مسیحا تری جستجو ہے — ترا ذکر ہے اور تری گفتگو ہے

گناہوں کے داغوں کو دھوتا ہی ہر دم — ترا کیا مبارک مقدس لہو ہے
ازل سے رہا اور ابد تک رہے گا — میان دو عالم فقط تو ہی تو ہے
ہر اک شے میں ہو رنگ اعجاز پیدا — ہر اک جا ترے نخل قدرت کی بو ہے
گناہوں سے گو جامۂ دل ہے میلا — لہو تیرا کافی پئے شُستست و شو ہے
کرم بندۂ زار پر کر مسیحا — مرا حال تجھ پر عیاں مو بمو ہے

(۱۳) سیالکوٹ کنونشن گیت کی کتاب:۔ پنجاب رلیجس بک سوسائٹی پریس، لاہور۔ بار سوم، ۱۹۴۵ء۔ ص ۱۷۶۔

اس میں اردو اور پنجابی دونوں زبانوں کی نظمیں شامل ہیں۔

(۱۴) راحت دل:۔ از پادری رحمت مسیح واعظ۔ پنجاب رلیجس بک سوسائٹی پریس لاہور۔ تیراھواں ایڈیشن ۱۹۳۹ء۔ ص ۲۱۴۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں پنجابی گیت اور غزلیں ہیں، دوسرے میں ہندوستانی گیت اور غزلیں۔

بچوں کی کتابیں

(۱) بائبل کے لڑکے:۔ شائع کردہ میتھوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس۔ لکھنؤ۔ ۱۹۳۰ء۔ ص ۳۱۔

یہ چھوٹی تقطیع کی چھوٹی سی کتاب بچوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ مختلف نبیوں کے مختصر حالات ایک ایک صفحے میں لکھ کر سامنے کے صفحے پر اُس نبی کی تصویر بھی دے دی گئی ہے بچوں کی رعایت سے عبارت جلی خط میں ہے۔ چند ٹکڑے بطور نمونہ یہاں درج کئے جاتے ہیں:

"میرے ماں باپ کے پاس اولاد نہ تھی۔ بہت عرصہ کے بعد جب میں پیدا ہوا میرے ماں باپ کو بہت خوشی ہوئی۔ وہ مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ ایک دن خدا نے میرے باپ سے کہا کہ وہ مجھے قربان کرے۔

جب میرے باپ نے یہ بات سُنی تو وہ مجھے چپ چاپ سے قربانی
چڑھانے کے لئے لے گیا۔ تو خدا کا فرشتہ آیا اور میں بچ گیا۔ بتاؤ میں
کون ہوں؟" (ص ۲)

"میرا باپ مشہور تھا۔ وہ مجھے بہت پیار کرتا تھا۔ میں اپنے اوپر فخر کرتا تھا
کیوں کہ میں بہت خوبصورت تھا۔ میں چاہتا تھا کہ میں اپنے باپ کی جگہ
بادشاہ ہو جاؤں۔ جب لوگ میرے باپ کے پاس انصاف کے لئے
آتے تھے تو میں ان کو اپنی طرف کر لیتا تھا۔ جس چیز پر میں فخر کرتا تھا
اُسی سے میری موت ہوئی۔ بتاؤ میرا نام کیا تھا؟" (ص ۱۴)

"میری پیدائش بیت اللحم میں ہوئی۔ گڈریے اور مجوسی مجھے دیکھنے آئے
بعد میں ناصرہ میں رہتا تھا۔ وہاں کے پہاڑوں کے پھولوں کو بہت
پسند کرتا تھا۔ میں گنہگاروں اور لڑکوں کا دوست تھا۔ میرا دنیا میں
پیدا ہونا بہت مبارک ہوا۔ بچو بتاؤ میں کون ہوں؟" (ص ۳۰)

(۲) ملکُ المحبت :۔ مولفہ مس سی۔ ای۔ پیڈوک۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی
پریس، لاہور ۱۹۳۶ء ص ۱۵۴۔

یہ کتاب ایک انگریز خاتون نے لکھی ہے جس کا ترجمہ ہندوستانی بچوں کے لئے
اردو زبان میں کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ کی زندگی کے واقعات کہانیوں کے پیرائے
میں بیان کئے گئے ہیں۔ خط جلی ہے اور زبان سلیس، مگر بچوں کے لئے پھر بھی کسی قدر
مشکل ہے۔

(۳) واقعات بزرگان بائبل :۔ شائع کردہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی، لاہور
مسیحی پریس، لاہور ۱۹۲۲ء۔ ص ۲۳۔

(۴) یسوع مسیح کی زندگی :۔ مولفہ پادری جلال الدین صاحب۔ مشعل پریس،

کھرڑ، ضلع انبالہ۔ ص ۱۱۲۔

"خداوند نے کیا کہا

"مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں، کیونکہ آسمان کی بادشاہت انہیں کی ہے۔
"مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں، کیونکہ وہ تسلی پائیں گے۔
مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں، کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔
مبارک ہیں وہ جو راستی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے
مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں، کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا۔
مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں، کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے
مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں، کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔" (ص ۷۹)

(۵) **پولس کی زندگی :۔** مولفہ پادری جلال الدین صاحب۔ مشعل پریس، کھرڑ ضلع انبالہ۔ ۱۹۴۲ء۔ ص ۱۰۰۔

(۶) **مرقس کی انجیل پر سوالات :۔** شائع کردہ امریکن ٹریکٹ سوسائٹی، مطبوعہ مشن اسٹیم پریس، لودیانہ۔ ۱۹۱۵ء۔ ص ۴۶۔

یہ کتاب سوالات کے پیرائے میں لکھی گئی ہے۔ ان سوالوں کے جواب نہیں دئے گئے ہیں بلکہ ہر سوال کے بعد انجیل کی اُس آیت کا نمبر دے دیا گیا ہے۔ جس میں اس کا جواب مل سکتا ہے۔ مثلاً پہلے باب کے شروع کا ایک ٹکڑا حسب ذیل ہے :۔

"۱۔ جب مسیح دنیا میں ظاہر ہوا تو اس سے کچھ دن پہلے کون پیغمبر آیا ؟ (۴)
۲۔ پچھلے پیغمبروں کی معرفت خدا نے یوحنا کے آنے کی کیا خبر دی تھی ؟ (۲و۳)
۳۔ یوحنا کہاں ظاہر ہوا ؟ (۴)
۴۔ بیابان میں وہ کیا کرتا تھا ؟ (۴)
۵) کہاں کہاں کے لوگ اس کے پاس جمع ہوتے تھے ؟ (۵)"
- (ص ۱)

(۷) بائبل کے تدریجی سبقوں کی دوسری کتاب :۔ مصنفہ پادری اے سی کلیٹن صاحب شائع کردہ کرسچین لٹریچر سوسائٹی، الہ آباد، انڈین پریس، الہ آباد ۱۹۳۶ء ص ۳۷۲

" اس کتاب کے پانچ مقاصد

"۱۔ بچے کی یادداشت کو کہانیوں کے ذریعے سے تازہ کرنا۔

۲۔ کہانیوں کے ذریعہ سے بچے کو محسوس کرانا کہ خدا ہمارا آسمانی باپ ایک حقیقی اور شخصی خدا ہے جو ہم میں سے ہر ایک کی حفاظت کرتا ہے اور ہر ایک کو پیار کرتا ہے۔

۳۔ بچوں کو اس امر کے معلوم کرنے میں معاونت کرنا کہ یسوع کس طرح نیکی کرتا تھا۔

۴۔ بچوں میں خواہش پیدا کرنا کہ چونکہ یسوع مسیح رحم دل اور مہربان ہے اس لئے ان پر فرض ہے کہ وہ اس کی تلاش اس کی شناسائی حاصل کرنے کی غرض سے کریں اور اس کی مبارک مرضی پر چلیں۔

۵۔ بچوں کو اس امر کے معلوم کرنے میں مدد دینا کہ خدا ہمارا آسمانی باپ یسوع مسیح کے وسیلہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم وہ راستہ جانیں جس پر وہ ہمیں چلانا چاہتا ہے، اور اس لئے ہم اس کے نقش پا پر چلیں "

(اقتباس از دیباچہ)

(۸) بائبل کے تدریجی سبقوں کی تیسری کتاب :۔ مصنفہ پادری اے سی کلیٹن صاحب، کرسچین لٹریچر سوسائٹی الہ آباد، مطبوعہ انڈین پریس، الہ آباد ۱۹۲۶ء ص ۳۱۸۔

(۹) بائبل کے تدریجی سبقوں کی چوتھی کتاب :۔ مصنفہ پادری اے سی کلیٹن صاحب کرسچین لٹریچر سوسائٹی، الہ آباد، مطبوعہ مشن پریس، الہ آباد ۱۹۲۶ء ص ۴۴۰۔

عیسائیوں نے درسی کتابوں کے ذریعے سے بھی جو اسکولوں میں پڑھائی جاتی تھیں بچوں

کو مذہب و اخلاق کی تعلیم دی ہے۔ مثلاً اردو ریڈروں کا مندرجہ ذیل سلسلہ:۔

(۱۰) اردو کی پہلی کتاب:۔ شائع کردہ پنجاب رلیجس بک سوسائٹی، لاہور، مطبوعہ مفید عام پریس، لاہور۔ ص ۴۵۔

اس میں پہلے حروف تہجی دیے گئے ہیں پھر حرفوں کے ملانے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ اس کے بعد چھوٹے چھوٹے جملے ہیں انہی میں موقع موقع سے مسیحی تعلیمات درج ہیں جیسے:۔

"سب کے ساتھ نرمی سے کلام کرو۔ ماں باپ کی خدمت کرو اور ان کے تابع رہو۔ غریب کا دل ہاتھ میں لانا لازم ہے .... بدی سے باز آ اور نیکی کا پیچھا کر۔ بدی کے عوض کسی سے بدی نہ کرو .... جو تھوڑا بوتا ہے وہ تھوڑا کاٹے گا۔ جو بہت بوتا ہے وہ بہت کاٹے گا۔" (ص ۳۴)

(۱۱) اردو کی دوسری کتاب:۔ مطبوعہ انڈین کرسچین پریس، الہ آباد ۱۹۰۵ء ص ۹۶۔

اس کتاب میں بہتّر سبق ہیں جو اخلاقی نصائح، عام معلومات اور مسیحی تعلیمات پر مشتمل ہیں۔

(۱۲) اردو کی تیسری کتاب:۔ شائع کردہ پنجاب رلیجس بک سوسائٹی لاہور، امریکن مشن پریس، لودیانہ۔ بار سوم، ۱۸۹۰ء جیبی تقطیع۔ ص ۲۴۰۔

اس میں بھی عام معلومات کے مضامین کے علاوہ مذہبی اور اخلاقی تعلیمات شامل ہیں۔ مثلاً ستائیسویں سبق میں "بت پرستی کا بیان" ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

"یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر کسی لڑکے کو بھوک لگے تو وہ روٹی مانگنے کو کس کے پاس جائے گا۔ اگر وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے پاس نہ جائے تو کیا اس کو روٹی ملے گی۔ یا اگر ان کے پاس جانے کے بدلے وہ کسی پتھر سے روٹی مانگے تو کیا روٹی پائے گا۔ کیا پتھر اس کو کچھ دے سکے گا۔ کیا وہ اس کی بات سن سکے گا، یا اس سے یہ کہہ سکے گا کہ فلاں جگہ روٹی رکھی

ہے وہاں سے جاکے نکال لو۔ یا کیا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ آ میں تجھ کو روٹی دوں ہرگز نہیں۔ آج تک کسی نے نہ کبھی یہ دیکھا نہ کبھی یہ سنا ہے کہ پتھر کسی سے بولا ہو یا کسی کو کچھ دیا ہو۔

بت پرستی بڑی بے جابات ہے۔ عبادت اور پرستش صرف خدا کا حق ہے۔ وہ ہر وقت ہماری دعا کو سنتا ہے اور ہماری ہر حال میں مدد کرتا ہے"

(ص ۶۲-۶۵)

(۱۳) خطوط بنام طفلان خُرد:۔ "یعنی خطوط چھوٹے لڑکوں کے لئے ان کے باپ کی طرف سے جن کو جیمس بارنے بس نے واسطے فائدہ طلبا دسنڈے اسکول کے زبان انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا۔"

مطبوعہ متھوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس۔ لکھنؤ ۱۸۸۷ء۔ ص ۶۷۔

(۱۴) ہدایت اطفال:۔ شائع کردہ متھوڈسٹ پبلشنگ ہاوس لکھنو۔ دسواں ایڈیشن، ۱۹۰۱ء ص ۵۲

یہ نظم و نثر میں اخلاقی اور مذہبی مضامین کا ایک مختصر مجموعہ ہے۔

(۱۵) شکر کہانیاں :۔ حصہ اول۔ از پادری رحمت مسیح صاحب واعظ۔ مطبوعہ امرت الیکٹرک پریس، لاہور ۱۹۳۳ء۔ ص ۴۰۔ چھوٹی تقطیع۔

اس کتاب میں اخلاقی سبق کہانیوں کے پیرائے میں دئے گئے ہیں۔ یہ کہانیاں انجیل کی روائتوں پر مبنی ہیں۔

(۱۶) ہمارا خدا ہمارے ساتھ:۔ مطبوعہ مشعل پریس، کھرڑ ضلع انبالہ بار دوم ۱۹۴۲ء۔ ص ۴۸۔

" یہ کتاب مس آر۔ ای۔ رابنسن صاحبہ کی انگریزی کتاب "دی چلڈرنز لائف آف کرائسٹ

سے چند ایک تبدیلیوں کے ساتھ اردو میں ترجمہ کی گئی ہے"
ایک اقتباس حسب ذیل ہے۔

"خداا یسو یسوع مسیح کی کچھ مثالیں۔

"بیج بونے والے کی مثال۔

"یسوع اکثر مثالیں سنایا کرتا تھا۔ مثالیں وہ کہانیاں ہوتی ہیں جن کا مطلب چھپا ہوتا ہے۔ اس نے بیج بونے کی ایک مثال دی اور کہا کہ ایک بیج بونے والا بیج بونے نکلا، اور بوتے وقت کچھ راہ کے کنارے گرا اور پاؤں کے نیچے رگڑا گیا اور ہوا کے پرندوں نے آکر اُسے چگ لیا اور کچھ پتھر والی زمین پر گرا اور اُگا، مگر گیلا نہ ہونے کی وجہ سے سوکھ گیا۔ اور کچھ جھاڑیوں میں گرا، اور جھاڑیوں نے ساتھ ساتھ بڑھ کر اُسے دبا لیا۔ اور کچھ اچھی زمین پر گرا، اور اس نے اُگ کر سو گنا پھل دیا۔

اس مثال کا مطلب یہ ہے کہ بیج خدا کا کلام ہے جو راہ کے کنارے گرا وہ کلام ہے جس کو لوگ سنتے تو ہیں پر کام میں نہیں لاتے۔ اور جو پتھر والی زمین پر گرا وہ کلام ہے جس کو لوگ تھوڑی دیر تک تو مان لیتے ہیں لیکن پھر جلد بھول جاتے ہیں۔ اور جو جھاڑیوں میں گرا وہ کلام ہے جس کو لوگ مان لیتے ہیں۔ مگر دنیا کے فکر یا دولت کے سبب سے اس پر قائم نہیں رہتے اور جو اچھی زمین میں گرا وہ کلام ہے جس کو لوگ مان لیتے ہیں اور نیک دل میں سنبھالے رہتے اور صبر سے پھل لاتے ہیں[عہ]"

عہ بالکل یہی مثال کتاب "بوذاسف وبلوہر" میں ملتی ہے۔ یہ سنسکرت کی ان قدیم کتابوں میں سے ہے جن کا ترجمہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں عربی میں ہوا تھا۔ اس میں گوتم بدھ کے حالات

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

زندگی تمثیلی حکایات کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ بوذاسف، بدھ کی عربی شکل ہے اور بلوہر اس جوگی کا نام ہے جس کی عارفانہ تلقین سے بدھ نے شہزادگی کے عیش و آرام کو چھوڑ کر غربت اور مسکنت کی زندگی اختیار کی تھی۔ "بوذاسف و بلوہر" کی عبارت جس میں بیج بونے والے کی مثال بیان ہوئی ہے۔ مندرجہ ذیل ہے :-

"بیج بونے اور اُگنے کی مثال"

" بلوہر نے کہا کہ سب سے اچھا علم وہ ہے جو خدائے پاک کو پہچاننے اور اچھے کام کرنے کی راہ بتائے۔ اس لئے میں جو کچھ تجھ سے بیان کرتا ہوں اس کو سمجھ کسان عمدہ بیج لیکر بونے کے لئے نکلتا ہے اور مٹھی بھر بھر کر کھیت میں بکھیرتا ہے ان میں سے کچھ تو کھیت کی مینڈوں پر گرتے ہیں جو بہت جلد چڑیوں کا رزق ہوتے ہیں اور کچھ ایسے پتھر پر گرتے ہیں جس پر تھوڑی سی مٹی اور کسی قدر نمی ہوتی ہے۔ یہ دانے اگتے تو ہیں مگر جب ان کی جڑیں پتھر تک پہنچتی ہیں تو سوکھ جاتے ہیں اور کچھ پرخار زمین پر گرتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں بالیں نکلتی ہیں اور پھلنے کو آتی ہیں تو کانٹے ان کی گردنیں دبا کر سکھا ڈالتے اور ضائع کر دیتے ہیں۔ اور ان میں سے تھوڑے اچھی پاک و صاف زمین پر گرتے ہیں جو محفوظ رہ کر نشو و نما پاتے اور بخوبی پروان چڑھتے ہیں اس کی تشریح یہ ہے کہ کسان تو حکمت جاننے والے ہیں اور عمدہ دانے ان کے پند و نصائح ہیں اور وہ دانے جو مینڈوں پر گرتے اور جن کو چڑیاں چگ جاتی ہیں وہ نصیحتیں ہیں جو کانوں ہی تک پہونچ کر رہ جاتی اور دل تک نہیں پہنچتی ہیں اور جو دانے پتھر کی نمناک مٹی پر گر کر اُگتے ہیں اور بعد میں ان کی جڑیں پتھر پر پہونچ کر سوکھ جاتی ہیں۔ وہ، وہ باتیں ہیں جن کو کسی شخص نے جی لگا کر

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ سلسلہ گزشتہ)

سنا اور اچھا جانا اور اپنی سمجھ سے ان کو پہچانا ہو۔ مگر ان پر عمل کرنے کے ارادہ سے ان کو گرہ میں نہ باندھا اور نہ اس کی عقل نے ان کو اپنا بنا لیا ہو۔ اور جو بیج کہ اُگے اور پھیلنے کو ہوئے مگر کانٹوں نے ان کو سر اٹھانے نہ دیا۔ وہ ایسی نصیحتیں ہیں جن کو سننے والے نے گرہ میں باندھ رکھا اور عقل نے ان کو سمجھا بھی، مگر جب ان پر عمل کرنے کا وقت آیا جو ان کا پھل ہے اس وقت نفسانی خواہشوں نے ان کو دبا کر ضائع کر دیا اور جو دانے پاک وصاف زمین میں پہونچے اور محفوظ رہ کر پھولے پھلے اور پروان چڑھے وہ ایسی نصیحتیں ہیں جن کو عقل و بینائی نے پسند اور کانوں نے قبول کیا اور دل نے محفوظ رکھا اور ارادہ نے ان کو تکمیل کو پہنچایا۔ یعنی نفسانی خواہشوں کو اکھاڑ پھینکنے اور نجس خیالات سے قلب کو پاک کرنے کا کام ان سے لیا،،

"بوذاسف و بلوہر،، اردو ترجمہ مولوی سید عبد الغنی صاحب۔ مطبع شمسی، حیدر آباد دکن۔ ص ۳۴-۳۵)

بہائی مذہب

بہائی مذہب نے ایک مختصر رسالہ "نئے دن کا طلوع"[1] میں "خلاصہ امر بہائی" یوں بیان کیا گیا ہے :-

"سو برس سے زیادہ عرصہ گزرا جب کہ مشرق و مغرب مادیت کی تاریکی اور بے دینی سے نکلنے کے لئے یکساں جدوجہد کر رہے تھے، امر بہائی ایام جدید کے اٹل دعوے کے ساتھ اٹھا۔ ۲۲ر مئی ۱۸۴۴ء کو سید علی محمد باب نامی (جو اہل اسلام میں قائم آل محمد و مہدی کہلاتے ہیں) ایک نورانی ایرانی نوجوان اپنے پیغام کی اشاعت کے لئے کھڑا ہوا، اور اس زبردست معلم الٰہی کے آنے کی بشارت دی جو دلوں کو زندہ، دماغوں کو روشن، خیالات کو متحد، اور دنیاوی رسوم کو متحد کرے گا۔ مصائب کی بارش میں چھ سال تک بہادرانہ استقلال سے تبلیغ و تعلیم میں مصروف رہنے کے بعد حضرت باب، مسلمانوں کے تعصب و استبداد کا شکار ہوئے۔ یعنی ۹ر جولائی ۱۸۵۰ء کو تبریز میں عوام کے سامنے شہید کر دیئے گئے۔ اس

---

[1] "نئے دن کا طلوع" شائع کردہ بہائی پبلشنگ کمیٹی، دہلی مطبوعہ لکشمی پرنٹنگ ورکس کراچی۔

اساس پر امر مبارک کی بنیاد حضرت بہاء اللہ نے رکھی جنھوں نے تمام دنیا کے لئے انفرادی اور اجتماعی حیات جدید کے اصول و قوانین ایسے ظلم و ستم کے حالات میں نازل فرمائے جو کسی دین کی تاریخ میں نہیں پائے جاتے۔

حضرت بہاء اللہ نے مشرق و مغرب کو خوش خبری دی کہ روح القدس شجر انسانیت کو دوبارہ سخت ضرورت کے وقت تازگی بخشنے کے لئے پھر ظاہر ہوا ہے۔ بہائی بندی، اخوت، امن عامہ اور معرفت الٰہی کا دور عظیم شروع ہو گیا ہے۔ انھوں نے ہر شخص کو ان خدائی تعلیمات میں حصہ لینے کے لئے دعوت دی جو ان پر نازل ہو رہی تھیں۔ تمام مخالف طاقتوں نے امر اللہ کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ چنانچہ حضرت بہاء اللہ اور ان کے چند وفادار پیرووں کو طہران میں قید کر لیا گیا، ان کی جائداد اور حقوق ضبط کر لئے گئے۔ اس کے بعد بغداد، قسطنطنیہ، اڈریانوپل جلا وطن کر کے بھیجا گیا اور آخر ۱۸۶۸ء میں عکہ کے مقام پر ایک اجڑے ہوئے جیل خانہ میں جو ترکی کے خونی اور سنگین قیدی رکھنے کی جگہ تھا۔ اور کوہ کرمل کی وادی میں واقع ہے حبس دوام کی سزا دی گئی۔ حضرت بہاء اللہ کے سب سے بڑے فرزند ارجمند حضرت عبد البہاء بچپن ہی سے اپنے والد کے مصائب میں بہ رضا و رغبت شریک رہے اور قید خانہ عکہ میں چالیس سال قید رہے، اور بالآخر ۱۹۰۸ء میں ترکی انقلاب کے بعد نوجوان ترکوں نے جو اتحاد انسانی کے حامی تھے ان کو رہائی دلائی۔

حضرت بہاء اللہ نے ۱۸۹۳ء میں صعود فرمایا اور حضرت عبد البہاء امر بہائی کے مقررہ رہنما اور مفسر ہوئے اور رہائی پانے کے بعد ۱۹۲۱ء یعنی اپنے زمانہ صعود تک مفسر اور رہنما کی حیثیت سے خدمت ادا کرتے رہے۔ چنانچہ

آپ کی مسلسل مصروفیت، انتھک محنت و کوشش اور اعلیٰ حکمت کے ذریعہ
سے ندائے الٰہی رفتہ رفتہ مگر مضبوط طور سے دنیا کے ہر حصہ میں پہونچ گئی موجودہ
زمانہ میں ولی امر اللہ حضرت عبد البہاء کے نواسے حضرت شوقی افندی کے
ذریعہ سے اب اہل بہاء کا اتحاد اور حضرت بہاء اللہ کی تعلیمات پرورش
پا رہی ہیں۔ حضرت بہاء اللہ کی تعلیم وہ پاک روح ہے جو انسان کو حیات
جدید بخشتی ہے" (ص ۱۰۰۲)

اس کے بعد رسالہ مذکور میں "امر بہائی کی بارہ اصولی تعلیمات" درج ہیں جو حسب
ذیل ہیں:۔

"یہ تعلیمات اب سے اسی (۸۰) سال قبل حضرت بہاء اللہ نے پیش کیں اور آپ کی اس
زمانہ کی شائع شدہ کتب مقدسہ میں موجود ہیں۔

(۱) وحدت عالم انسانی: حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں کہ اے اہل عالم تم ایک درخت
کے پتے اور ایک ہی باغ کے پھل ہو۔ یعنی دنیا ایک درخت کی مانند ہے مختلف قومیں اور
جماعتیں اس کی متعدد اور بہت سی شاخیں ہیں۔ پہلے ادیان میں دنیا کو دو حصوں میں تقسیم
کر دیا جاتا تھا ایک اہل کتاب یا "شجرہ طیبہ" دوسرے "شجرہ خبیثہ" یعنی دنیا کے نصف
لوگ بے دین اور کافر سمجھے جاتے تھے۔ آدھے لوگ تو خدا کی رحمت کے حقدار سمجھے جاتے تھے
اور آدھے خدا کے غضب کا شکار خیال کئے جاتے تھے۔ لیکن آج کوئی فرق نہیں ہے۔ کسی
کو ایک دوسرے کو کافر سمجھنے کا حق حاصل نہیں ......

(۲) تحری حقیقت بآزادی:۔ یعنی ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ مذہب کی تحقیقات
کرنی چاہئے۔ اپنے آباؤ اجداد کی اندھا دھند تقلید نہ کرنی چاہئے، بلکہ اپنے کانوں سے
سننا، آنکھوں سے دیکھنا، اور اپنے دماغ سے کام لیکر تلاش حق کرنا چاہئے، کیونکہ آباؤ اجداد
کے اعتقادات کی بنیاد تقلید ہی پر مبنی ہے۔

(۳) وحدت ادیان :۔ تمام مذاہب وادیان کے بنیادی اصول ایک ہیں حقیقت ایک ہے دین کی بنیاد سچائی پہ ہے اور سچائی ایک ہی ہوتی ہے ۔ اس لئے تمام مذاہب کی بنیاد بھی ایک ہی ہے ....

(۴) دین باعث اتحاد ہونا چاہئے :۔ ہر ایک دین ایک عظیم الشان اور مقدس تجلّی الٰہی کی مانند اہل عالم کے لئے حیات بخش ہوتا ہے ۔ انسان کو حقیقی عزت دے کر نبی نوع انسان میں ہمیشہ کی زندگی پیدا کرتا ہے ۔ مذہب دشمنی ، منافرت ، بے انصافی اور ظلم کے واسطے نہیں ہے اگر مذہب دشمنی اور کینہ کا سبب ہو تو اس سے یقیناً بے دینی بدرجہا بہتر ہے ....

(۵) مذہب سائنس کے مطابق ہونا چاہئے :۔ دین کو ہمیشہ معقول ہونا چاہئے اور سائنس سے بالکل متفق ، تاکہ سائنس دین سے اور دین سائنس سے اتفاق کرے اور دونوں حقیقت میں ناقابل تفریق ہوں ....

(۶) مساوات مرد وزن :۔ دین بہائی میں یہ ایک خاص چیز ہے ، کیونکہ پہلے مذاہب میں ہمیشہ مرد کا پلّہ عورت سے بھاری رہتا تھا ۔ لیکن اب مکمل مساوات کا دور ہے لڑکا اور لڑکی ایک ہی قسم کی تعلیم پائیں ، کیونکہ ایک ہی قسم کی تعلیم بنی آدم میں اتحاد پیدا کر سکتی ہے ۔

(۷) ترک تعصبات :۔ یہ بات مسلم ہے کہ مظاہر الٰہی ہمیشہ انسانوں میں اتحاد پیدا کرنے آتے ہیں نہ کہ انھیں منتشر کرنے کے لئے .... لہٰذا ہم کو چاہئے کہ ہر طرح کے تعصبات خواہ وہ قومی ہوں یا وطنی ، مذہبی ہوں یا سیاسی ، دور کر کے بنی نوع انسان میں اتحاد کا ذریعہ بن جائیں ۔

(۸) صلح عمومی :۔ تمام انسانوں اور قوموں کو امن سے رہنا چاہئے ۔ حکومتوں ، قوموں مذہبوں ، اور ہر ایک دین کے ماننے والوں میں صلح عمومی کا ہونا لازمی ہے ۔ زمانہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس وقت اس چیز کی سخت ضرورت ہے ۔

(۹) تعلیم عمومی :۔ ہر ایک شخص کو تعلیم وتربیت میں حصہ لینا چاہئے ، اور یہ شرکت

تعلیم مذہب کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ بچوں کو جبریہ تعلیم دی جائے۔ اگر ان کے والدین نہیں ہیں تو اہل جماعت ان کی خبرگیری کریں۔

(۱۰) حل اقتصادیات :۔ پہلے پیغمبروں کی کسی کتاب میں اقتصادی مسئلہ کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا۔ لیکن حضرت بہاء اللہ کی تعلیمات میں اس کا حل موجود ہے۔ کچھ احکام نازل کیئے گئے ہیں، جو تمام انسانوں کی بہتری اور بہبودی کے کفیل ہیں۔ جس طرح دولت مند فارغ البالی کے ساتھ راحت و آرام سے رہتا ہے، غریب آدمی کو بھی رہنے کو گھر اور کھانے کو غذا ملنی چاہیئے وہ کبھی بھوک اور حاجت کا شکار نہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(۱۱) عالمگیر زبان :۔ ایک بین الاقوامی معاون زبان اختیار کی جائے گی جو دنیا کے ہر حصے میں رائج ہوگی۔ تمام اقوام کی ایک کمیٹی ہونی چاہیئے جو کہ ایسی مناسب زبان تجویز کرے جو بین الاقوامی خیالات کے اظہار کا باعث ہو اور دنیا کے ہر اسکول میں پڑھائی جائے تاکہ ہر شخص کو صرف، دو زبانوں کی ضرورت رہے، ایک مادری زبان، دوسری عالمگیر زبان۔

(۱۲) بیت العدل عمومی :۔ قدرت الٰہی کے زیر سایہ اور عام انسانوں کی نگرانی میں ایک بیت العدل عمومی قائم ہوگا۔ اس بیت العدل کے فیصلوں کو ہر شخص کو ماننا پڑے گا۔ اس طرح قوم کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔۔۔۔۔۔۔" (ص ۱۰-۱۹)

"محفل ملی بہائیان ہندوبرہما"، نے اپنے مذہب و اخلاق کی متعدد کتابیں اردو میں شائع کی ہیں۔ ان میں سے جو مجھے دستیاب ہوسکیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) بہاء اللہ و عصر جدید :۔ مولفہ جے۔ ای۔ ایسلمنٹ۔ مترجمہ عباس علی بٹ کمال پرنٹنگ ورکس دہلی۔ بار دوم ۱۹۴۳ء۔ ص ۲۷۳۔

دین بہائی کا آغاز تو ایران میں ہوا، لیکن اس کے اصول انگلستان اور امریکہ کے بعض حلقوں میں بھی قبول کر لئے گئے۔ چنانچہ اس کتاب کا مولف بھی ایک انگریز ہے جو اس دین کی تعلیمات سے متاثر ہو کر بہائی ہو گیا تھا، جیسا کہ کتاب کے دیباچہ طبع اول سے ظاہر ہوتا

ہے۔ اس کتاب میں باب، بہاء اللہ اور عبد البہاء کے تاریخی حالات اور دین بہائی کی تعلیمات تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ بعض مقامات جن سے بہائی مذہب کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں :-

بشارت "جب سے دنیا بنی ہے اس وقت سے یہی ہوتا آیا ہے کہ جب کبھی لوگوں میں روحانی کمزوری کے آثار نمایاں ہوئے اور ان کے اخلاق بگڑ گئے تو وہ محیر العقول اور پراسرار ہستی یعنی پیغمبر ظاہر ہوتا ہے .... ان بانیان ادیان کی نسبتی بزرگی کے بارہ میں ہمارے خیالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم اس بات کا انکار نہیں کر سکتے کہ یہ لوگ ذرائع تربیت انسانی میں ایک نہایت طاقتور عنصر ہوتے ہیں۔ یہ سب انبیاء بیک آواز فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ یہ ہمارے واسطہ سے خدائی وحی اور آسمانی پیغام ہے ہم صرف اس کے لانے والے ہیں۔ ان انبیاء کا جس قدر کلام اس وقت موجود ہے اس میں ایک معلم و مربی عالم کے ظاہر ہونے کے بے شمار وعدے اور اشارے پائے جاتے ہیں، کہ وقت کے پورا ہونے پر یہ تمام دنیا کا مربی ظاہر ہوگا اور ان کے کام کو پورا کرے گا اور اسے تکمیل تک پہونچائے گا۔ وہ دنیا میں امن و عدل کی سلطنت قائم کرے گا اور دنیا کے تمام مذہبوں اور قوموں اور نسلوں کو ایک خاندان بنا دے گا، تاکہ صرف ایک گلّہ اور ایک ہی اس کا گلہ بان ہو، اور سب ادنیٰ و اعلیٰ خدا کی معرفت حاصل کریں۔

آخری ایام میں اس مربی عالم انسانی کی آمد یقیناً تاریخ کا ایک نہایت ہی اہم ترین واقعہ ہونا چاہئے۔ تحریک بہائی دنیا میں اس

بڑی خوشخبری کا اعلان کر رہی ہے کہ یہ مربی اعظم فی الواقع ظاہر ہو گیا ہے اور اس پر وحی آسمانی کا نزول ہوا جو کتاب کی صورت میں موجود ہے، جسے ہر طالب صادق پڑھ سکتا ہے ...." (ص ۱۲۔۱۴)

"حضرت بہاء اللہ نے بار بار صاف طور سے فرمایا ہے کہ آپ تمام دنیا کے لوگوں کے وہ معلم و مربی ہیں جس کی آمد کی دنیا ایک مدت سے منتظر تھی، اس فضل ایزدی کا ذریعہ ہیں جو پہلے کے سب فیوض سے بالا و برتر ہے، جس میں پہلے سب ادیان اسی طرح مل جائیں گے جس طرح دریا سمندر میں مل جاتے ہیں۔ آپ نے ایک ایسی بنیاد ڈالی ہے جو تمام دنیا میں اتحاد قائم کر دے گی اور زمین میں ایک شاندار امن اور لوگوں کے درمیان آشتی پیدا کرنے والی ہوگی، جس کے بارہ میں انبیاء نے پیشین گوئیاں کیں اور جسے شاعروں نے اپنے اشعار میں نظم کیا ہے" (ص ۱۸)

"حضرت باب مُبشّر" "سید علی محمد جو بعد میں باب کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۲۰ اکتوبر ۱۸۱۹ء مطابق یکم محرم ۱۲۳۵ھ ہجری کو جنوبی ایران کے شہر شیراز میں پیدا ہوئے۔ آپ خاندان سادات میں سے تھے .... جب پچیس سال کے ہوئے تو آپ نے خدا کے حکم کے مطابق اعلان کیا کہ بزرگ و برتر خدا نے اپنے کو باب کے مقام کے لئے برگزیدہ کیا ہے ....

ان ایام میں یہ عقیدہ کہ خدائی پیغمبر کا اچانک ہونے والا ظہور نزدیک ہے۔ اگرچہ عام طور پر پھیلا ہوا تھا مگر فرقہ شیخیہ میں خاص طور پر اس کا چرچا تھا۔ اسی فرقہ کے ایک نہایت مشہور عالم ملا حسین بشروئی

کے سامنے سب سے پہلے حضرت باب نے اپنے مشن کا اعلان کیا.....
علمائے شیعہ نے نہایت شدومد سے آپ کی مخالفت پر کمر باندھی
اور فارس (جنوبی ایران) کے متعصب اور ظالم حاکم حسین خاں کو اس نئی
چیز کے دبانے پر آمادہ کیا۔ اس وقت سے حضرت باب کے لئے قید اور
جلا وطنی، عدالتوں میں ذلیل جرح وقدح کا مقابلہ، تازیانوں کی سزائیں
اور ایسے ہی دکھ اور مصائب کا سلسلہ شروع ہوا جو آخر کار ۱۸۵۰ء
میں آپکی شہادت پر ختم ہوا،، (ص ۲۸-۳۱)

" حضرت باب کو یوحنا بپتسمہ دینے والے سے تشبیہہ دی گئی ہے
مگر ان کا مقام صرف مبشر ہی کا نہیں وہ بذات خود ایک مظہر الٰہی بھی تھے، اور
انھوں نے ایک مستقل شریعت عطا کی، اگرچہ اس کا دور چند سال ہی رہا
اہل بہا کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت باب اور حضرت بہاء اللہ دونوں مل کر
بہائی امر کے بانی تھے..........

حضرت باب کی تعالیم کا ایک اہم حصہ قیامت اور بہشت و دوزخ
کی اصلیت و اصطلاحات کی تشریح ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ قیامت سے
مراد آفتاب حقیقت کا تازہ ظہور ہے۔ مردوں کے زندہ کرنے کا مطلب
قبور جہالت و غفلت و نفسانیت میں دبے ہوؤں کو روحانی زندگی عطا
کرنا ہے۔ قیامت کا دن نئے ظہور کا دن ہے جس کے دین کے رد و قبول
سے بھیڑیں، بکریوں سے علیحدہ کی جاتی ہیں، کیونکہ بھیڑیں اپنے اچھے گڈریے
کی آواز کو پہچانتی ہیں اور اس کی پیروی کرتی ہیں۔ بہشت سے مراد خدا کو
جیسا کہ وہ اپنے ظہور کے ذریعے ظاہر ہو پہچاننے اور اس سے محبت کرنے
کی خوشی ہے، جس کے سبب ہر شخص حسب استعداد کمالات حاصل کرتا

ہے اور مرنے کے بعد خدا کی بادشاہت اور ہمیشہ کی زندگی میں داخل ہوتا ہے
دوزخ سے مراد خدا کے عرفان سے محروم رہنا اور اس طرح خدائی کمالات کو
حاصل نہ کر سکنا اور فضل ابدی کو کھو بیٹھنا ہے۔ آپ نے واضح طور سے
فرمایا کہ ان اصطلاحات کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں۔ لوگوں کے
درمیان مادی جسم سے اٹھنے اور مادی بہشت و دوزخ کے بارے میں جو خیالات
پھیلے ہوئے ہیں وہ صرف وہم کے شوشے ہیں۔ آپ نے تعلیم دی کہ انسان
کے لئے موت کے بعد ایک زندگی ہے، اور اس زندگی میں مدارج کمالات
لامحدود و لاانتہا ہیں۔

حضرت باب اپنے کلام میں اپنے پیروؤں کو نصیحت کرتے ہیں
کہ وہ برادرانہ محبت و الفت میں دوسروں سے ممتاز ہوں، مفید صنعت
وحرفت سیکھی جائے، ابتدائی تعلیم عام کر دی جائے۔ اس نئے اور عجیب
دور میں عورتوں کو کامل آزادی دی جائے گی۔ غرباء و مساکین کو ایک
خزانہ عامرہ سے گزارہ مہیا کیا جائے گا۔ بھیک مانگنا نہایت سختی سے
حرام فرمایا ہے۔ اسی طرح مسکرات کے استعمال کو بھی ایسی ہی سختی سے
حرام قرار دیا جائے ۔" (ص ۳۷-۳۸)

حضرت بہاء اللہ

"میرزا حسین علی جو بعد میں بہاء اللہ کے لقب
سے معروف ہوئے۔ میرزا عباس نوری کے سب سے بڑے بیٹے تھے میرزا
عباس حکومت ایران کے ایک وزیر تھے۔ حضرت بہاء اللہ ۱۲ نومبر ۱۸۱۷ء
مطابق ۲ محرم ۱۲۳۳ھ ہجری کو صبح صادق کے وقت ایران کے دارالسلطنت
طہران میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان بہت دولت مند اور آپ کے متعدد

رشتہ دار حکومت کے مختلف صیغہائے سول اور ملٹری میں معزز عہدوں پر ممتاز تھے ...... ۱۸۴۴ء میں جب حضرت باب نے اعلان فرمایا تو اس وقت حضرت بہاء اللہ کی عمر ۲۷ سال تھی۔ اعلان حضرت باب کی آواز سنتے ہی حضرت بہاء اللہ نے اس نئے امر کو لبیک کہا اور فوراً ہی آپ اس نئے دین کے بے خوف اور طاقتور مبلغین میں گنے جانے لگے۔

آپ اس امر کی خاطر دو دفعہ قید اور کوڑے کی ضرب اٹھا چکے تھے کہ اگست ۱۸۵۲ء میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے بابیوں پر بلاؤں کا ایک ایسا طوفان برپا گیا کہ ہر ایک بابی کی جان خطرے میں پڑ گئی۔

صادق نام ایک نوجوان جو خود بھی بابی تھا اور جس کا آقا بھی بابی تھا۔ اپنے آقا کے عذاب شہادت کو دیکھ کر ایسا متاثر ہوا کہ بدلے کے جوش میں بھر کر اس نے شاہ ایران پر حملہ کر دیا ...... مگر شاہ کے مصاحبین نے فوراً اُسے پکڑ لیا اور وہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بے انصاف بادشاہ نے تمام بابیوں کی جماعت کو اس کا ملزم ٹھہرایا اور نہایت بے رحمانہ قتل عام کا حکم دیا۔ اسی بابی تو اسی وقت طہران میں انواع و اقسام کی اذیتیں دے دے کر شہید کر دیئے گئے۔ بہتوں کو پکڑ کر قید خانوں میں ڈالا۔ ان قیدیوں میں حضرت بہاء اللہ بھی تھے۔" (ص ۴۱، ۴۲)

اس کے بعد حضرت بہاء اللہ کے بغداد بھیجے جانے کا بیان ہے۔ بغداد ہی میں انھوں نے اپنی بعثت کا اعلان کیا۔

"من یظہرہ اللہ"

"بغداد کے قریب ایک باغ میں خیمہ لگانا پڑا۔ یہ باغ نجیب پاشا کا باغ کہلاتا تھا، اور آپ بارہ دن تک یہاں فروکش رہے۔ ان بارہ ایام (۲۱ اپریل سے ۲ مئی ۱۸۶۳ء تک یعنی حضرت باب کے اعلان سے ۱۹ سال بعد کے پہلے دن آپ نے اپنے چند چیدہ احباب کو یہ خوشخبری سنائی کہ آپ ہی وہ "من یظہرہ اللہ" ہیں جس کی آمد کی خوشخبری حضرت باب نے دی تھی اور جو تمام انبیاء کا موعود ہے۔ جس باغ میں یہ اعلان کیا گیا وہ بہائیوں میں باغ رضواں کے نام سے مشہور ہوا، اور ان بارہ دنوں میں وہ ایک عید مناتے ہیں جس کا نام "عید رضواں" ہے۔" (ص ۹۴)

بہاء اللہ کا مقام

"بہاء اللہ کے مقام کو صحیح طور پر سمجھنا ایک اہم مسئلہ ہے آپ کے کلمات دوسرے مظاہر الٰہی کے کلمات کی طرح دو قسموں میں منقسم کئے جا سکتے ہیں۔ ایک تو وہ جن میں آپ ایک انسان کی طرح کلام فرماتے ہیں جو خدا کی طرف سے اپنے بنی نوع کو پیغام دینے کے لئے آیا ہے۔ دوسرے وہ کلمات جن سے مترشح ہوتا ہے کہ خود خدا بول رہا ہے۔" (ص ۶۲)

"حضرت بہاء اللہ کی کتابوں میں یہ کلام دفعتہً ایک مقام سے دوسرے مقام میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ابھی تو ایک انسان کلام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور ابھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا خود کلام کر رہا ہے۔

مقام بشریت سے کلام فرماتے ہوئے بھی بہاء اللہ اس طرح کلام فرماتے ہیں جس طرح خدا کا فرستادہ کلام کرتا ہے اور لوگوں کو رضائے الٰہی کے سامنے کامل تسلیم کا زندہ نمونہ بن کر دکھائے۔ آپ کی تمام زندگی روح القدس سے معمور تھی۔ اس لئے آپ کی زندگی اور تعلیمات میں بشری و الٰہی عنصر کے درمیان

کوئی صاف خط نہیں کھینچا جا سکتا۔" (ص ۶۹)

(۲) باب الحیات :- "یعنی ترجمہ مقالہ سیاح جس کو ایک ایرانی سیاح نے حضرت بہاء اللہ اور حضرت باب عزّ اسمہما کے حالات زندگی اور فرقہ بہائیہ کے مختصر واقعات اور تعلیمات کے متعلق فارسی زبان میں لکھا ہے۔ اور جس کا ترجمہ جناب سید مصطفےٰ صاحب رومی نے اردو میں کیا"۔ شائع کردہ انجمن بہائیہ رنگون۔ مطبوعہ نول کشور پریس، لاہور ۱۹۰۳ء۔ ص ۲۱۸۔

"بابیت" کا مفہوم واضح کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے:-

"جب انھوں نے (باب نے) مذہبی دعوت شروع کی تو سب سے پہلے بابیت کا اظہار کیا۔ لفظ بابیت سے ان کی مراد یہ تھی کہ میں ایک ایسے جلیل القدر شخص کے فیض پہونچانے کا ذریعہ ہوں جو دنیا میں موجود ہیں، لیکن ان کے وجود سے لوگ ابھی ناواقف ہیں، اور ان کے کمالات غیر متناہی ہیں۔ میری حرکات و سکنات ان کے ارادہ کے تابع ہیں اور میں ان کی محبت میں جکڑا ہوا ہوں۔ باب نے اپنی پہلی کتاب میں جو سورۂ یوسف کی تفسیر لکھی ہے ہر جگہ انہی غائب شخص کو جن سے وہ فیض یاب تھے مخاطب کیا ہے، اور اپنے کام کے آغاز اور درستی کے لئے انہی سے مدد طلب کی ہے، اور انہی کی راہ میں اپنی جان فدا کرنے کی آرزو اور تمنا کا اظہار کیا ہے .... اسی طرح انھوں نے آیات قرآن کی شرح و تفسیر اور عربی زبان کے خطبے اور مناجاتیں بہت سی تالیف کی ہیں، اور ان تمام تالیفات میں لوگوں کو اسی شخص غائب کے ظہور کے انتظار کا شوق دلایا ہے۔ انھوں نے ان تالیفات کو الہامی صحیفوں اور کلام فطری کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اور تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ فرشتہ کے ذریعے سے اپنے اوپر وحی آنے کا انھوں نے دعویٰ بالکل نہیں کیا۔" (ص ۳، ۴)

(۳) لوح ابن ذئب :- "از کتب مقدسہ حضرت بہاء اللہ۔ اردو ترجمہ" طابع وناشر ادارہ کوکب ہند، دہلی۔ مطبوعہ جید برقی پریس، دہلی۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۲۰۰۔

حضرت بہاء اللہ نے الواح کے نام سے متعدد رسالے لکھے ہیں جو بہائیوں کے نزدیک الہامی صحیفے ہیں۔ یہ لوح ایک ایرانی عالم کے جواب میں لکھی تھی۔ اس کے دو اقتباسات ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں :-

"بعض بیانات جو الواح میں خاص طور پر اس جماعت کے لئے نازل ہوئے ہیں ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ سب لوگ نمایاں یقین کے ساتھ جان لیں کہ اس مظلوم نے وہ کام کیا ہے جو سب عقل مندوں اور مظاہر عقل و انصاف کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہیں۔

اے خدا کے دوستو جو خدا کے شہروں میں رہتے ہو، اور اے خدا کے پیارو جو خدا کی بستیوں میں بستے ہو، یہ مظلوم تمھیں امانت اور دیانت کی نصیحت کرتا ہے۔ مبارک وہ بستی جو امانت و دیانت کی روشنیوں سے فائز ہے۔ انہی دونوں کے ذریعہ سے انسان کا درجہ بلند ہوتا ہے اور تمام عالم امکان کے باشندوں پر اطمینان کا دروازہ کھلتا ہے۔ مبارک وہ انسان جو دونوں کو مضبوط تھامتا ہے اور ان کی شان کو پہچانتا ہے۔ اور اس پر افسوس جو ان دونوں کے مقام سے منکر ہے۔ اور دوسرے مقام پر یہ کلمات نازل ہوئے ہیں۔ ہم خدا کے بندوں کو اور اس کی کنیزوں کو عصمت اور تقوی کا حکم دیتے ہیں تاکہ وہ خواہش نفسانی کے خواب غفلت سے بیدار ہوں اور خداوند خالق ارض وسما کی جانب متوجہ ہوں اسی طرح ہم نے بندوں کو اس وقت حکم دیا تھا جب کہ نیر آفاق، افق عراق سے جلوہ گر ہوا تھا۔ ..... " (ص ۱۷)

اے فرزند انسان، جب خوشی میں آئے تو آپ سے باہر نہ ہو اور مصیبت میں بے دل نہ ہو، کیونکہ یہ دونوں چیزیں گزرنے والی ہیں، دیر پا نہیں۔

اے مسافر، زبان میری ثنا کے لئے مخصوص ہے۔ اس کو تہمت اور بہتان سے آلودہ نہ کرو۔ جب غصہ آئے تو اپنی غلطیوں کو دیکھو اور میری مخلوق کی عیب جوئی نہ کرو۔ کیونکہ ہر شخص دوسرے کی بہ نسبت اپنے حالات بہتر جانتا ہے۔ (ص ۲۲-۲۳)

اے بندۂ من، بہترین شخص وہ ہے جو قوت بازو سے معاش حاصل کرکے اپنے خدا کی راہ میں اپنے پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے۔

اے فرزند آدم، کسی دوسرے کے گناہ پر لب نہ کھول جب تک کہ تو خود گنہگار ہے۔ اگر تو اس حکم کی نافرمانی کرے گا تو مردود ہوگا۔ اور میں اس پر گواہ ہوں" (ص ۲۶)

"نصائح حضرت عبدالبہاء"

"ندائے [illegible] دنیا کے ہر حصہ سے آرہی ہے کہ اے فرزندان آدم آؤ، میرے پاس آؤ۔ [illegible] میرے پاس آئیں اور وہ شیریں پانی نوش کریں [illegible] یہی وعدہ کا وقت ہے ...... کیا [illegible] مناسب ہے [illegible] سستی و غفلت کے [illegible] پڑے سوتے رہو [illegible] درمیان آگیا اور [illegible]

کریں تاکہ وہ محبوب ہمارے دلوں میں بسے۔ یہ دن ایمان اور عمل کے دن ہیں نہ کہ زبانی جمع خرچ کے۔ ہم کو خوابِ غفلت سے بیدار ہونا چاہئے اور اس زبردست دعوت سے مستفید ہونا چاہئے جو تیار کی گئی ہے ..... " (ص ۳۴-۳۵)

(۶) **مفاوضات عبدالبہاء**: "گفتگو بر سر ناہار۔ مرتبہ کلیفورڈ بارنی امریکانیہ۔ جس کا ترجمہ اصل فارسی سے حسب امر مبارک محفل مقدس روحانی مرکزی ہندو برما عباس علی بٹ بی۔اے۔ بی۔ای۔ ڈی۔ ایچ۔ پی نے کیا۔ محفل مقدس روحانی مرکزی ہند و برما نے طبع کرا کے شائع کیا" ۱۹۳۲ء مطبع کا نام درج نہیں۔ بڑی تقطیع ص ۱۹۵۔

یہ کتاب ایک امریکن بہائی خاتون کی تالیف ہے اور اصلاً ان سوالوں کے جوابات کا ایک مرتب مجموعہ ہے جو خاتون مذکورہ نے دین بہائی اور مختلف روحانی مسائل پر کئی ملاقاتوں میں عبدالبہاء سے کئے تھے۔ ایک اقتباس جس میں انبیاء کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں اور حضرت بہاء اللہ کو ایک مستقل نبی بتلایا گیا ہے حسب ذیل ہے:۔

"سوال:۔ انبیاء کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب:۔ انبیاء دو قسم کے ہیں۔ ایک بالاستقلال و متبوع۔ دوسرے غیر مستقل و تابع۔ انبیائے مستقلہ صاحب شریعت اور دور جدید کے مؤسس ہوتے ہیں۔ ان کے ظہور سے دنیا ایک نیا چولہ بدلتی ہے، اور ایک نئے دین کی بنیاد پڑتی ہے اور ایک نئی کتاب نازل ہوتی ہے۔ یہ انبیا حقیقت الوہیت سے بلاواسطہ فیض حاصل کرتے ہیں۔ ان کی نورانیت نورانیت ذاتی ہوتی ہے، بعینہٖ آفتاب کی مانند جو خود اپنی ذات سے روشن ہے۔ اس کی روشنی اس کا ایک لزوم ذاتی ہے۔ کسی دوسرے سیارے یا ستارے سے حاصل کی ہوئی نہیں۔ یہ مطالع صبح احدیت فیض کے سرچشمے اور ذات حقیقت کے آئینے ہیں۔ دوسری قسم کے نبی تابع و مروّج ہیں، کیونکہ فرع

ہیں، مستقل نہیں۔ یہ نبی انبیائے مستقلہ سے فیض پاتے ہیں اور نبوت کلیہ سے
نور و ہدایت حاصل کرتے ہیں، چاند کی مانند جو بذات خود روشن و ساطع
نہیں، بلکہ آفتاب سے روشنی پاتا ہے۔ مظاہر نبوت کلیہ جو بالاستقلال
اس دنیا میں ظاہر ہوئے،   ان میں سے حضرت ابراہیمؑ
حضرت موسیٰؑ، حضرت مسیحؑ، حضرت محمدؐ، حضرت اعلیٰ اور حضرت جمال
مبارک ہیں۔ دوسری قسم کے جو تابع و مروج ہیں، ان میں سے حضرت
سلیمانؑ، داؤدؑ، اشعیاؑ، ارمیاؑ، حزقیاؑ ہیں۔

انبیائے مستقلہ موسس تھے یعنی انہوں نے ایک نئی شریعت
کی بنیاد ڈالی اور لوگوں کو ایک نئی خلق بنایا۔ اخلاق عموم کو بدل دیا اور ایک
نئے طریقے اور نئی روش کو جاری کیا۔ ایک نیا زمانہ شروع ہوا اور ایک
نئے دین نے شکل پکڑی۔ ان کا ظہور موسم بہار کی طرح ہے کہ سب کائنات
زمین ایک نئی خلعت پہنتی اور ایک نئی زندگی پاتی ہے۔

دوسری قسم کے نبی جو تابع ہیں شریعت اللہ کو جاری کرتے ہیں۔ دین
اللہ کو پھیلاتے اور کلمۃ اللہ کو بلند کرتے ہیں۔ اپنی ذات سے حکم کرنے کا
اختیار نہیں رکھتے بلکہ انبیائے مستقلہ سے نور حاصل کرتے اور ماہتاب کی
مانند دوسروں پر انوار کا پرتو ڈالتے ہیں۔" (ص ۱۰۸)

احمدیت کے سلسلے میں ایک بحث [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

دوسرا شخص اس جرم کی جسارت نہ کرے۔

قصاص حقوق بشر کو محفوظ رکھنے کے لئے ہے، انتقام لینے کے لئے نہیں، کیونکہ انتقام دل کی تسلی ہے جو بالمثل مقابلہ سے حاصل ہوتی ہے اور یہ جائز نہیں۔ کیونکہ انسان انتقام کا حق نہیں رکھتا۔ باوجود اس کے اگر مجرموں سے بالکل بازپرس نہ ہو تو دنیا کا انتظام درہم برہم ہو جائے۔ اس لئے قصاص ہئیت اجتماعیہ کے لوازم ضروریہ میں سے ہے۔ مگر شخص مظلوم جس پر دست درازی کی گئی ہو بدلہ لینے کا حق نہیں رکھتا بلکہ اس کے لئے معاف کرنا اور مہربانی کرنا لازم ہے، اور یہی انسان کی شان کے شایان ہے۔ مگر ہئیت اجتماعیہ کے لئے فرض ہے کہ وہ ظالم اور قاتل اور مارنے والے سے قصاص لے تاکہ آگے کے لئے روک ٹوک ہو اور دوسرے ان جرائم کی جسارت نہ کریں۔

مگر اصل بات تو یہ ہے کہ لوگوں کی ایسی تربیت کی جائے کہ جرم واقع ہی نہ ہو، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ایک گروہ کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ ارتکاب جرم سے ایسا پرہیز کریں اور اس قدر نفرت کریں کہ ان کے نزدیک خود جرم ایک بہت بڑا دکھ اور سخت عذاب و قصاص ہو۔ اس لئے جرم واقع نہ ہوگا اور جب جرم واقع نہ ہوگا تو قصاص کے جاری کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔" (ص ۱۷۳)

(۳) آبِ حیات ہند :۔ ۱۸۶۴ء سے شائع ہونا شروع ہوا۔ اس کے متعلق دتاسی نے لکھا ہے :۔ "یہ آگرہ سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے مدیر کا نام بنسی دھر ہے جو آگرہ کے نارمل اسکول میں مدرس ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس اخبار کے ہر صفحہ پر ایک خانہ میں اردو کے مضامین ہوتے ہیں اور اس کے برابر دوسرے خانہ میں وہی مضامین ہندی رسم خط میں ہوتے ہیں۔ ہندی کے حصے کا نام بھارت کھنڈ امرت ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ اخبار ماہوار ہے اور حجم سولہ صفحے کا ہے۔ مطبع نور العلم میں طبع ہوتا ہے۔"

(خطبات گارساں دتاسی۔ ص ۵۱۴)

(۴) دھرم پرکاش۔ آگرہ :۔ مرتبہ جوالا پرشاد۔ (خطبات گارساں دتاسی۔ ص ۸۷۷)

(۵) رسالہ وگیانی۔ لاہور۔ ماہانہ۔ مرتبہ شیوبرت لال۔ اس کے جون تا دسمبر ۱۹۱۴ء کے پرچے لائل لائبریری علی گڑھ میں ملے۔ اس رسالے میں ہندو مذہب کی تعلیمات خصوصاً ویدانت، اُپ نشد اور یوگ پر ایڈیٹر کے مضامین عام فہم زبان میں ہوتے تھے جو بعد میں کتابی شکل میں شائع کردئے جاتے تھے۔ چنانچہ وگیان کے سلسلے میں بیس کتابیں بابو شیوبرت لال کے قلم سے اردو میں شائع ہوچکی ہیں جن کی فہرست اس رسالے کے بعض نمبروں میں درج ہے۔

(۶) رسالہ سنت سندیش۔ لاہور۔ ماہانہ۔ مرتبہ شیوبرت لال۔ یہ رسالہ بھی عارفانہ اور صوفیانہ مضامین پر مشتمل تھا۔ جو شروع سے آخر تک ایڈیٹر کے لکھے ہوئے ہوتے تھے۔ یہی مضامین بعد میں کتابی صورت میں شائع کردئے جاتے تھے۔ چنانچہ سنت سندیش کے سلسلے کی بھی بیس کتابیں اردو میں شائع ہوچکی ہیں جن کے نام فہرست میں درج ہیں۔ اسکی آٹھویں جلد کا پہلا نمبر (رسالے پر تاریخ اور سنہ درج نہیں) بویک سندیش کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے :۔

"بزم عرفان کے اجلاس کا دلکش نظارہ۔ راز وحدت کی تلقین کا دل پسند اشارہ۔ اہل تصوف کے ساتھ دلچسپ مکالمہ۔ مجذوب کی بڑ کے سلسلہ

برھمو سماج

(۱) رسالہ برادر ہند۔ لاہور: " مرآۃ الدین "جس کا ذکر برھمو سماج کی کتابوں کے سلسلے میں آچکا ہے۔ پہلے اسی رسالے میں باقساط شائع ہوئی تھی، جیسا کہ کتاب کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے۔

(۲) رسالہ دھرم جیون۔ لاہور۔ یہ پہلے شاید ماہانہ تھا جنوری سنہ ۱۸۸۷ء سے ہفتہ وار ہو گیا۔ اس میں " روحانی اور سوشل زندگی " کے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے۔
(بحوالہ فہرست کتب برھمو سماج)

آریہ سماج

(۱) آریہ درپن :۔ یہ آریہ سماج کا پہلا تبلیغی رسالہ تھا۔

(۲) آریہ بھوشن :۔ شاہ جہاں پور

(۳) آریہ سماچار :۔ میرٹھ

(۴) دھرم پرکاش :۔ کیبرتھلہ

(۵) بلدیو پرکاش :۔ آگرہ

قاضی عبدالغفار صاحب لکھتے ہیں کہ یہ سب پرچے سنہ ۱۸۷۷ء سے سنہ ۱۸۸۰ء تک جاری ہو گئے تھے۔ (نگار۔ نومبر سنہ ۱۹۴۲ء)۔ غالباً سب ماہوار رسالے تھے۔ آریہ سماچار کی جلدیں بابت سنہ ۱۸۸۵ء۔ سنہ ۱۸۸۶ء۔ سنہ ۱۸۹۱ء۔ سنہ ۱۸۹۲ء۔ سنہ ۱۸۹۳ء۔ سنہ ۱۸۹۵ء۔ سنہ ۱۸۹۷ء۔ سنہ ۱۸۹۹ء اور سنہ ۱۹۰۰ء کتب خانہ آریہ مندر، علی گڑھ میں موجود ہیں۔

(۶) آریہ گزٹ۔ فیروز پور۔ اس کی جلد بابت سنہ ۱۸۹۶ء آریہ مندر علی گڑھ میں ہے۔

(۷) آریہ بندھو۔ میرٹھ۔ ماہانہ رسالہ سنہ ۱۸۹۸ء۔ سنہ ۱۸۹۹ء۔ سنہ ۱۹۰۱ء۔ سنہ ۱۹۰۲ء۔ سنہ ۱۹۰۴ء

دیو سماج

(۱) ستیہ دیو سمواد۔ لاہور۔ ہفتہ وار۔ اس کا ذکر دیو سماج بک ڈپو، لاہور کی فہرست میں ہے۔

سکھ مذہب

(۱) پریم بلاس :۔ گوجرانوالہ۔ ماہوار۔ "پوتھی سکھ منی صاحب"، جس کا ذکر سکھ مذہب کی کتابوں کے سلسلے میں آچکا ہے۔ اسی رسالے میں باقساط چھپتی تھی۔ کتاب کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے :۔

"یہ ٹیکا ماہواری رسالہ پریم بلاس میں کئی سال سے مسلسل مضمون کے طور پر شائع ہوتا تھا۔"

بہائی مذہب

(۱) پیامبر۔ دہلی۔ ماہوار رسالہ۔ مرتبہ محفوظ الحق علمی۔ جلد ۲ بابت فروری ۱۹۴۶ء کے پرچے میں پہلا مضمون "فرمان خداوندی" کے عنوان سے حضرت بہاء اللہ کی کتاب "اقدس" کے چند اقتباسات پر مشتمل ہے۔

عیسائی مذہب

(۱) خیر خواہ ہند۔ مرزاپور۔ مرتبہ پادری آر۔ سی۔ ماتھر۔ دتاسی نے اس کا ذکر اپنے چوتھے خطبے مورخہ ۲۹ر نومبر ۱۸۵۲ء میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے :"یہ امریکی پروٹسٹنٹ مشنریوں کا اخبار ہے اور اس کا مقصد تبلیغ مذہب ہے" (خطبات دتاسی ص ۲۴۳) ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

صاحب۔ رسالہ نگار۔ اکتوبر ۱۹۴۱ء)

(۱۲) رسالہ مسیحی۔ لاہور۔ کتاب "مسیح کے خاص دوست"، مطبوعہ ۱۹۰۶ء۔ پہلے اسی رسالے میں قسط وار چھپتی تھی۔

(۱۳) رسالہ مسیحی تجلی۔ لاہور۔ ماہانہ۔ کتاب "حل مشکلات"، مطبوعہ ۱۹۱۱ء ابتداً اسی میں شائع ہوئی تھی۔

(۱۴) رسالہ ترقی۔ لاہور۔ ماہانہ۔ کتاب "حیات المسیح"، مطبوعہ ۱۹۲۴ء شروع میں اسی رسالے میں بتدریج شائع ہوئی۔

ان تینوں رسالوں کا حوالہ مذکورہ بالا کتابوں کے دیباچوں میں دیا گیا ہے۔

(۱۵) رسالہ المائدہ۔ لاہور۔ مرتبہ موسیٰ خاں۔ اس کی پندرہویں جلد کا دسواں نمبر بابت ماہ اکتوبر ۱۹۴۳ء۔

میں نے لاہور میں دیکھا۔ اس کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:۔ "پون کروڑ مسیحیان ہند کا مذہبی، معاشرتی و سیاسی ماہوار اردو رسالہ" حجم (ص ۴۰)

(۱۶) الشاہد:۔ سرگودھا۔ مرتبہ پادری کے۔ایل۔ناصر "یونائیٹڈ پریسبیٹرین کلیسائے پنجاب کا ماہوار رسالہ"، اگست ۱۹۴۶ء کا پرچہ انیسویں جلد کا پانچواں نمبر تھا۔ حجم۔ ص ۱۲۔

(۱۷) اخوت۔ لاہور۔ مرتبہ ایف۔ ایم۔ نجم الدین "اخوت اندراسیہ پنجاب کا ماہوار رسالہ"۔ یہ اخباری تقطیع کے چار صفحوں پر چھپتا تھا۔ جولائی اور اگست ۱۹۴۶ء کا مشترکہ پرچہ جو مجھے لاہور میں ملا۔ اس کے صفحات کی تعداد بھی چار ہی تھی۔ یہ جلد ۱۹ کا نمبر ۱، ۲ تھا۔

امر کا ثبوت ہے کہ یہ زبان ملک کے بڑے حصہ کی زبان ہے۔

ہندو اور جین مذہب کی جن کتابوں کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔ ان کی عبارتوں میں مذہبی مصطلحات زیادہ تر سنسکرت کی استعمال ہوئی ہیں، گو بعض مولفین یا مترجمین نے ان کے اردو ترجمے بھی ساتھ ساتھ دے دیئے ہیں۔ ان مصطلحات کا استعمال بالکل فطری ہے۔ مولف یا مترجم دقیق مذہبی تصورات کو اگر عام فہم زبان میں بیان کرنے کی کوشش کرتا تو کامیاب ہونا بہت مشکل تھا، کیونکہ ان مصطلحات کا صحیح مفہوم سادہ الفاظ میں جیسا چاہیئے ادا نہیں ہو سکتا۔ علاوہ بریں اس کے ہم مذہب جن کے لئے یہ کتابیں لکھی گئی تھیں، ان مصطلحات سے مانوس تھے، اور ان کا مفہوم بہ نسبت ان کے مترادفات کے زیادہ آسانی سے سمجھ سکتے تھے۔ لیکن مصطلحات سے قطع نظر کر کے دیکھئے تو چند کتابوں کو چھوڑ کر باقی سب کی زبان وہی ہے جس کو ہندوستانی یا اردو کہتے ہیں، یعنی وہ مشترک زبان جس نے ہندوستان میں جنم لیا اور جس کے پروان چڑھانے میں اس ملک کے باشندوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں بے دریغ صرف کیں۔

بعض ہندو مولفین مثلاً منشی سورج نرائن مہر دہلوی، پنڈت جانکی ناتھ مدن دہلوی، اور بابو شیوبرت لال نے تو اپنی کتابوں میں ایسی شستہ اور فصیح اردو کے نمونے پیش کئے ہیں کہ اس عہد کے کسی انشاپرداز کو رشک آ سکتا ہے۔ مذہبی منظومات میں بھی سلاست، روانی اور لطف سخن کی متعدد مثالیں مقالہ میں ملاحظہ سے گزری ہوں گی جو بلا شبہ قابل داد ہیں۔ مثلاً "نسیم عرفان" (ترجمہ گیتا) از منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی، یا راماین کا وہ منظر جس میں پنڈت برج نرائن چکبست نے بن باس کے وقت رام چندرجی کا ماں سے رخصت ہونا دکھایا ہے، یا منشی کنہیا لال کی مثنوی "اخلاق ہندی" ان نظموں پر اردو زبان بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ یہ چند نام صرف مثال کے طور پر لئے گئے ہیں ورنہ ہندوؤں کی مذہبی اور اخلاقی کتابوں میں سلیس اور شستہ اردو

کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ پنڈت جگیشور پرشاد ناتق دہلوی جین کی کتاب "حسن اول"
کا ایک ٹکڑا جین مذہب کی کتابوں کے ذیل میں نقل کیا گیا ہے۔ اردو کو اپنی "مادری زبان"
کہتے ہیں اور "اس کی ترقی اور بہبودی کی کوشش کرنا ایک سعادت مند اولاد کی طرح اپنا
فرض" سمجھتے ہیں۔ منشی سورج نرائن مہر دہلوی نے اپنی گیان دھیان کی کہانیوں کا مجموعہ"
جمیل دردیش کے نام سے شائع کیا تو اس کی زبان کے متعلق دیباچہ میں تصریح کر دی کہ:-

"یہ وہ زبان ہے جو دلی کے شریف ہندو گھرانوں میں بولی جاتی ہے۔"

ہندو اور جین مذہب کی بعض کتابوں میں سنسکرت اور ٹھیٹھ ہندی لفظوں کا استعمال
ملتا ہے اور کبھی [illegible] لفظ کے حاشیہ پر دیا ہوتا ہے۔ یہ طرز تحریر اگر ایک طرف اردو کی اصل کا نشان
دیتا ہے تو دوسری طرف اس امر کا بھی ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ یہ کتابیں خصوصیت کے
ساتھ ان مذاہب کے پیروؤں کے لیے لکھی گئی تھیں جو سنسکرت اور ٹھیٹھ ہندی الفاظ
کا مفہوم سمجھ لیتے ہیں۔ اس کی تائید مختلف کتابوں کے دیباچوں سے بھی ہوتی ہے مثلاً:-

سوامی رامانند سرسوتی نے [illegible] کا اردو ترجمہ پیش کرتے ہوئے لکھتے
ہیں کہ "بہت سے مہاتماؤں نے اس پر گرنتھ بھی تصنیف کیے ہیں مگر چونکہ وہ
سب کے سب دیوناگری میں ہیں اردو خواں اصحاب ان کو نہیں سمجھ سکتے
[illegible] اردو خواں
اصحاب کے [illegible] کیا ہے۔" [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

اور غیر فہم ہے۔ پریا داس جی نے اس کی شرح ہندی نظم میں لکھی ہے، وہ بھی آج کل کے آدمیوں کے لئے آسان نہیں ہے...... سمبت ۱۹۱۶ بکرمی میں لالہ تلسی رام صاحب آگروال نے اردو زبان میں اس کا ترجمہ کیا جو بہت مقبول عام ہوا........ یہ ترجمہ بار بار چھپا اور اب بھی ملتا ہے۔ (مقالہ ص ۷۰)

"گیتا امرت"، مولفہ چودھری روشن لال کے دیباچہ میں سرگوکل چند نارنگ، سابق وزیر پنجاب لکھتے ہیں :۔

"یہ کتاب درحقیقت وہ ایڈریس ہے جو چودھری روشن لال ایم۔ اے نے بہ حیثیت صدر استقبالیہ کمیٹی پنجاب پراونشل گیتا کانفرنس میں جو ماہ فروری سنہ ۱۹۳۵ء میں بمقام ملتان منعقد ہوئی تھی پڑھا تھا۔" (مقالہ ص ۸۲)

ظاہر ہے کہ اس گیتا کانفرنس میں شرکت کرنے والے زیادہ تر ہندو ہی تھے۔

چودھری روشن لال کی دوسری کتاب "گیتا گیان" کے دیباچہ میں بہاری لال چگیاسو، ایڈیٹر دیش بھگت، ملتان، مصنف کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :۔

"وہ اپنے خیالات کو نہایت آسان زبان میں قلم بند کرتے ہیں تاکہ عوام بخوبی سمجھ جائیں، کیونکہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں عوام کے لئے ہی لکھتے ہیں" (مقالہ ص ۸۴-۸۵)

اسی طرح جین مذہب کی بعض کتابوں میں بھی اس حقیقت کا اظہار صاف لفظوں میں ملتا ہے کہ اردو کی یہ کتابیں اصلاً جینیوں ہی کے لئے لکھی گئی ہیں۔ مثلاً "جین تتو درپن" کے دیباچے میں سوامی رتن چند لکھتے ہیں :۔

"یہ کتاب ایسے اردو داں اصحاب کے لئے جو پراکرت بھاشا میں دسترس نہیں رکھتے اور جین دھرم کے تتو کو جاننے کی دلی خواہش رکھتے ہیں بڑی محنت اور کوشش سے تیار کروائی گئی ہے" (مقالہ ص ۲۴۲)

تام کے دو ٹریکٹ اردو زبان میں لکھے تھے ۔۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب زمانہ حال کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کرے گی اور اردو خواں جین بھائیوں اور دیگر حق پسندوں کے واسطے ایک بڑی کارآمد چیز ہوگی ۔" (مقالہ ص ۲۲۵)

لالہ سوہن لال جینی اپنی کتاب "سناتن جین درشن پرکاش" (مطبوعہ ۱۹۰۳ء) کے دیباچہ میں نہ صرف اردو کے مقبول عام ہونے کی شہادت دیتے ہیں بلکہ اس کے مقابلہ میں دیوناگری جاننے والوں کی قلت تعداد کا اعتراف بھی کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں :-

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر آج کل اردو کی زیادہ تر پرورتی ہو رہی ہے ۔ دیوناگری سے تو بہت تھوڑے واقف ہیں ۔ زیادہ نہیں ۔ اس لئے کتاب اردو ہی میں تحریر ہو تو بہت اچھا ہوگا ، کیونکہ ہر ایک پڑھ سکے گا ۔" (مقالہ ص ۲۲۶)

برہمو سماج ، آریہ سماج ، تھیوسوفیکل سوسائٹی ، رادھا سوامی مت اور دیو سماج کی کتابوں میں سنسکرت کی مذہبی مصطلحات اور غیر مانوس الفاظ ہندو اور جین مذہب کی کتابوں سے بہت کم ملتے ہیں ۔ یہی صورت سکھ مذہب کی کتابوں کی ہے ۔ بلکہ ان کی عبارتوں میں ایسی مصطلحات اور الفاظ کی تعداد ہندو مذہب کے اصلاحی فرقوں کی تالیفات و تراجم سے بھی کہیں کم ہے ۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سکھوں کے وطن پنجاب میں اردو کی مقبولیت ہندی کے مقابلے میں ہمیشہ زیادہ رہی اور اردو سکھوں کی ثانوی زبان کی حیثیت رکھتی ہے ۔

مسیحی مشنریوں نے ہندوستان میں آکر اپنے مذہب و اخلاق کی تبلیغ کے لئے جس زبان کو وسیلہ بنایا وہ یہی مشترک زبان تھی ۔ ان کی اردو مطبوعات کی کثرت سے اس زبان کے پڑھنے والوں کی کثرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ انڈیا آفس کے کتب خانہ کی فہرست میں ، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ، مسیحی مطبوعات کی تعداد (۵۳۶) ہے اور پنجاب

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، لاہور کی فہرست میں جو ۱۹۲۲ء میں مرتب ہوئی تھی، سوسائٹی اور بعض دوسرے مسیحی اداروں کی کتابوں کا شمار (۱۹۰۵) ہے۔ اس میں زیادہ تر خود سوسائٹی کی کتابیں ہیں۔ ہندوستان کی دوسری زبانوں میں عیسائیوں نے نسبتہً بہت تھوڑی کتابیں شائع کی ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ وہ اردو ہی کو ملک کے بڑے حصے کی زبان سمجھتے تھے اور اسی کے ذریعہ یہاں کے پڑھے لکھے باشندوں کی اکثریت کو اپنا پیغام پہونچا سکتے تھے۔

اس مقالہ کی ترتیب میں عیسائیوں کی تقریباً سوا سو کتابیں دیکھنے کا مجھے موقع ملا۔ زبان کے لحاظ سے یہ سب نہایت سلیس اور صاف عبارت میں لکھی گئی ہیں۔ ہندو اور جین مذہب کی کتابوں میں تو مذہبی مصطلحات کے لئے سنسکرت کے الفاظ ناگزیر طور پر استعمال کئے گئے ہیں، لیکن عیسائیوں کی اردو کتابوں میں مذہبی مصطلحات کے لئے بھی عربی یا فارسی کے علاوہ مجھے کسی دوسری زبان کا لفظ نہیں ملا۔ معلوم نہیں گارساں دتاسی نے اس بیان کی بنیاد کیا ہے کہ مسیحی تصانیف میں انگریزی کے الفاظ کثرت سے استعمال کئے جاتے ہیں۔ وہ اپنے چودھویں خطبہ، مورخہ ۵ دسمبر ۱۸۶۲ء میں لکھتا ہے:-

> "اہل ہند نے اپنے ہاں انگریزی زبان کے بہت سے الفاظ رائج کر لئے ہیں۔ بعض اوقات تو ان کی اپنی زبان میں لفظ موجود ہوتا ہے جب بھی وہ ہم معنی انگریزی لفظ کو ترجیح دیتے ہیں ...... اور بہت سارے انگریزی الفاظ پیش کئے جا سکتے ہیں جنھیں اہل ہند خود اپنے لفظوں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں [illegible]
> [illegible]
> [illegible]
> [illegible]
> [illegible]
> [illegible]
> [illegible]

سنہ ۱۸۶۴ء سے پہلے کی مسیحی مطبوعات جو مجھے مل سکیں حسب ذیل ہیں:-

(۱) صلوٰۃ الجماعت کی کتاب (سنہ ۱۸۲۸ء) (۲) کتاب مقدس کا آخری حصہ (سنہ ۱۸۳۹ء) (۳) ہمارے خداوند یسوع مسیح کا نیا وثیقہ (سنہ ۱۸۴۱ء) (۴) کتاب القدس، جلد اول (سنہ ۱۸۴۲ء) (۵) کتاب القدس، جلد ثانی (سنہ ۱۸۴۳ء)۔ (۶) کتاب طریق الحیات (سنہ ۱۸۴۴ء) (۷) کتاب مقدس (سنہ ۱۸۴۹ء) (۸) کتاب مقدس کا احوال (سنہ ۱۸۵۹ء) (۹) کتاب عہد جدید (سنہ ۱۸۶۰ء) (۱۰) ترجمہ مزامیر با شرح و تفسیر (سنہ ۱۸۶۱ء)

ان سب کے اقتباسات مقالہ میں دئے گئے ہیں[ع]۔ تعجب ہے کہ فاضل خطبہ نگار کی نظر سے مذکورہ بالا ترجمے نہیں گزرے۔ ان ترجموں میں انگریزی کا کوئی لفظ مجھے نہیں ملا، چہ جائے کہ کثرت سے ان کا استعمال۔ سنہ ۱۸۶۱ء کے بعد کے بھی متعدد ترجمے توریت و انجیل کے میں نے دیکھے، نیز انیسویں صدی کے ربع آخر اور بیسویں صدی کے موجودہ زمانہ تک کی ایک بڑی تعداد مسیحی کتابوں کی جو اردو میں شائع ہوئی ہیں مطالعہ میں آئی لیکن زبان سب کی شستہ اور فصیح ملی، اور انگریزی الفاظ کا استعمال بکثرت یا بہ قلت کسی میں نظر نہیں آیا۔ ممکن ہے دتا سی کی مراد "مشنریوں کی بیشتر تصانیف" سے خیر خواہ ہند کی قسم کے مذہبی اخبار اور رسالے رہے ہوں جن میں انگریزی آمیز اردو لکھی جاتی تھی۔

اردو کے مسیحی مترجمین و مولفین میں وہ بھی ہیں جو اصلاً ہندو تھے اور بعد کو عیسائی ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی زبان بھی وہی ہے جو ان پادریوں کی کتابوں میں ملتی ہے جو مسلمان سے عیسائی ہوئے۔ مثلاً "تذکرۃ المومنین" جلد اول و دوم کا ترجمہ پادری تارا چند کے قلم سے ہے۔ ہینا اسمتھ کی کتاب کا ترجمہ "مسیحی کی خوش وقت زندگی کا بھید" کے عنوان سے بابو یونس سنگھ نے کیا ہے۔ "مسیح کے خاص دوست" کے مترجم پادری رلیا رام ہیں۔ "قیامت مسیح" پادری ٹھاکر داس کی تالیف ہے۔ "مسرف بیٹا" (ڈراما) پادری بالا سنگھ چندر نے لکھا ہے۔ اسی طرح منظومات میں "زمزمہ تبلیغ"، "ذکر مصلوب"

ع ملاحظہ ہو۔ صفحہ ۲۲۵، صفحہ ۲۴۹، صفحہ ۲۷۰، صفحہ ۲۷۵، صفحہ ۲۶۶، صفحہ ۲۷۷، صفحہ ۲۷۸

"منہ کا قرض"، "اور رستم بامان"، منشی کیدار ناتھ منت کی موزونیِ طبع کا نتیجہ ہیں۔ پیارے لال شاکر کا دلاویز مسدس موسوم بہ "غریب الوطن شاہزادہ" اپنی شاعرانہ خوبیوں کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتا ہے۔

اس موقع پر اردو کے نفوذ و مقبولیت کی مزید شہادت میں بعض مستشرقین کے بیانات کو پیش کر دینا شاید بے محل نہ ہو۔ دتاسی اپنے خطبہ مورخہ یکم دسمبر ۱۸۶۳ء میں لکھتا ہے:-

"موسیو دو لیویاں نے جو انسٹی ٹیوٹ کے رکن اور سینیٹ کے ممبر ہیں اور ایک فاضل شخص ہیں، اپنی کتاب "اقوام کی پیدائشی قوت" میں ہندوستان کے متعلق ایک باب رکھا ہے۔ اس باب کا عنوان "آسیہ ہند" ہے۔ اس میں وہ کہتے ہیں کہ برطانوی ہند کی مردم شماری سرکاری کاغذات کے مطابق اس وقت [illegible] ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان تقریباً [illegible] ایک مشترک رشتہ کا کام دیتی ہے وہ اردو زبان ہے۔ یہ زبان پورے یورپ کے برابر رقبہ زمین میں بولی جاتی ہے۔" (خطبات ص [illegible])

[illegible] کے خطبہ میں دتاسی مسٹر چارلس [illegible] حسب ذیل بیان نقل کرتا ہے:-

"پٹنہ سے [illegible] تک سارے شمالی ہند کی زبان ہندوستانی ہے۔ شہروں میں [illegible]

[illegible]

"پھر وہ کہتے ہیں :" ہندی سے دراصل مراد وہ دیہاتی بولیاں ہیں جو شمالی ہند میں بولی جاتی ہیں۔ سیول سروس کے نوجوانوں کو جو ہندی سکھائی جاتی ہے وہ برج کی بھاشا ہے۔ یہ وہ بولی ہے جو متھرا اور بندرابن کے آس پاس بولی جاتی ہے۔" (خطبات ۔ ص ۷۰ ۔ ۳۶۹)

مستشرقین بالعموم ہندوستانی سے اردو زبان مراد لیتے تھے۔ چنانچہ دتاسی سیول سروس کے امتحان کی نصابی کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔

"سیول سروس کے امتحان کے لئے حسب ذیل ہندوستانی کتابیں نصاب میں رکھی گئی ہیں :۔ انتخابات باغ و بہار ۔ اخوان الصفا۔ سیر المتاخرین .... ہندی کے نصاب میں حسب ذیل کتابیں رکھی گئی ہیں :۔ انتخاب پریم ساگر۔ سنگھاسن بتیسی، اور شاید راج نیتی اور کالی داس کی راماین "۔ (خطبات ص ۷۵ ۔ ۳۷۴)

۴؍ دسمبر ۱۸۶۵ء کے خطبہ میں دتاسی نے ہندوستانی یعنی اردو کے ہندوستان کی مشترک زبان ہونے کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی ہے :۔

"بہر تقدیر لوگوں کا خیال ہندوستانی کی نسبت چاہے کچھ بھی ہو لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ وہ سارے ہندوستان کی مشترک زبان بن گئی ہے۔ دن بدن جو اس کی ترقی ہو رہی ہے اس کی وجہ سے وہ پورے دیس کی زبان کہی جا سکتی ہے۔ اس مسئلہ کی نسبت کپتان ایچ۔ مور (H. MOORE) نے اپنی رائے سے مجھے مطلع کیا ہے موصوف مرکزی حکومت میں ترجمان کے عہدے پر فائز ہیں۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں :۔

"بلاشبہ کچھ عرصہ کے بعد ہندوستانی مشرق کی ایک نہایت اہم زبان کی حیثیت اختیار کر لے گی۔ اسی زبان کے توسط سے لاکھوں اہل مشرق

تبادلۂ خیالات کرتے ہیں۔ ریل کی وجہ سے جو اندرونِ ملک میں ہزار میل کی
مسافت پر پھیلا گئی ہے۔ اور بھی ہندوستان اور وسط ایشیا کے لوگوں کو
ملنے جلنے کا موقع ملا۔ چنانچہ جب یہ لوگ ملتے ہیں تو ایک مشترک زبان کی
ضرورت کو محسوس کرتے ہیں۔ ہندوستانی زبان اس مقصد کو بطریق احسن
پورا کرتی ہے، اس لئے کہ اس کی ساخت میں ہندی، فارسی اور عربی کے
عناصر شامل ہیں۔ اس زبان میں بدرجہ اتم یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ
ہندو اور مسلمان دونوں کے مقاصد کو پورا کرے۔" (خطبات ص ۸۵۔۴۷۴)

غرض اس مقالے کے مطالعہ سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ مذہب سے محبت
رکھنے والوں نے اپنے اپنے مذہب کی خوبیوں کو ہندوستانیوں کے دلوں میں اتار دینے کے
لئے جس زبان کا وسیلہ سب سے زیادہ موثر سمجھا وہ اردو تھی۔

کتابیات

ان کتابوں کی فہرست جن کے اقتباسات یا حوالے اس مقالے میں دئے گئے ہیں۔ جن کتب خانوں میں یہ کتابیں ملیں ان کے نام بھی حاشیے پر درج ہیں۔

ہندو مذہب

(۱) منوسمرتی :۔ مترجمہ لالہ سوامی دیال۔ مطبع نول کشور، لکھنو۔ بار ششم ۱۸۸۹ء ص ۴۹۲

(۲) ترجمہ شری مد بھاگوت :۔ از منشی سوامی دیال۔ مطبع نول کشور، لکھنو۔ باردہم ۱۹۲۳ء (ص ۶۸۸)

(۳) بھگوتی اتہاس، ترجمہ دیبی بھاگوت۔ از پنڈت پیارے لال کشمیری۔ مطبع نولکشور لکھنو۔ ۱۸۷۷ء۔ ص ۵۸۵۔

(۴) دسم اسکندھ سری مد بھاگوت منظوم :۔ از منشی سردار سنگھ نسیم۔ مطبع نول کشور

۱۸۔ کلکی پوران۔ مترجمہ پنڈت ہردیال شرما۔ صادق المطابع میرٹھ ۱۸۹۶ء ص ۱۷۸۔

۱۹۔ شری مد بھگوت گیتا، موسوم بہ فلسفہ الوہیت۔ از پنڈت جانکی ناتھ مدن۔ رام نراین پریس، متھرا۔ طبع پنجم ۱۹۲۲ء۔ ص ۳۴۳۔

۲۰۔ بھگت مال۔ مترجمہ منشی تلسی رام۔ مطبع نول کشور، لکھنو ۱۸۸۱ء ص ۵۶۴۔

۲۱۔ اردو پنچ دشی۔ از منشی سورج نراین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۷ء ص ۴۹۲

۲۲۔ فلسفہ گیتا۔ از منشی سورج نراین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۱ء ص ۳۳۶۔

۲۳۔ وویک چوڑامنی۔ از منشی سورج نراین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۶ء ص ۲۷۱۔

۲۴۔ مہر بھجناولی۔ جلد اول۔ از منشی سورج نراین مہر دہلوی۔ سادھو پریس دہلی ۱۹۱۵ء ص ۲۴۸

۲۵۔ کلام مہر۔ جلد ثانی۔ از منشی سورج نراین مہر دہلوی۔ مفید عام پریس، لاہور ۱۹۱۰ء ص ۲۷۲

۲۶۔ چہل درویش۔ از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ ہندوستان الیکٹرک پرنٹنگ ورکس، دہلی۔ بار دوم ۱۹۲۴ء۔ ص ۴۶۵۔

۲۷۔ گیان گیتا، حصہ دوم۔ از پوکرداس۔ مطبع روہیلکھنڈ لٹریری سوسائٹی، بریلی۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۸۴۔

۲۸۔ شری مد بھگوت گیتا رہسیہ۔ مولفہ لوکمانیہ تلک۔ مترجمہ شانتی نارائن۔ بار سوم ۱۹۲۵ء۔ امرت پریس، لاہور۔ ص ۳۶۰

۲۹۔ شری مد بھگوت گیتا۔ مولفہ لوکمانیہ تلک۔ مترجمہ شانتی نارائن۔ بار اول ۱۹۲۵ء امرت پریس، لاہور۔ ص ۱۵۲۔

۳۰۔ یوگ شاستر۔ مرتبہ بابو پیارے لال۔ ودیا ساگر پریس، علی گڑھ ۱۹۰۱ء ص ۱۲۱۔

۳۱۔ بھرتری شتک۔ مترجمہ بابو جگ بنس رائے۔ ودیا ساگر پریس، علی گڑھ ۱۹۰۱ء ص ۵۹

۳۲۔ ویدانت کے رتن۔ از منشی سورج نراین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۶ء ص ۴۸

۳۳۔ اردو بچار ساگر۔ از منشی سورج نراین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی ۱۹۱۲ء ص ۴۵

۳۴۔ نیا بھگت مال۔ جلد اول۔ از بابو شیو برت لال۔ مطبوعہ ہندوستانی پریس، لکھنؤ۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۲۱۰۔

۳۵۔ سادھارن دھرم۔ جلد دوم۔ مصنفہ سوامی شیو گن جی یوگی۔ ص ۱۱۲۔
سرورق کے موجود نہ ہونے سے مترجم کا نام اور مطبع و سنہ طباعت معلوم نہ ہو سکا۔

۳۶۔ یوگ سار اردو۔ از سوامی راما نند سادھو۔ میکی پریس، گوجرانوالہ ۱۹۰۹ء۔ ص ۴۴۔

۳۷۔ گنیش پوران منظوم۔ از منشی شنکر دیال فرحت۔ مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۹۲۰ء
(ص ۱۲)

۳۸۔ جانکی بجے منظوم۔ از منشی شنکر دیال فرحت۔ مطبع نولکشور، لکھنؤ سنہ ۱۹۲۰ء۔
(ص ۱۲)

۳۹۔ رامائن منظوم۔ از منشی شنکر دیال فرحت۔ مطبع نولکشور کانپور بار دوم ۱۸۹۶ء
(ص ۱۵۸)

۴۰۔ منو سمرتی۔ مترجمہ کرپا رام شرما نگرانوی۔ ویدک دھرم پریس، دہلی۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۴۰۲۔

۴۱۔ بھرتری ہری شتک۔ مترجمہ بابو راجیشور ناتھ زیبا۔ امرت الیکٹرک پریس لاہور۔ ص ۸۰۔

۴۲۔ نمونہ اپ نشد۔ مرتبہ بابو پیارے لال۔ وِدیا ساگر پریس علی گڑھ ۱۹۰۰ء
(ص ۲۳۲)

۴۳۔ سانکھیہ درشن۔ مولفہ بابو شیو برت لال۔ ستیہ دھرم پرچارک پریس جالندھر
(ص ۲۰)

۴۴۔ بھگتی رہسیہ۔ مصنفہ سوامی وویکا نند۔ مترجمہ شانتی نرائن۔ ہندوستانی پریس
لاہور، ۱۹۲۴ء۔ ص ۱۲۰۔

۴۵۔ بھگتی۔ از سوامی وویکانند۔ مترجمہ شانتی نارائن۔ پنجاب پریس، لاہور۔ ص ۱۶۰
۴۶۔ بھگتی اور ویدانت۔ مولفہ سوامی وویکانند۔ مترجمہ شانتی نارائن۔ مفید عام پریس لاہور۔ ص ۲۰۰۔
۴۷۔ مہاراج سری کرشن اور ان کی تعلیم۔ از لالہ لاجپت رائے۔ ہندوستانی برقی پریس لاہور۔ سنہ ۱۹۰۰ء۔ ص ۲۴۳۔
۴۸۔ پوتھی گیان پرکاش۔ مولفہ منشی گلزاری لال۔ مطبع نولکشور، لکھنؤ۔ بار دوم سنہ ۱۸۷۱ء ص ۲۰
۴۹۔ رامائن مہر۔ از منشی سورج نراین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی سنہ ۱۹۱۴ء ص ۲۵۰
۵۰۔ نیائے درشن۔ مترجمہ سوامی درشنانند۔ رہبر پریس، مرادآباد۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۲۴۸
۵۱۔ مہابھارت منظوم۔ از منشی طوطا رام شایاں۔ مطبع نولکشور، کانپور۔ بار پنجم سنہ ۱۸۹۳ء۔ ص ۳۰۱۔
۵۲۔ گیان یوگ۔ از منشی سورج نراین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی۔ سنہ ۱۹۱۳ء۔ ص ۳۶۰۔
۵۳۔ عملی ویدانت اور لاہور لیکچر۔ از منشی سورج نراین مہر دہلوی۔ سادھو پریس، دہلی سنہ ۱۹۱۱ء ص ۱۴۲
۵۴۔ گیان بھاشکر۔ مولفہ لالہ نند کمار سنگھ۔ مطبع آریہ بھوشن، شاہجہانپور سنہ ۱۲۸۶ھ۔ ص ۲۴
۵۵۔ گلدستۂ مسرت۔ مولفہ برج موہن لال۔ مطبع سلیمانی، بنارس۔ سنہ ۱۹۰۷ء۔ ص ۲۴۴۔
۵۶۔ ذخیرۂ سعادت۔ مولفہ لال جی۔ مطبع نولکشور، لکھنؤ۔ سنہ ۱۸۷۶ء۔ ص ۵۴۔
۵۷۔ روحانی کہانیاں۔ از منشی سورج نرائن مہر دہلوی۔ سادھو پریس۔ دہلی۔ سنہ ۱۹۱۳ء ص ۵۰۔

۵۸۔ معیار المکاشفہ۔ مترجمہ باوا نگینا سنگھ بیدی۔ آنند پریس، لاہور۔ ص ۱۲۰
۵۹۔ مخزن مہابھارت۔ مترجمہ بابو جوالا پرشاد بھارگو۔ چار جلدوں میں۔ مطبع ست پرکاش آگرہ۔
۶۰۔ مخزن اسرار (ترجمہ گیتا) از پنڈت دینا ناتھ مدن۔ رام نراین پریس، متھرا۔ سنہ ۱۹۲۱ء

۷۹۔ یکمل رامائن بالمیکی۔ مترجمہ منشی دوارکا پرشاد افق لکھنوی۔ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، لاہور سنہ ۱۹۲۱ء۔ ص ۱۰۳۴۔

۸۰۔ پیام راحت۔ مولفہ سبھاگ مل سائینی۔ الیکٹرک پریس، جالندھر سنہ ۱۹۳۹ء۔ ص ۳۶۸

۸۱۔ بھگوت گیتا منظوم "نسیم عرفان" از منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی۔ کاروینیش پرنٹنگ ورکس، دہلی سنہ ۱۹۴۵ء۔ ص ۱۹۶۔

۸۲۔ گیتا گیان "روح معرفت" مولفہ چودھری روشن لال۔ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، لاہور سنہ ۱۹۴۳ء، ص ۲۰۵

۸۳۔ گیتا امرت "اکسیر روح" " " " " " سنہ ۱۹۳۷ء ص ۲۴۴

۸۴۔ گیتا پرکاش "نور ہدایت" " " " " " سنہ ۱۹۳۶ء ص ۴۲۳

۸۵۔ بھگوت گیتا۔ مترجمہ منشی شیام سندر لال۔ مطبع نولکشور، لکھنو سنہ ۱۸۸۴ء۔ ص ۲۱۴

۸۶۔ شریمد بھگوت گیتا "سر چشمہ عرفان" مترجمہ منشی جگناتھ پرشاد عارف۔ ناہی پریس میرٹھ ص ۱۹۲

۸۷۔ شری گیان کرشنائن۔ مولفہ بابو شیو برت لال۔ آریہ اسٹیم پریس، لاہور ص ۴۴۲

۸۸۔ پورن دھرم۔ مولفہ پنڈت نرمل چند۔ پرکاش اسٹیم پریس، لاہور۔ ص ۱۹۰۔

۸۹۔ اخلاق برج باشی حصہ اول۔ مولفہ برج باسی لال۔ گیان پریس، گوجرانوالہ سنہ ۱۸۷۸ء ص ۵۹

۹۰۔ جوہر تہذیب۔ مصنفہ رائے جواہر سنگھ جوہر۔ وکٹوریہ پیپر پریس سیالکوٹ۔ ص ۱۶۔

۹۱۔ طلسم اخلاق۔ مولفہ پنڈت سری کرشن۔ مطبع نولکشور لکھنو سنہ ۱۸۸۶ء۔ ص ۶۲۔

۹۲۔ گلدستہ تہذیب۔ مولفہ بابو کالی چرن۔ مطبع روہیلکھنڈ لٹریری سوسائٹی بریلی۔ سنہ ۱۸۶۹ء۔ ص ۸۰۔

۹۳۔ مثنوی اخلاق ہندی۔ از منشی کنہیا لال۔ مطبوعہ لاہور۔ سنہ ۱۸۷۴ء۔ ص ۲۴۴۔

۹۴۔ مشعل زندگی۔ مولفہ جگدیش متر شرما۔ مرکنٹائل پریس، لاہور سنہ ۱۹۱۷ء۔ ص ۱۹۲۔

برہمو سماج

(١) بنیاد الایمان براہم دھرم۔ پہلا حصہ۔ نیو امپریل پریس، لاہور ١٨٨٣ء۔ ص ٧٢۔

(٢) مرأۃ الدین، حصہ دوم۔ مولفہ ستیانند اگنی ہوتری۔ پنجابی پریس، لاہور ١٨٨٤ء ص ٥۔

(٣) دھرم جیون، حصہ اول و دوم۔ سرورق غائب۔ ص ٣٣۔

(٤) کتاب طریقت عبادت مجلسی براہم سماج۔ مطبع نولکشور، لکھنؤ ١٨٧٧ء۔ ص ٢٣۔

(٥) کلمات الدین۔ مطبع نولکشور، لکھنؤ ١٨٧٧ء۔ ص ٢٠۔

(٦) میری زندگی کا مشن۔ از ستیانند اگنی ہوتری۔ نیو امپریل پریس، لاہور ١٨٨٤ء ص ٢۔

(٧) دھرم پرکاش۔ مولفہ ستیانند اگنی ہوتری۔ گیان پریس، سیالکوٹ ١٨٨٦ء ص ٨٤٤

(٨) برہم پرکاش۔ مولفہ منشی دیوان چند۔ گیان پریس، گوجرانوالہ۔ ص ٨٠۔

پنجاب پبلک لائبریری لاہور

(٩) روحانی زندگی، حصہ اول۔ مولفہ ستیانند اگنی ہوتری۔ براہم پرچار پریس، لاہور ١٨٨٥ء ص ٢٨

(١٠) " حصہ دوم " " ١٨٨٦ء ص ١٥٢

(١١) دنیا کا ایک عالمگیر اور روحانی مذہب۔ از ستیانند اگنی ہوتری ١٨٨٦ء۔ ص ٦٦۔

(١٢) ہندو دھرم کی پرتشٹھتا۔ از بابو راج نراین بوس۔ مترجمہ بابو بیجناتھ۔ مطبع ودیا درپن میرٹھ۔ ص ٦٣۔ سنہ درج نہیں

(١٣) دھرم رکشا سٹیک۔ مولفہ بابو نوین چندر رائے۔ آگرہ پریس، آگرہ۔ ١٨٧٧ء۔ ص ٢٦٤۔

مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ

(۱۴) سانچ کو آنچ نہیں۔ از پنڈت لیکھ رام آریہ مسافر۔ ستیہ دھرم پرچارک پریس جالندھر سنہ ۱۹۵۱ بکرمی ص ۵۲۔

(۱۵) کاشف اسرار حقیقی۔ مولفہ منشی بالمکند سہائے۔ مطبع زبدۃ النظائر۔ الہ آباد سنہ ۱۹۹۲ء ص ۲۰۶

(۱۶) ویدک دھرم اور سائنس، جلد اول۔ مولفہ پنڈت لشن داس۔ سیوک اسٹیم پریس لاہور سنہ ۱۹۱۳ء ص ۱۳۶۔

(۱۷) گلدستہ دھرم۔ از لالہ تیواری لال دلیش۔ سیوک اسٹیم پریس، لاہور سنہ ۱۹۵۱ بکرمی ص ۹۲۔

(۱۸) روح و مادہ کی ازلیت۔ مولفہ لالہ پربھو رام۔ محمدی پریس، لاہور۔ سنہ درج نہیں ص ۵۶۔

(۱۹) ویدک دھرم پرچار۔ از رائے ٹھاکر دت دھون۔ مطبع نولکشور، لکھنؤ سنہ ۱۹۵۳ بکرمی ص ۳۲

(۲۰) امورت سدھانت۔ مولفہ بابو جوالا پرشاد ودیارتھی۔ مطبع ودیا درپن، میرٹھ سنہ ۱۸۹۱ء ص ۸۶

(۲۱) برھمچریہ کی عظمت۔ مولفہ مہتہ جیمنی۔ جارج اسٹیم پریس، لاہور۔ سنہ درج نہیں ص ۲۲۔

(۲۲) وید پرکاش۔ مولفہ مہتہ جے چند۔ پنجاب اکانومیکل پریس، لاہور سنہ ۱۹۱۰ء۔ ص ۴۴۔

(۲۳) مذہب کا مقصد۔ مولفہ پنڈت چموپتی۔ لکھمینا اسٹیم پریس، لاہور سنہ ۱۹۲۱ء۔ ص ۴۸۔

(۲۴) آریہ سدھانت یکتاولی حصہ اول۔ از کرپا رام شرما۔ ویدک دھرم پریس، دہلی۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۱۰۰۔

(۲۵) ویدوں کی عظمت۔ از کرپا رام شرما۔ مفید عام پریس، لاہور سنہ ۱۹۰۲ء۔ ص ۴۴۔

(۲۶) وچار مالا۔ مولفہ دیوان چند ایم۔ اے۔ مرکنٹائل پریس، لاہور سنہ ۱۹۴۳ء ص ۱۶۸۔

(۲۷) آریہ جاتی کے تیوہار۔ از لالہ دیوان چند گدھوک۔ گردھرم سٹیم پریس لاہور سنہ ۱۹۲۶ء ص ۸۴

(۲۸) پرشارتھ پرکاش۔ مترجمہ دینا ناتھ۔ آریہ پریس جالندھر سنہ ۱۹۱۱ء۔ ص ۲۶۴۔

(۲۹) رتن ساگر۔ از دیوان چند ایم۔ اے۔ راجپوت پرنٹنگ پریس، لاہور سنہ ۱۹۱۷ء ص ۱۴۰۔

(۳۰) ستیہ اپدیش مالا۔ از سوامی ستیہ نند جی۔ راجپوت پرنٹنگ پریس، لاہور سنہ ۱۹۱۱ء ص ۲۰۸

(۳۱) آنند سنگرہ۔ از سوامی سرود انند جی۔ مرکنٹائل پریس، لاہور سنہ ۱۹۳۰ء۔ ص ۲۵۶۔

(۴۲) رام راست۔ از سوامی سرودانند جی۔ نامی پریس، لاہور ۱۹۳۲ء۔ ص ۴۴۷

(۴۳) آریہ دھرم۔ از لالہ سنت رام بی۔ اے۔ مرکنٹائل پریس، لاہور ۱۹۲۵ء۔ ص ۱۲۰۔

(۴۴) آریہ جیون۔ مولفہ شہزادہ رام۔ ہندوستانی اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۱۰ء۔ ص ۴۸۔

(۴۵) برہم وچار۔ مولفہ بھگت شہزادہ رام۔ پبلک پرنٹنگ پریس، لاہور۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۹۶۔

(۴۶) وچار درشن " " " " " " ص ۲۲۶۔

(۴۷) شدھی۔ مولفہ کنور بہادر سکسینہ۔ شاہی پریس کان پور ۱۹۲۵ء۔ ص ۴۱۱۔

(۴۸) اظہار حقیقت۔ از گیان چند آریہ۔ نیشنل الیکٹرک پریس، دہلی۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۴۲۰۔

(۴۹) ویدک ٹریکٹ۔ از لالہ اجیت رائے۔ رفاہ عام اسٹیم پریس، لاہور۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۱۰۲۔

(۵۰) کلیات مسافر۔ از پنڈت لیکھ رام آریہ مسافر۔ مفید عام پریس، لاہور۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۷۴۲۔

(۵۱) وید ہی ایشوری گیان ہے۔ مولفہ [illegible] آریہ پبلشنگ [illegible] اسٹیم پریس، لاہور۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۱۰۔

(۵۲) کلیات سنیاسی۔ از سوامی شردھانند۔ ہندوستان الیکٹرک پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۰۳ء بکرمی۔ ص ۵۹۰۔

(۵۳) موتیوں کا ہار۔ از [illegible] راجپوت پرنٹنگ ورکس، لاہور ۱۹۱۰ء۔ ص ۱۴۲

(۵۴) [illegible]

(۵۵) [illegible]

(۵۶) [illegible]

(۵۷) [illegible]

(۴۸) رگ وید آدی بھاشیہ بھومکا۔ مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی۔ جلد اول۔ مترجمہ منشی رام جگیاسو۔ مطبع ست دھرم پرچارک، جالندھر۔ سنہ ۱۸۹۶ء ص ۴۸۴۔

(۴۹) یجروید۔ از سوامی دیانند سرسوتی۔ مترجمہ دھرم پال۔ رفاہ بازار اسٹیم پریس، امرتسر (ص ۴۳۲)

(۵۰) سنسکار ودھی۔ مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی۔ مترجمہ منشی رام (سوامی شردھانند) و نانا چند۔ گردھر اسٹیم پریس، لاہور، سنہ ۱۹۲۴ء ص ۵۹۹۔

(۵۱) سنسکار ودھی۔ مولفہ مہنت جیمنی جی۔ مطبع منشی سدرشن، ملتان۔ ص ۴۰۔

(۵۲) وحشت ہند حصہ اول۔ مولفہ ستیہ دیو جی۔ منشی ہر پرشاد پریس بلند شہر ص ۶۴

(۵۳) صداقت وید دھرم منظوم۔ از درگا پرشاد۔ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی۔

(۵۴) سندھیا مترجم منظوم۔ از کیول کشن۔ ستیہ دھرم پرچارک پریس جالندھر۔ سنہ ۱۹۰۲ء۔ ص ۴۰۔

(۵۵) سورج کی روشنی میں سات رنگ۔ مولفہ پنڈت گنگا پرشاد۔ رفاہ عام پریس لاہور۔ سنہ ۱۹۰۵ء۔ ص ۳۲۔

(۵۶) آئینہ مذہب ہنود۔ مولفہ منشی جے دیال سنگھ۔ مطبع نولکشور، کان پور۔ بار پنجم سنہ ۱۸۸۸ء۔ ص ۱۲۸۔

(۵۷) قدامت وید۔ مولفہ مہاشے گوردھن۔ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی۔ ص ۷۲۔

(۵۸)

(۵۸) جواہر الصدق۔ مرتبہ لالتا پرشاد شفق۔ لا پریس، کان پور۔ سنہ ۱۹۰۲ء۔ ص ۱۱۶۔

(۵۹) گیان بھاشکر۔ مولفہ نند کمار سنگھ۔ مطبع آریہ بھوشن، میرٹھ۔ سنہ ۱۲۸۶ھ۔ ص ۲۴۔

(۶۰) ست پرکاش۔ مولفہ بھائی جگت سنگھ۔ سنہ ۱۸۹۸ء۔ ص ۲۲۰۔

جین مذہب

(۱) جین مت سار۔ مولفہ لالہ سمیر چند جین۔ گیتا پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۳۰ء ص ۳۹۲

(۲) سناتن جین درشن پرکاش۔ مولفہ لالہ سوہن لال جینی۔ مطبع زرنگاری ۱۹۰۲ء ص ۵۳۶

(۳) جین کرم فلاسفی۔ مولفہ بابو رکھب داس جین۔ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۲۴ء ص ۳۲۔

(۴) جین دھرم وپرماتما۔ مولفہ بابو رکھب داس جین۔ ہندوستانی پرنٹنگ ورکس، دہلی۔ ۱۹۲۳ء۔ ص ۴۸

(۵) جین رتن مالا۔ مرتبہ لالہ کیوڑا مل۔ مطبع چودھویں صدی۔ راولپنڈی ۱۹۰۳ء ص ۹۲۔

(۶) گیان سوریہ اُدے حصہ دوم۔ مولفہ بابو سورج بھان۔ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی۔ ۱۹۲۵ء۔ ص ۴۶۔

(۷) لطف روحانی۔ مولفہ ماسٹر بشمبر داس۔ مطبوعہ پنجاب پرنٹنگ ورکس ۱۹۲۳ء ص ۵۲۔

(۸) انمول رتنوں کی کنجی حصہ اول۔ مولفہ اجودھیا پرشاد۔ امپیریل ٹیکسٹ بک ڈپو پریس دہلی ۱۹۱۷ء۔ ص ۲۷۔

(۹) انمول رتنوں کی کنجی حصہ دوم۔ مولفہ اجودھیا پرشاد۔ امپیریل بک ڈپو پریس، دہلی ۱۹۱۹ء۔ ص ۴۶۔

(۱۰) شاہ راہ مکتی۔ مطبوعہ لال اسٹیم پریس، لاہور۔ ۱۹۲۰ء۔ ص ۸۲۔

(۱۱) جین دھرم کی قدامت وصداقت پر یوروپین مورخین کی مدلل رائے مرتبہ لالہ متھرا داس جینی۔ پرکاش اسٹیم پریس، لاہور۔ ۱۹۱۸ء۔ ص ۱۳۔

(۱۲) جین تتو درپن۔ مولفہ سوامی رتن چند، بلالی اسٹیم پریس، سادھوڑہ، ضلع انبالہ۔ ۱۹۱۶ء۔ ص ۵۰۸۔

(۱۳) نوتت۔ مولفہ لالہ نتھو رام۔ شائع کردہ جین ٹریکٹ سوسائٹی، انبالہ ۱۹۲۱ء ص ۹۲

(۳) تاریخ دربار صاحب امرتسر۔ مرتبہ سردار ادھم سنگھ۔ خادم التعلیم اسٹیم پریس لاہور سنہ ۱۹۲۰ء ص ۱۱۸

(۴) دھرم بچار۔ از جواہر سنگھ۔ مطبع اسلامی، لاہور۔ سنہ ۱۸۸۹ء۔ ص ۱۱۸۔

(۵) گرو گوبند سنگھ کا جیون چرتر۔ مولفہ دولت رائے۔ رفاہ عام پریس، لاہور۔ سنہ ۱۹۰۱ء ص ۲۹۶

(۶) گرو ارجن مہاراج کی سوانح عمری "جسے گرو کے ایک سکھ نے بڑی بھگتی سے بنایا"
نول کشور پریس، لاہور۔ ص ۸۷۔

(۷) سچا بلی دان۔ مولفہ گوپال سنگھ۔ آنند پرکاش پریس، امرتسر سنہ ۱۸۹۸ء۔ ص ۳۶۔

(۸) گرو نانک درشن۔ از قمر۔ لکشمی آرٹ اسٹیم پریس، راولپنڈی۔ سنہ ۱۹۲۴ء۔ ص ۱۱۲۔

(۹) سکھوں کا روحانی انقلاب۔ مولفہ لابھ سنگھ۔ کریمی پریس، لاہور۔ سنہ ۱۹۲۳ء ص ۴۶۔

(۱۰) آسا دی وار۔ مترجمہ سوامی مترسین گردھر اسٹیم پریس، لاہور۔ سنہ ۱۹۲۵ء۔ ص ۱۵۸۔

(۱۱) پوتھی اونکار۔ کرشنا اسٹیم پریس، گوجرانوالہ۔ سنہ ۱۹۲۶ء۔ ص ۱۱۸۔

(۱۲) پوتھی راہ راس۔ مترجمہ سوامی مترسین۔ گردھر اسٹیم پریس، لاہور۔ سنہ ۱۹۲۳ء۔ ص ۱۲۸۔

(۱۳) پوتھی سکھ منی صاحب۔ مترجمہ سوامی مترسین۔ پریم بلاس پریس، گوجرانوالہ ص ۲۰۰

(۱۴) سوانح عمری شری گرو گوبند سنگھ دہم بادشاہ۔ مولفہ مکھن سنگھ۔ پنجاب پریس
لاہور۔ ص ۶۵۔

(۱۵) جپ جی صاحب سٹیک۔ مترجمہ منی سنگھ۔ سرورق غائب۔ ص ۹۶۔

(۱۶) سری آدگرنتھ۔ مطبوعہ گیان پریس، گوجرانوالہ۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۱۴۴۔

(۱۷) نانک پرکاش۔ مولفہ گورکھ سنگھ۔ مطبع آفتاب پنجاب، لاہور سنہ ۱۸۸۴ء۔ ص ۴۸۰

(۱۸) عطر روحانی۔ ترجمہ جپ جی۔ از سردار عطر سنگھ۔ گیان پریس، گوجرانوالہ سنہ ۱۸۷۴ء ص ۴۲

(۱۹) جپ پرمارتھ مطبوعہ گیان پریس، گوجرانوالہ۔ ص ۱۳۲۔ سنہ درج نہیں۔

(۵) تفسیر زبور۔ مولفہ پادری علی بخش۔ پی۔ آر۔ بی۔ ایس پریس، لاہور۔ سنہ درج نہیں ص ۵۰۴

(۶) عبرانیوں کے نام کے خطوط کی تفسیر۔ مولفہ پادری لوکس پی۔ ار۔ بی۔ ایس، پریس۔ لاہور ۱۹۳۱ء۔ ص ۴۸۷۔

(۷) کرنتھیوں کے نام مقدس پولوس کے دوسرے خط کی تفسیر۔ مترجمہ بہاری لال ریلارام مسیحی پریس، لاہور ۱۹۲۶ء۔ ص ۳۰۱۔

(۸) تفسیر نامہ رسول پولوس بنام فلپیان۔ مولفہ پادری ٹی واکر۔ پی۔ ار۔ بی۔ ایس پریس، لاہور ۱۹۳۴ء۔ ص ۲۷۲۔

(۹) تھسلنیکیوں کو پولوس رسول کے پہلے خط کی تفسیر۔ مولفہ پادری لوکس، مشن پریس الہ آباد ۱۹۲۰ء۔ ص ۲۰۷۔

(۱۰) تھسلنیکیوں کو پولوس کے دوسرے خط کی تفسیر۔ مولفہ پادری لوکس، مشن پریس الہ آباد ۱۹۲۷ء ص ۱۷۸۔

(۱۱) پیدائش کی کتاب کی تفسیر۔ مترجمہ مسٹر ای۔ جوزف۔ وکٹوریہ پریس، پٹیالہ۔ سنہ درج نہیں۔ ص ۱۹۴۔

(۱۲) پولوس رسول کے خط بنام افسیون کی تفسیر۔ مولفہ ڈاکٹر آر لیبن۔ شری بالمکند اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۲۶ء۔ ص ۱۴۴

(۱۳) لیسوع مسیح کا احوال مرتبہ ہنری کارٹیکر صاحب۔ شائع کردہ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی۔ بار دوم ۱۸۹۵ء۔ ص ۱۹۰۔

(۱۴) بائبل کے لڑکے۔ میتھوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس، لکھنو ۱۹۳۰ء۔ ص ۱۴۱۔

(۱۵) لیسوع مسیح کی گرفتاری اور موت۔ مولفہ ڈاکٹر اسٹاکر۔ مفید عام پریس، لاہور ۱۹۰۵ء (ص ۳۰۸)

(۱۶) زندہ مسیح اور اناجیل اربعہ۔ مترجمہ پادری طالب الدین ۱۹۰۶ء۔

(۳۵) سیداور غزلیں۔ از پادری ای۔ پی نیوٹن مشن اسٹیم پریس، لودھیانہ سنہ ۱۹۲۰ء ص ۷۰

(۳۶) مجموعہ غزلیات۔ شائع کردہ نارتھ انڈیا کرسچین ٹریکٹ اینڈ بک سوسائٹی۔ الہ آباد۔
مشن پریس، الہ آباد۔ سنہ ۱۹۴۶ء ص ۲۳۔

(۳۷) بھجن سنگرہ۔ شائع کردہ نارتھ انڈیا کرسچین ٹریکٹ اینڈ بک سوسائٹی۔ الہ آباد
انڈین پریس، الہ آباد۔ سنہ ۱۹۳۰ء ص ۳۲۔

(۳۸) سیالکوٹ کنونشن۔ پی۔ ار۔ بی۔ ایس، پریس، لاہور۔ سنہ ۱۹۴۵ء ص ۱۷۶

(۳۹) راحت دل۔ از پادری۔ رحمت مسیح واعظ۔ پی۔ آر۔ بی۔ ایس پریس لاہور سنہ ۱۹۳۹ء ص ۲۱۴

(۴۰) ابن خور۔ مترجمہ ای۔ ایل۔ جرمی۔ اتحاد پریس، لاہور سنہ ۱۹۴۳ء ص ۳۵۶۔

(۴۱) قیامت مسیح۔ مولفہ پادری ٹھاکر داس۔ پی۔ ار۔ بی۔ ایس پریس لاہور سنہ ۱۹۴۰ء ص ۱۱۸

(۴۲) بائبل کے تدریجی سبقوں کی دوسری کتاب۔ مولفہ پادری کلیٹن صاحب۔ انڈین پریس
الہ آباد۔ سنہ ۱۹۲۶ء۔ ص ۳۷۲۔

(۴۳) بائبل کے تدریجی سبقوں کی تیسری کتاب۔ شائع کردہ کرسچین لٹریچر سوسائٹی الہ آباد
سنہ ۱۹۲۶ء۔ ص ۳۱۸۔

(۴۴) بائبل کے تدریجی سبقوں کی چوتھی کتاب۔ شائع کردہ کرسچین لٹریچر سوسائٹی۔ الہ آباد
سنہ ۱۹۲۶ء۔ ص ۳۴۰۔

(۴۵) مسیحی کی خوش وقت زندگی کا بھید۔ مترجمہ بابو پولس سنگھ مشن پریس، الہ آباد۔
سنہ ۱۸۸۹ء۔ ص ۲۲۷۔

(۴۶) ترجمہ مزامیر یا شرح و تفسیر۔ مرزا پور آرفن اسکول پریس سنہ ۱۸۷۱ء ص ۵۳۴۔

(۴۷) حقوق و فرائض نسواں۔ مولفہ پادری جے۔ ایچ۔ آرلبن پی۔ آر۔ بی۔ ایس پریس
لاہور سنہ ۱۹۲۰ء۔ ص ۶۴۔

۴۸ دعائیں و مناجاتیں۔ مترجمہ پادری ولیم میچن۔ مشن پریس۔ الہ آباد سنہ ۱۹۳۶ء ص ۱۰۴۔

(۶۵) مسیحی کی انجیل پر سوالات۔ مشن اسٹیم پریس لودھیانہ ۱۹۱۵ء ص ۴۴

(۶۶) چھوٹا منہ بڑی بات۔ شائع کردہ پنجاب رلیجس بک سوسائٹی۔ پی۔ آر۔ بی ایس پریس لاہور ۱۹۲۲ء ص ۱۳۔

(۶۷) بائبل کے مجازی الفاظ اور ان کا مطلب۔ مرتبہ قاضی خیر اللہ۔ گیلانی الکٹرک پریس لاہور ۱۹۲۲ء ص ۲۲۔

(۶۸) اصلاح اخلاق۔ لودھیانہ مشن پریس ۱۹۱۰ء ص ۶۰۔

(۶۹) سیر گاہ در انگلستان۔ مشن پریس، لودھیانہ۔ ۱۸۷۱ء ص ۸۸۔

(۷۰) اردو کی پہلی کتاب۔ شائع کردہ پنجاب رلیجس بک سوسائٹی۔ مفید عام پریس لاہور ع

(۷۱) اردو کی دوسری کتاب۔ شائع کردہ کرسچین لٹریچر سوسائٹی، الہ آباد۔ انڈین کرسچین پریس الہ آباد ۱۹۰۵ء۔ ص ۹۷۔

(۷۲) اردو کی تیسری کتاب شائع کردہ پنجاب رلیجس بک سوسائٹی مشن پریس، لودھیانہ ۱۸۹۰ء ص ۲۴۰۔

(۷۳) مخطوط بنام طفلان خرد۔ میتھوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس، لکھنؤ ۱۸۸۶ء ص ۴۷۔

(۷۴) ہدایت الاطفال۔ 〃 〃 〃 ۱۹۱۰ء ص ۵۲۔

(۷۵-۸۵) رسائل پروفیسر لطفی لیوڈیاں۔ شائع کردہ پنجاب رلیجس بک سوسائٹی، لاہور،
۱۔ مذہب اور اخلاق ۲۔ مذہب میں اختیار و اقتدار کا درجہ۔ ۳۔ مذہب اور امن و صلح۔ ۴۔ مذہب اور دعا۔ ۵۔ مذہب میں عقل کا درجہ۔ ۶۔ مذہب اور معاشرتی مسائل ۷۔ مذہب میں منبع قدرت۔ ۸۔ مذہب و سائنس۔ ۹۔ مذہب کا معیار۔ ۱۰۔ خود داری ۱۱۔ حریت۔

(١٠١) توراۃ مقدس۔ سرورق موجود نہیں۔ ص ٣٠٧۔

(١٠٢) بائبل کی نقلیں۔ میتھوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس، لکھنو ١٨٨٧ء۔ ص ٣٨٦۔

(١٠٣) صلوٰۃ الجماعت کی کتاب چرچ مشن پریس، کلکتہ ١٨٢٩ء۔ ص ٥٢٤ + ٤٧۔

(١٠٥) کتاب عہد جدید۔ مطبع ولیم واٹس، لندن ١٨٦٠ء۔ ص ٥١١۔

(١٠٦) کتاب مقدس۔ بپتسمت مشن پریس، کلکتہ ١٨٤٣ء۔ ص ١٢١٤۔

(١٠٧) تذکرۃ المومنین حصہ اول۔ مترجمہ پادری تاراچند مشن پریس لودھیانہ ١٨٧٤ء ص ١٤٢۔

(١٠٨) " " حصہ دوم۔ " " " " ١٨٨٢ء ص ٢٧١۔

(١٠٩) مسیح کا نمونہ۔ مفید عام پریس، لاہور ١٩٠٢ء۔ ص ٢٨٨۔

(١١٠) مسیح کی پیروی۔ رفاہ عام پریس، لاہور۔ ص ٤٤٤۔

(١١١) حل مشکلات۔ نولکشور پریس، لاہور ١٩١١ء۔ ص ٢٠٠۔

(١١٢) آئینہ دل۔ مشن پریس، لودھیانہ ١٨٩٩ء۔ ص ٧٠۔

(١١٣) کتاب مقدس۔ سرورق کے موجود نہ ہونے سے مطبع اور سنہ طباعت معلوم نہ ہو سکا
(ص ٥٦٣)

(١١٤) ہمارے خداوند یسوع مسیح کا نیا وثیقہ۔ مطبوعہ بائبل پریس، کلکتہ ١٨٣١ء ص ٥٥٣

(١١٥) کتاب القدس۔ جلد اول۔ بائبل پریس کلکتہ ١٨٤٣ء۔ ص ١٠١٢۔

(١١٦) کتاب القدس۔ جلد ثانی۔ ایشیاٹک پریس، کلکتہ ١٨٤٤ء۔ ص ٤٤٧۔

(١١٧) مقدس کتاب کا احوال۔ آرفن اسکول پریس، مرزاپور ١٨٥٥ء۔ ص ٢٩٠۔

کتب حوالہ

(۱) عرب و ہند کے تعلقات۔ از مولانا سید سلیمان ندوی۔ شائع کردہ ہندوستانی اکاڈمی، الہ آباد۔ ۱۹۳۰ء۔

(۲) تحفۃ المجاہدین۔ مترجمہ حکیم شمس اللہ قادری۔ شروانی پرنٹنگ پریس، علی گڑھ۔

(۳) ملیبار۔ مولفہ حکیم شمس اللہ قادری۔ مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ۔

(۴) کتاب الہند (البیرونی) مترجمہ سید اصغر علی۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو۔

(۵) ہندوستانی قومیت اور قومی تہذیب۔ از ڈاکٹر سید عابد حسین۔ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی ۱۹۴۶ء

(۶) نقوش سلیمانی۔ از مولانا سید سلیمان ندوی۔ مطبع معارف، اعظم گڑھ۔

(۷) چشمہ کوثر۔ از شیخ محمد اکرام۔ شائع کردہ تاج آفس، بمبئی۔

(۸) خطبات گارساں دتاسی۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو ۱۹۳۵ء

(۹) اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام۔ از مولوی عبدالحق۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو۔ ۱۹۳۳ء

( ) انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ۔ از علامہ عبداللہ یوسف علی شائع کردہ ہندوستانی اکاڈمی، الہ آباد ۱۹۳۶ء

یوذاسف و بلوہر۔ مترجمہ سید عبدالغنی۔ مطبع شمسی، حیدرآباد دکن۔

(۱۲) ہندو دھرم اور اصلاحی تحریکیں۔ از پروفیسر پریتم سنگھ، مطبوعہ امرت الکٹرک لاہور، ۱۹۴۱ء

(۱۳) رسالہ "مخزن"، ستمبر ۱۹۰۵ء۔

(۱۴) رسالہ "ہندوستانی"، جولائی ۱۹۳۱ء۔